فقہِ شافعی

مختصر فقہی احکام مع دلائل وحکم

جلد اول

(نماز، روزہ، زکوۃ، حج، عمرہ، قسم، نذر، شکار، ذبیحہ، کفارات)

تالیف:

ڈاکٹر مصطفیٰ خن، ڈاکٹر مصطفیٰ بغا، علی شربجی

ترجمہ

عبدالحمید اطہر ندوی

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید بھٹکل

پہلا ایڈیشن

نام کتاب : الفقه المنهجی علی مذهب الامام الشافعی

اردو نام : فقہِ شافعی

تصنیف : ڈاکٹر مصطفیٰ خن، ڈاکٹر مصطفیٰ بغا، علی شربجی

ترجمہ : عبدالحمید اطہر ندوی

صفحات :

تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۰۸ء

کمپوزنگ: ندوی پرنٹرس بھٹکل

تعداد اشاعت: ۲۰۰۰

قیمت : ۱۸۰ روپے

ملنے کے پتے:

نیوشباب بک ہاؤس، ندوہ روڈ، لکھنؤ۔ یوپی

مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی، پوسٹ بکس نمبر: ۳۰، بھٹکل، کرناٹک ۵۸۱۳۲۰

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید بھٹکل

پوسٹ بکس نمبر ۱۳ بھٹکل ۵۸۱۳۲۰، کرناٹک

فہرست کتاب

ابتدائیہ

عرضِ مترجم

تمام جہانوں کے خالق اور پالن ہار خداے وحدہ لاشریک لہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں، جس ذاتِ عالی نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ ان کی ہدایت کا سامان بھی مہیا کیا، خصوصاً امت محمدیہ پر عظیم احسانات فرمائے اور ان کو خیر امت بنایا، اور اس کی دلیل کے طور پر قرآن جیسی عظیم ولاثانی کتاب نازل فرمائی اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے تفصیلی احکام عطا فرمائے، درود وسلام ہو اللہ کے سب سے محبوب اور برگزیدہ بندے سیدنا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی ﷺ پر، جن کے احسانات بے شمار ہیں، اور جن کے بغیر اسلام کا تصور نہیں۔ اسی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا گیا اور زندگی سے متعلق جو چیزیں مرورِ ایام کے ساتھ سامنے آئیں، اسے قرآن اور حدیث کی روشنی میں علماء اور فقہاے امت نے احکام کی شکل میں پیش کیا، ان ہی احکام کا نام اصطلاح میں فقہ ہے، جس کو ہمارے عظیم محدثین، علماء اور فقہا نے اپنی بے پایاں محنتوں کو صرف کر کے مدون اور مرتب کیا ہے۔

اللہ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس کی ذاتِ اقدس نے زیر نظر کتاب ''الفقہ المنہجي علی مذهب الإمام الشافعي'' کا اردو میں منتقل کرنے کی مجھے سعادت بخشی، اس کتاب کی خصوصیات کیا ہیں؟ خود مصنفین نے اپنے پیش لفظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہ شافعی کے موضوع پر بہت ہی کم کتابیں اردو میں پائی جاتی ہیں اور اس کتاب کی بہت سی خصوصیات ہیں، سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احکام کے ساتھ ساتھ ان کی حکمتوں اور قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس سے ان کے دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں، اس میں تفصیلی احکام

کے بجائے اختصار پر اکتفا کیا گیا ہے اور اکثر مسائل مع دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

بعض احباب نے خصوصاً اپنے علمی کاموں میں سب سے زیادہ تعاون اور ہمت افزائی کرنے والے رفیق محترم مولانا فیصل احمد ارمار ندوی نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس اہم کتاب کو اردو میں منتقل کروں، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کام کا بیڑا اٹھایا، الحمدللہ اس کتاب کی ایک جلد کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، باقی دو جلدیں ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئیں گی، بس اس کی تکمیل کے لیے اللہ کی طرف سے توفیق اور آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

میں اپنے مشفق استاذ محترم مولانا محمد شعیب صاحب ندوی (جن سے میں نے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی ہے)، ادب وحدیث کے میرے استاذ مولانا عبد الرب صاحب ندوی، میرے عزیز استاذ مولانا ناصر صاحب اکرمی جامعی، میرے عزیز دوست مولانا محمد عمیر خلیفہ ندوی اور برادر عزیز مولانا رحمت اللہ صاحب رکن الدین ندوی کا بڑا مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود اس ترجمے پر نظر ثانی کا کام کیا، ان کے علاوہ میں اپنے ان تمام خیر خواہوں اور دوستوں کا ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کو لائق اشاعت بنانے میں میرا تعاون کیا، خصوصاً میرے دوست مولوی عمر نعمان کاسرکوڈ ندوی (ندوی پرنٹرس) کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی دلچسپی کی وجہ سے یہ کام جلد مکمل ہوا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ امت مسلمہ کو فائدہ پہنچائے۔

والسلام

عبد الحمید اطہر ندوی

چوک بازار، بھٹکل

پیش لفظ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہ اپنی واضح اور کھلی ہوئی کتاب میں فرماتا ہے: "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ" کیوں نہیں نکلے ہر گروہ کے چند لوگ تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

درود وسلام ہو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر جن کا فرمان ہے: "جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے" اور آپ ﷺ کے پاک وصاف آل واصحاب پر، جنھوں نے واضح دلیلوں کی روشنی میں اس دین کو پھیلانے کا کام کیا۔

سب سے بہترین کام حلال وحرام، صحیح اور غلط کو جاننا ہے، جو علم فقہ کہلاتا ہے، ہمارے اسلاف اور متقدمین نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن کا شمار بھی مشکل ہے، ان میں سے ہر ایک نے یہی سمجھا کہ ایک خلا ہے جس کو پُر کرنا ضروری ہے اور ایک ضرورت ہے جس کا پورا کرنا اور اس کے لیے انتھک محنت اور جدوجہد کرنا ان کی ذمہ داری ہے، بعض کتابیں ضخیم ہیں، جن کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی، اور بعض کتابیں مختصر ہیں، جن کو مختصر کرنا ضروری تھا، بعض کتابیں نظم میں ہیں اور بعض نثر میں، بعض کتابوں میں صرف اہم اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں فروعی مسائل کا ذکر نہیں ہے، ان تمام کتابوں کا مقصد اسلامی کتب خانہ میں موجود کمی کو پورا اور خلا کو پُر کرنا ہے، شاید کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے راضی ہو جائے اور اس علم کا شمار صدقہ جاریہ اور علم نافع میں ہو، جس کا ثواب قیامت تک ملتا رہتا ہے۔

ہمیں بھی یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس میں

کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ ساتھ اہم مسائل کا تذکرہ کیا جائے اور حتی الامکان ان احکام کی حکمتیں بیان کی جائیں، تعبیر آسان ہو اور زیادہ سے زیادہ ذیلی عناوین کے تحت مسائل بیان کیے جائیں تا کہ مسائل کی مکمل وضاحت ہو، ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اپنے اسلاف فقہائے کرام کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، لیکن ہمیں احساس ہوا کہ یہ کام کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، چناں چہ ہم نے اللہ سے مدد طلب کی اور اپنی طاقت بھر کوشش کر کے یہ کام انجام دیا، ہمیں یہ دعویٰ نہیں ہے اور کبھی یہ دعویٰ کر بھی نہیں سکتے کہ ہم مقصد اور غایت تک پہنچ گئے ہیں، البتہ ہم نے انتھک محنت سے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔

اب ہم یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، اس کتاب کا نام "الفقه المنهجي على مذهب الامام الشافعي" ہے، ہم اپنے ان بھائیوں سے جو بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتے ہیں، امید کرتے ہیں کہ ہمارے مقصد تک پہنچنے میں جو چیزیں رہ گئی ہیں، ان کی طرف ہماری رہنمائی کریں گے۔

اے اللہ! تو ہماری کاوشوں میں اخلاص پیدا فرما اور ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تیری محبت اور رضا وخوشنودی حاصل ہو اور ہماری کاوشوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اور تو ہماری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما، آمین۔

مصنفین

مقدمہ

علم فقہ، اس کے مصادر و مراجع

اور بعض اصطلاحات کی تعریف:

فقہ کے معنی: فقہ کے دو معنی ہیں، ایک لغوی اور دوسرے اصطلاحی، فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**فَمَالِهٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا**" (النساء ۷۸) ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ بات کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے: "**وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ**" (اسراء ۴۴) لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**اِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ**" (مسلم ۸۶۹) نماز میں طول اور خطبہ میں اختصار آدمی کے فہم کی علامت ہے۔

فقہ کے اصطلاحی معنی دو ہیں:

پہلی تعریف: مکلّف کے اعمال اور اقوال سے متعلق شرعی احکام کو جاننا جو قرآن اور حدیث کے نصوص اور ان دونوں سے ماخوذ اجماع اور اجتہاد کے تفصیلی دلائل سے حاصل ہوں۔

مثلاً اس بات کا جاننا کہ وضو میں نیت کرنا فرض ہے، یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے اخذ کیا گیا ہے: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" (بخاری:۱، مسلم ۱۹۰۷) اور روزہ صحیح ہونے کے لیے رات ہی کو نیت کرنا شرط ہے، یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے اخذ کیا گیا ہے: "جو فجر سے پہلے رات ہی میں روزہ کی نیت نہ کرے تو اس کا روزہ نہیں" (بیہقی ۲۰۲/۴، دار قطنی ۱۷۲/۲)

اس بات کا جاننا بھی اس معنی میں شامل ہے کہ وتر کی نماز سنت ہے، یہ حکم اس بدّو کی

گفتگو سے اخذ کیا گیا ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے فرائض کے بارے دریافت کیا، پھر اخیر میں پوچھا: کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں، مگر یہ کہ تم تطوعاً (نفلاً) کرلو" (بخاری ۱۷۹۲، مسلم ۱۱)

عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہ حکم نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے اخذ کیا گیا ہے کہ عصر کی نماز کی بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز نہ پڑھی جائے۔ (بخاری ۵۶۱، مسلم ۸۲۷)

سر کے کسی حصے کا مسح کرنا وضو میں فرض ہے، یہ حکم اللہ کے اس فرمان سے اخذ کیا گیا ہے: "**وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ**" (اپنے سروں کا مسح کرو) ان شرعی احکام کو جاننا اصطلاح میں فقہ کہلاتا ہے۔

دوسری تعریف: خود شرعی احکام کو بھی فقہ کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں: **دَرَسْتُ الْفِقْهَ** (میں نے فقہ پڑھی) یعنی فقہ کی کتابوں میں موجود شرعی فقہی احکام کو پڑھا جو کتاب اللہ اور سنت نبوی، اجماع امت اور ان کے اجتہادات سے مستفاد ہیں، مثلاً وضو و نماز کے احکام، خرید و فروخت کے احکام، شادی اور رضاعت (دودھ پلانے) کے احکام، جنگ اور جہاد کے احکام وغیرہ۔

ان شرعی احکام کو بھی اصطلاح میں فقہ کہا جاتا ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے کا اطلاق احکام کے جاننے پر ہوتا ہے اور دوسرے کا اطلاق خود شرعی احکام پر ہوتا ہے۔

اسلامی عقیدے سے فقہ کا تعلق:

اسلامی فقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایمان باللہ سے مکمل اور گہرا تعلق ہے اور اس کا اسلامی عقیدہ کے ارکان خصوصاً یوم آخرت پر ایمان کے ساتھ مستحکم اور پائیدار رشتہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی مسلمان کو دینی احکام کو تھامنے اور اختیاری طور پر ان کو اپنی زندگی میں منطبق کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اسی وجہ سے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نماز اور روزے کا پابند نہیں رہتا اور اپنے اعمال میں حلال اور حرام کی رعایت نہیں رکھتا، چناں چہ شریعت کے احکام کی پابندی اس ذات پر ایمان لانے کا ایک جزء ہے، جس نے یہ احکام اتارے ہیں اور ان کو اپنے بندوں کے لیے مشروع کیا ہے۔

قرآن کریم میں فقہ کے ایمان کے ساتھ مربوط ہونے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، یہاں چند مثالوں کو پیش کیا جارہا ہے تاکہ احکام وایمان کے درمیان اور شریعت وعقیدے کے درمیان ربط وتعلق معلوم ہوجائے:

(۱) اللہ عزوجل نے طہارت وپاکی کا حکم دیا ہے اور اس کو ایمان باللہ کے لوازم میں شمار کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ" (سورہ مائدہ ۶) اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ......

(۲) اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوۃ کا تذکرہ آخرت پر ایمان کے ساتھ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ" (نمل ۳) جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اوز کوۃ ادا کرتے ہیں، وہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کیا، جس سے تقویٰ اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے، قرآن میں اس کو ایمان سے مربوط کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (بقرہ ۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیے گئے، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیے گئے تھے، شاید کہ تم میں خشیتِ الٰہی پیدا ہو۔

(۴) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان صفات حمیدہ کو بیان کیا جن سے ایک مسلمان کو متصف ہونا ضروری ہے تو اس کو ایمان باللہ کے ساتھ مربوط کیا، جس سے مسلمان جنت

میں داخلہ کا مستحق ہوجاتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ...." (المومنون ۱ تا ۱۱) وہ مومنین کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور جو لغو اور بیکار (کاموں اور باتوں) سے اعراض کرتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، صرف اپنی بیویوں اور باندیوں کے ساتھ اس کا استعمال کرتے ہیں چناں چہ اس سلسلے میں ان پر کوئی ملامت نہیں، پس جو کوئی اس کے علاوہ کی خواہش کرے وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، وہی لوگ وارث ہیں، جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

(۵) اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور لوگوں کو مخاطب کرتے وقت تمہید ایمان سے باندھی ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كُرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ" (النساء ۱۹) اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو، اور ان سے کچھ لینے کے لیے روکے رکھو، مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کا کام کریں۔

(۶) اللہ نے مطلقہ کو تین طہر عدت گزارنے اور اگر حاملہ ہو تو اپنے حمل کو نہ چھپانے کا حکم دیا تو اس کو اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ مربوط کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْ أَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ" (بقرۃ ۲۲۸) اور طلاق شدہ عورتیں تین طہر تک انتظار کریں گی اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے رحم میں موجود اللہ کی تخلیق کو چھپائیں، اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔

(۷) اللہ سبحانہ وتعالیٰ شراب، جوا، بتوں اور پانسوں سے بچنے کا حکم مومنین کو ایمان کے وصف سے پکارنے کے بعد دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بچنا ایمان کے

خلوص کی دلیل ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (مائدہ ۹۰) اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے، سب شیطان کے گندے کام ہیں، چناں چہ تم ان سے بچو، شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور سود چھوڑنے کو تقویٰ اور ایمان کی تکمیل بتایا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (آل عمران ۱۳۰) اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ، دوگنا تین گنا کر کے، اور اللہ سے ڈرو، شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" (البقرۃ ۲۷۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔

(۹) اللہ نے عملِ صالح کی ترغیب دی اور اس کو الٰہی مراقبہ کے شعور اور ذمہ داری کے احساس سے گھیر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" (توبہ ۱۰۵) اور آپ کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پس اللہ، اس کا رسول اور مومنین تمہارا عمل دیکھیں گے اور تم کو عنقریب غیب اور موجود چیزوں کو جاننے والے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، پس وہ تم کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اکثر احکام کو ایمان کے ساتھ جوڑا ہے، قرآن میں بیان کردہ احکام میں خال خال ہی کوئی حکم ایسا ہے جو اللہ پر ایمان اور عقیدۂ اسلامی کے بنیادی ارکان سے مربوط نہ ہو، اسی وجہ سے اسلامی فقہ کو دینی تقدس اور روحانی سلطنت و غلبہ حاصل ہے، کیوں کہ فقہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ شرعی احکام کا نام ہے، جو اس کی اطاعت اور رضامندی کا موجب ہے، اور اس کی مخالفت میں اللہ کے ناراض ہونے کا خطرہ ہے، یہ محض قانونی احکام نہیں ہیں، بلکہ انسان اس کے ذریعے اپنے ضمیر سے اس کی وابستگی اور اپنے

خالق سے تعلق کا احساس کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (النساء ۶۵) آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک وہ آپ کو اپنے درمیان ہونے والے اختلافات میں حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اس کو مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

اسلامی فقہ تمام انسانی ضرورتوں پر مشتمل ہے:

انسانی زندگی کے متعدد پہلو ہیں، انسانی سعادت اور خوش حالی منظم انداز میں ان تمام پہلوؤں کی رعایت کرنے میں پوشیدہ ہے، چوں کہ اسلامی فقہ ان احکام سے عبارت ہے، جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے ان کے مفادات کی رعایت کرتے ہوئے مشروع کیا ہے، فقہِ اسلامی ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے اور اپنے احکام کے ذریعے لوگوں کی تمام ضرورتوں کو منظم کرتا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

اگر ہم کتاب وسنت، اجماعِ امت اور علماء کے اجتہادات سے مستنبط شرعی احکام پر مشتمل فقہ کی کتابوں کو دیکھیں تو ہم فقہ کو سات زمروں میں منقسم پائیں گے، جن کے مجموعے سے لوگوں کا انفرادی اور اجتماعی قانون تشکیل پاتا ہے، وہ سات زمرے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اللہ کی عبادت سے متعلق احکام: مثلاً وضو، نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ، ان احکام کو عبادات کہا جاتا ہے۔

(۲) خاندانی نظام سے متعلق احکام: مثلاً شادی بیاہ، طلاق، حسب ونسب، رضاعت، نفقہ، وراثت وغیرہ، ان احکام کو معاشرت یعنی "پرسنل لاء" کہا جاتا ہے۔

(۳) لوگوں کے اعمال اور ایک دوسرے کے ساتھ کیے جانے والے معاملات اور سلوک سے متعلق احکام: مثلاً خرید وفروخت، رہن، کرایہ، دعویٰ، گواہی اور فیصلہ وغیرہ ان احکام کو معاملات کہا جاتا ہے۔

(۴) حاکم اور حکومت کی ذمہ داریوں سے متعلق احکام: مثلاً عدل وانصاف کا قیام ظلم وزیادتی کا خاتمہ، احکام کو نافذ کرنا وغیرہ، اور محکومین کی ذمہ داریاں: مثلاً گناہ کے کاموں کے علاوہ میں حاکم کی اطاعت وغیرہ، ان احکام کو احکامِ حکمرانی یا سیاستِ شرعیہ کہا جاتا ہے۔

(۵) مجرمین کو سزا دینے، امن وامان اور نظامِ حکومت کی حفاظت سے متعلق احکام: مثلاً قاتل، چور، شرابی وغیرہ کی سزائیں، ان احکام کو عقوبات کہا جاتا ہے۔

(۶) اسلامی حکومت کے دوسری حکومتوں کے ساتھ تعلقات کو منظم کرنے کے احکام مثلاً جنگ اور امن وغیرہ کے احکام، اس کو سِیَر کہا جاتا ہے۔

(۷) اچھے اور برے اخلاق سے متعلق احکام، اس کو آداب واخلاق کہا جاتا ہے۔

ہمیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ تمام انسانی ضرورتوں کو شامل ہے اور افراد اور معاشرہ کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

اسلامی فقہ میں سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی گئی ہے:

آسانی کا مطلب: اسلام احکام مشروع کرنے میں لوگوں کی ضرورتوں اور ان کی سعادت وخوش بختی کی رعایت کرتا ہے، اسی لیے انسان تمام اسلامی احکام پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس کو ادا کرنے سے کوئی انسان عاجز ہو، اگر مکلف کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے، جس کی وجہ سے کوئی حکم اس کی طاقت کے حدود سے نکل جاتا ہے یا کسی خاص حالت کی وجہ سے وہ حکم تکلیف اور مشقت کا باعث بنتا ہے تو شریعت اس وقت رخصت اور تخفیف کے دروازے کھول دیتی ہے۔

"اسلام آسان دین ہے"

اللہ کے فرمان سے بڑھ کر اس کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی، اللہ فرماتا ہے: "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی سختی نہیں رکھی (حج ۷۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (بقرہ ۱۸۵) اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" اللہ کسی کو مکلف نہیں کرتا مگر اس کی طاقت بھر (بقرہ ۲۵۶) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ" بے شک دین آسان ہے (بخاری ۳۹)

اسلام کے آسان دین ہونے کی مثالیں

۱) جس کے لیے نماز کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو، اس کے لیے نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل" (بخاری ۱۰۶۶)

۲) مسافر کے لیے چار رکعت والی نمازوں میں قصر اور دو نمازوں کو ایک ساتھ جمع کرکے پڑھنے کی چھوٹ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ" (النساء ۱۰۱) جب تم سفر کرو تو تم نماز کو قصر کرسکتے ہو۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: "اگر نبی کریم ﷺ سفر پر ہوتے تو ظہر اور عصر کو جمع کرکے پڑھتے اور مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھتے" (بخاری ۱۰۵۶)

فقہِ اسلامی کے مصادر اور مراجع

اسلامی فقہ اُن شرعی احکام کا مجموعہ ہے جن کا حکم اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہے، ان تمام احکام کے مندرجہ ذیل چار مصادر اور مراجع ہیں:

۱۔ قرآن کریم ۲۔ حدیث نبوی ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس

ا۔ قرآن کریم:

قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، جس کو اللہ نے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں، قرآن اسلامی فقہ کے احکام کا پہلا مرجع ہے، جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو ہم سب سے پہلے اللہ عزوجل کی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کا حکم تلاش کریں، اگر ہم کو اس میں ہماری مطلوبہ چیز کا حکم ملتا ہے تو اس کو لے لیتے ہیں اور کسی دوسری طرف رجوع نہیں کرتے۔

اگر شراب، جوا، پتھروں کی تعظیم اور بتوں کی قسم کھانے کے حکم کے بارے میں دریافت کیا جائے تو ہم اللہ عزوجل کی کتاب کی طرف رجوع کریں گے تو اس میں ہم کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ملے گا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ '' (مائدہ ۹۰) اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے، سب شیطان کے گندے کام ہیں، چناں چہ تم اس سے بچو، شاید کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

اگر خرید وفروخت اور سود کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس کا حکم ہم کو اللہ عزوجل کی کتاب میں ملے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے ''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا '' (المائدہ ۹۰) اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام۔

اگر ہم سے حجاب کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ملے گا: ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ '' (نور ۳۱) اور وہ اپنا سنگھار نہ دکھلائیں، مگر اس میں سے جو کھلی چیز ہے، اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر ڈال دیں۔

اسی طرح اس کا حکم ہم کو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ملتا ہے: ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً رَّحِيْماً '' (الاحزاب ۵۹) اے نبی! آپ

اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر تھوڑی سی نیچے لٹکائیں، اس میں پہچانے جانے کا کم خطرہ ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی ان کو نہیں ستائے گا، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اسلامی فقہی احکام کا سب سے پہلا مصدر اور مرجع قرآن کریم ہے، لیکن قرآن کی آیات میں مسائل کے تمام جزئیات اور سارے احکام کی وضاحت پیش نظر نہیں رکھی گئی ہے۔

قرآن کریم نے عقائد کو تفصیل کے ساتھ اور عبادات ومعاملات کو اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلمانوں کی زندگی کے لیے عام خطوط متعین کیے ہیں، جس کی تفصیل سنت نبوی کے لیے چھوڑ دی ہے، مثلاً قرآن نے نماز کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی کیفیات اور تعدادِ رکعات کو بیان نہیں کیا ہے۔

قرآن نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، اور اس کی مقدار، نصاب اور ان اموال کی فہرست بیان نہیں کی ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، قرآن نے مختلف قسم کے عقد کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی تفصیلات نہیں بتائی ہے۔ اس طرح کے بہت سے اور مسائل ہیں۔

اسی وجہ سے ان عام خطوط کی وضاحت اور مجمل مسائل کی تفصیل کے لیے قرآن حدیثِ نبوی سے مربوط ہے۔

۲۔ حدیث نبوی:

حدیث: ہر وہ قول، فعل یا تقریر یا وصف جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو۔

قول کی مثال: امام بخاری (۴۸) اور امام مسلم (۶۴) نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے''۔

فعل وعمل کی مثال: امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ اپنے گھر والوں کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے نکل جاتے''۔

تقریر کی مثال: امام ابوداؤد (۱۲۶۷) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک

آدمی کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''صبح کی نماز دو رکعت ہے، اس شخص نے کہا: میں نے فرض نماز سے پہلے کی دو رکعت نہیں پڑھی تھی تو میں نے اب پڑھ لی، اس پر آپ ﷺ خاموش رہے، اس خاموشی کو فرض کے بعد فرض سے پہلے کی چھوٹی ہوئی سنت نماز کے مشروع ہونے کے لیے دلیل مانا گیا ہے۔

حدیث کا مقام ومرتبہ:

مرجع کی حیثیت سے حدیث کا مرتبہ قرآن شریف کے بعد ہے، یعنی سب سے پہلے ہم قرآن کی طرف رجوع کریں گے، اگر اس میں ہم کو حکم نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کریں گے، اگر سنت میں حکم ملے تو اس پر عمل کریں گے، جس طرح قرآن میں ملنے کی صورت میں اس پر عمل کرتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حکم صحیح سند سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔

حدیثِ نبوی کا کام:

حدیثِ نبوی کا کام قرآن میں آئے ہوئے احکام کی وضاحت کرنا ہے، مثلاً قرآن میں نماز کا اجمالی بیان ہے تو حدیث میں تفصیل کے ساتھ نماز کی قولی اور عملی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے، یہ بات نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے'' (بخاری ۶۰۵)

اسی طرح حدیث میں حج کے اعمال اور مناسک کی وضاحت کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے اپنے مناسک سیکھو'' (بخاری)

معاملات میں جائز اور حرام عقود کو بیان کیا ہے:

اسی طرح حدیث میں بعض وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جن کے بارے میں قرآن خاموش ہے، مثلاً مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی اور ریشم پہننا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حدیث قرآن مجید کے بعد دوسرا مرجع اور مصدر ہے، جس پر عمل کرنا ضروری ہے، قرآن سمجھنا اور اس پر عمل کرنے کے لیے حدیث کا جاننا ضروری ہے۔

۳۔ اجماع:

اجماع کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں کسی حکم شرعی پر ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی امت کے تمام مجتہد علماء کا اتفاق ہو، جب ان علماء کا کسی بھی شرعی حکم پر اتفاق ہو جائے تو ان کا اتفاق اجماع کہلائے گا، چاہے وہ صحابہ کے زمانے کا ہو یا صحابہ کے بعد کا، اس اجماع پر عمل کرنا واجب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ علمائے اسلام گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتے، چناں چہ جس چیز پر وہ اتفاق کر لیں وہ حق ہے

امام احمد نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ عز وجل سے دعا کی: وہ میری امت کو گمراہی پر جمع اور متفق نہ کر، چناں چہ اللہ نے میری یہ دعا قبول کی'' (مسند احمد ۶/۳۹۶)

اس کی مثال: صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ دادا کو والد کی غیر موجودگی میں نرینہ اولاد رہنے کی صورت میں وراثت کا چھٹا حصہ ملے گا۔

اجماع کا مقام ومرتبہ:

مرجع کی حیثیت سے اجماع کا مقام تیسرا ہے، اگر ہم کو قرآن اور حدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو ہم دیکھیں گے کہ اس مسئلہ میں مسلم علماء کا اجماع ہے یا نہیں، اگر اجماع ہو تو اس پر عمل کریں گے۔

۴۔ قیاس:

قیاس کا مطلب یہ ہے کہ کسی معاملے میں حکمِ شرعی موجود نہ ہو تو اس معاملے کو دوسرے ایسے معاملے پر ان دونوں کے درمیان مشترک علت کے پائے جانے کی بنا پر قیاس کرنا جس کا حکم قرآن، حدیث یا اجماع میں موجود ہو اگر ہم کو کسی مسئلے میں قرآن، حدیث اور اجماع میں اس کا حکم نہ ملے تو ہم قیاس کریں گے۔

قیاس کا مقام:

مرجع کی حیثیت سے قیاس کا مقام چوتھا ہے۔

قیاس کے ارکان:

قیاس کے ارکان چار ہیں: ایک اصل ہو، جس پر قیاس کیا جائے، دوسرا فرع ہو، جس کو قیاس کیا جائے، اصل کا حکم منصوص یعنی قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہو، اصل اور فرع کی علت ایک ہی ہو۔

قیاس کی مثال:

قرآنی نص سے خمر یعنی انگور کی شراب حرام ہے اور اس کی حرمت کی علت یہ ہے کہ اس میں نشہ ہے، اگر ہمیں خمر کے علاوہ کوئی دوسرا مشروب ملے جس میں نشہ ہو تو خمر پر قیاس کرتے ہوئے اس کی حرمت کا فیصلہ کیا جائے گا، کیوں کہ حرمت کی علت ''نشہ پیدا کرنا'' اس مشروب میں بھی پائی جاتی ہے، چناں چہ خمر کی طرح یہ شراب بھی حرام ہوگی۔

یہ وہ شرعی مراجع ہیں، جن کی طرف فقہی احکام میں رجوع کیا جاتا ہے، یہاں اس کا مختصر تذکرہ بطور فائدہ کیا گیا ہے، دراصل اس کی تفصیلات کی جگہ اصول فقہ کی کتابیں ہیں۔

اسلامی فقہ پر عمل کرنے اور اس کے احکام کو ماننے کی ضرورت اور قرآن وحدیث سے اس کی دلیلیں:

اللہ تعالیٰ نے اسلامی فقہ کے احکام کو ماننا مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے، اسی لیے اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

اسلامی فقہ کے تمام احکام قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں، دراصل ان کا مرجع قرآن وحدیث ہی ہیں۔

اگر مسلمان اسلامی فقہ کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو گویا انھوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا، اسی طرح انھوں نے دلائلِ اسلام کو معطل کر دیا، اس صورت میں اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور ایمان کا دعویٰ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیوں کہ درحقیقت ایمان باللہ، قرآن اور حدیثِ نبوی میں نازل کردہ چیزوں کی تصدیق کرنا ہے، اور حقیقت میں اسلام اللہ رب العزت کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام چیزوں کی خوش دلی کے ساتھ اطاعت اور فرماں برداری کا نام ہے۔

اسلامی فقہ کے تمام احکام ثابت ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، چاہے زمانے میں کوئی بھی تبدیلی آئے، کسی بھی حال میں ان کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث سے اس کے دلائل:

فقہ کی پابندی اور اس کے احکام کو تھامے رہنے کے واجب ہونے کے دلائل قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''**اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ**'' (الاعراف۳) تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی چیزوں کی اتباع کرو اور اس کو چھوڑ کر دوستوں کی اتباع نہ کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا**'' (نساء۶۵) آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے درمیان رونما ہونے والے اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے کیے گئے فیصلے پر اپنے دلوں میں کچھ تنگی نہ پائیں اور اس کو مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''**وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**'' (الحشر۷) اور جو رسول تم کو دیں اس کو لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اللہ تعالیٰ اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے: ''**اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا**'' (نساء۱۰۵) (ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی، تاکہ آپ لوگوں کے

درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ آپ کو دکھائے اور آپ خیانت کرنے والوں کے مددگار نہ بنیں) لوگوں کے درمیان رونما ہونے والے تمام معاملات میں اللہ کی نازل کردہ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کردہ احکام اور آپ کی سنتوں کی اتباع کا اور اللہ ورسول کی تمام مخالفتوں سے باز رہنے کا حکم ان آیتوں میں دیا گیا ہے، اسی بنیاد پر جو اللہ ورسول کے اختیار کردہ احکام کے علاوہ دوسرے احکام کو مانتا ہے، وہ گمراہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا '' (نساء:۱۰۵) کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے اپنے معاملہ میں اختیار نہیں ہے جب اللہ اور رسول اس سلسلے میں فیصلہ کریں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلا ہوا گمراہ ہے۔

احادیث میں بھی اس کے دلائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں، امام بخاری (۲۷۹۷) اور امام مسلم (۱۸۳۵) نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی''، آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو'' (امام نووی نے متن الاربعین النوویۃ میں یہ روایت بیان کی ہے (۴۱) اور فرمایا ہے: یہ صحیح حدیث ہے) آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ''تم میری سنت کو تھامے رہو'' (ابوداؤد ۴۶۰۷، ترمذی ۲۶۷۸) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''میں نے تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوں گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت یعنی میرا طریقہ'' (مسلم ۱۲۱۸، ابوداؤد ۱۹۰۵، موطا ۲/۸۹۹)۔

اللہ عزوجل کی طرف سے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی زبانی مشروع کردہ احکام کی اتباع کرنا واجب ہے، قرآن اور حدیث میں اس کے واضح دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ '' (النور:۶۳) پس اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان کو کوئی فتنہ لاحق ہو جائے یا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

بعض فقہی اصطلاحات کی تعریف:

فقہی ابواب اور مسائل کو شروع کرنے سے پہلے بعض ان فقہی اصطلاحات کی تعریف جاننا ضروری ہے، جن پر تمام ابواب فقہ کے احکام کا مدار ہے، یہ اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **فرض** :فرض وہ حکم ہے جس کو شریعت نے لازمی طور پر کرنے کا مطالبہ کیا ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہو اور چھوڑنے پر عذاب۔

اس کی مثال روزہ ہے، اسلامی شریعت نے ہم سے اس کو بجالانے کا لازمی طور پر مطالبہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ**'' (البقرۃ:۱۸۳) (تم پر روزے فرض کردیے گئے) اگر ہم روزہ رکھیں گے تو اس پر جنت ملے گی اور ثواب مرتب ہوگا، اگر ہم روزہ نہیں رکھیں گے تو جہنم اور عذاب مستحق ہوگا۔

۲۔ **واجب** :مسلک شافعی میں واجب اور فرض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، سوائے حج کے باب میں، حج کے باب میں واجب وہ ہے جس پر حج کی صحت موقوف نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں اس کے چھوٹنے سے حج فوت اور باطل نہیں ہوتا مثلاً رمی جمار کرنا، میقات سے احرام باندھنا اور اس کے علاوہ دوسرے واجبات، اگر کوئی حاجی ان واجبات کو نہ بجالائے تو اس کا حج تو صحیح ہوگا، البتہ وہ گنہ گار ہوگا، ان واجبات کو چھوڑنے کی صورت میں فدیہ کے ذریعے اس کی تلافی کرنا واجب ہے۔

حج میں فرض وہ ہے جس پر حج کی صحت موقوف ہو، دوسرے الفاظ میں فرض چھوٹنے سے حج باطل ہو جاتا ہے، اس کی مثال وقوف عرفہ، طواف افاضہ اور اس کے علاوہ دوسرے فرائض ہیں، اگر فرض ادا نہ کرے تو اس کا حج باطل ہو جائے گا۔

۳۔فرض عین :ہروہ حکم جس کا ہرایک مکلّف سے لازمی طور پر مطالبہ کیا جائے، مثلاً نماز، روزہ،اوراستطاعت رکھنے والے پر حج کی ادائیگی، یہ عبادتیں ہر مکلّف پر فرض ہے،صرف چند مکلفین کا ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

۴۔فرض کفایہ :وہ حکم ہے جس کے کرنے کا تمام مسلمانوں سے مطالبہ کیا جائے، ہرایک فرد سے مطالبہ نہ کیا جائے،اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بعض لوگ ادا کریں تو کافی ہوگا اور دوسرے لوگوں سے گناہ ساقط ہوجائے گا،اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہ گار ہوجائیں گے۔

اس کی مثال میت کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ ہے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے تو مسلمانوں پر میت کو غسل دینا، کفن دینا، نماز پڑھنا اور دفن کرنا ضروری ہے، اگر بعض مسلمان یہ کام انجام دیں تو فرض ادا ہوجائے گا، اگر کوئی بھی انجام نہ دے تو تمام لوگ گنہ گار ہوجائیں گے۔

۵۔رکن :جس کا کرنا واجب ہے اور یہ عمل کا ایک جزء ہے،اس کی مثال نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا، رکوع اور سجدہ کرنا وغیرہ،ان امور کو ارکان کہا جاتا ہے۔

۶۔شرط: جس کا کرنا فرض ہے لیکن وہ عمل کا جز نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے مقدمات اور تمہیدات میں سے ہے،اس کی مثال وضو کرنا، نماز کا وقت شروع ہونا، قبلے کی طرف رخ کرنا وغیرہ، یہ تمام امور اصل نماز میں داخل نہیں ہیں،البتہ ان کا نماز سے پہلے انجام دینا ضروری ہے اوران کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی،ان کو شرائط کہا جاتا ہے۔

۷۔مندوب:ہروہ حکم جس کے کرنے کا شریعت نے مطالبہ کیا ہو،لیکن لازمی طور پر نہیں،جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور چھوڑنے پر عذاب نہیں ہوتا۔

اس کی مثال چاشت کی نماز، قیام اللیل،شوال کے چھ روزے وغیرہ ہیں،اگر ہم ان عبادتوں کو انجام دیں گے تو ثواب ملے گا،اگر چھوڑ دیں گے تو اس کے چھوڑنے پر عذاب نہیں ہوگا۔مندوب کو سنت، مستحب، تطوع اور نفل بھی کہا جاتا ہے۔

۸۔مباح :جس کا کرنا اورنہ کرنا یکساں ہے، کیوں کہ شریعت نے ہم کو نہ اس کے چھوڑنے کا حکم دیا ہے اورنہ کرنے کا، بلکہ ہمارے لیے کرنے اورنہ کرنے کی آزادی دی ہے،اسی وجہ سے مباح کام کے کرنے یا چھوڑنے پر ثواب یا عذاب مرتب نہیں ہوتا،اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:''**فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** ''جب نماز مکمل ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔(جمعہ ۱۰)اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد کام کرنا مباح ہے، جو چاہے کام کرے اور جو چاہے نہ کرے۔

۹۔حرام: جس کام کو چھوڑنے کا شریعت نے لازمی طور پر ہم سے مطالبہ کیا ہے جس کے چھوڑنے پر اللہ کا حکم ماننے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اوراس کے کرنے پر عذاب ہوتا ہے،اس کی مثال قتل کرنا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ''اورکسی کی جان نہ لو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے،مگر یہ کہ حق کی بنیاد پر (اسراء۳۳)
لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''**وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** ''(البقرہ ۱۸۸)تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔جب انسان ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کا ارتکاب کرتا ہے تو گنہ گار ہوجاتا ہے اورعذاب کا مستحق ہوجاتا ہے،اگر اس کو چھوڑ دیتا ہے تو ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔

حرام کو محظور، ممنوع، معصیت اور گناہ بھی کہا جاتا ہے۔

۱۰۔مکروہ :مکروہ کی دو قسمیں ہیں:۱۔مکروہ تحریمی ۲۔مکروہ تنزیہی

مکروہ تحریمی :جس کام کو چھوڑنے کا شریعت نے لازمی طور پر مطالبہ کیا ہو،لیکن حرام کو چھوڑنے کے مطالبے سے کم درجہ کا مطالبہ ہو،جس کے چھوڑنے پر اللہ کا حکم ماننے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اوراس کے کرنے پر عذاب ملتا ہے،لیکن حرام کے عذاب سے کم،اس کی مثال سورج طلوع یا غروب ہوتے وقت نفل مطلق نماز پڑھنا،اس وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مکروہ تنزیہی: جس کام کو چھوڑنے کا شریعت نے مطالبہ کیا ہو، لیکن لازمی طور پر نہیں، اگر ہم اس کو اللہ کے حکم کی فرماں برداری میں چھوڑدیں تو ثواب ملے گا، اگر کریں تو گناہ نہیں ہوگا، اس کی مثال حاجی کے لیے عرفہ کے دن روزہ رکھنا ہے، اگر روزہ نہ رکھے تو ثواب ملے گا، اگر رکھے تو گناہ نہیں ہوگا۔

۱۱۔**ادا**: عبادت کو شریعت کی طرف سے اس کے مقررہ وقت پر انجام دینا، مثلاً رمضان میں رمضان کے روزے رکھنا، ظہر کی نماز اس کے متعین وقت میں پڑھنا۔

۱۲۔ **قضا**: عبادت کو شریعت کی طرف سے مقررہ وقت نکلنے کے بعد کرنا، مثلاً غیر رمضان میں رمضان کے روزے رکھنا یا ظہر کی نماز اس کا وقت نکلنے کے بعد پڑھنا۔

قضا کرنا واجب ہے، چاہے عبادت کسی عذر کی وجہ سے چھوٹی ہو یا کسی عذر کے بغیر، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ بغیر عذر کے چھوڑنے سے گناہ ہوگا اور عذر کی بنیاد پر چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ**" (بقرۃ ۱۸۵) تم میں جو کوئی اس مہینہ میں حاضر ہو وہ روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں اس کو پورا کرے۔ یعنی اگر کوئی بیماری یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو رمضان کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا واجب ہے۔

۱۳۔**اعادہ**: کسی عبادت کو اس کے مقررہ وقت میں ہی زیادہ فضیلت کے حصول کے لیے دوبارہ انجام دینا، مثلاً کوئی ظہر کی نماز تنہا پڑھے پھر جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگے تو اس کے لیے نماز کا دہرانا جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے مسنون ہے۔

طہارت اور پاکی کے احکام

طہارت کے معنی: طہارت کے لغوی معنی نظافت وپاکی اور حسی گندگیوں مثلاً نجاست اور باطنی گندگیوں مثلاً عیوب سے پاک ہونے کے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے **تَطَهَّرَ بِالْمَاءِ**: پانی سے پاکی حاصل کی، **تَطَهَّرَ مِنَ الْحَسَدِ**: حسد سے پاک ہوگیا۔

طہارت کے شرعی معنی: ایسا کام کرنا جس سے نماز پڑھنا یا نماز کے حکم والی دوسری عبادتوں کو انجام دینا جائز ہو جائے، مثلاً جو باوضو نہ ہو اس کے لیے وضو کرنا اور جس پر غسل واجب ہو اس کے لیے غسل کرنا اور کپڑے، بدن اور جگہ سے نجاست کو دور کرنا۔

اسلام میں پاکی اور نظافت پر توجہ:

اسلام نے طہارت اور پاکی پر مکمل توجہ دی ہے، مندرجہ ذیل امور سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جائے گی۔

۱۔ نماز کے لیے ہر دن کئی مرتبہ وضو کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ**" (مائدہ۶) اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو، ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ، اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

۲۔ بہت سے موقعوں پر غسل کی ترغیب دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا**" (المائدہ۶) اگر تم حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل

کرو یعنی غسل کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے خاطر ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سات دنوں میں کسی دن غسل کرے اور اس دن اپنا سر اور جسم دھوئے (بخاری ۸۵۶، مسلم ۸۴۹)

۳۔ ناخن تراشنے، دانت صاف کرنے اور کپڑے صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرناف بال صاف کرنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھ کاٹنا" (بخاری ۵۵۵، مسلم ۲۵۷) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "اگر میری امت کے لیے دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا"۔ (بخاری ۸۴۷، مسلم ۲۵۲) امام احمد کی روایت میں یہ ہے "ہر وضو کے وقت" (احمد ۶/۳۲۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ**" اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو (المدثر۴) نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "تم اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو، چناں چہ تم اپنے کجاؤں کو درست کرواور اپنے کپڑے صحیح کرو، تم اس طرح بنو کہ تم لوگوں میں ممتاز نظر آؤ، بے شک اللہ تعالیٰ فاحشی پسند نہیں کرتا اور نہ بتکلف فاحشی کو"۔ (ابوداؤد ۴۰۸۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ**" بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو چاہتا ہے اور پاک رہنے والوں کو چاہتا ہے۔ (بقرہ ۲۲۲) اسلام نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "طہارت نصف ایمان ہے" (مسلم ۲۲۳)

طہارت کی حکمت:

اسلام نے بہت سی حکمتوں کی بنیاد پر طہارت کو مشروع کیا ہے، جن میں سے بعض حکمتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ طہارت فطری چیز ہے، اسی لیے انسان فطری طور پر نظافت اور پاکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی طبیعت گندگی سے نفرت کرتی ہے، چوں کہ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے اس نے پاک اور صاف رہنے کا حکم دیا ہے۔

۲۔مسلمان کی شرافت اورعزت کی حفاظت کے لیے، کیوں کہ لوگ طبعی طور پر نظافت کی طرف مائل ہوتے ہیں اورپاک وصاف آدمی سے ملنے اوراس کے ساتھ بیٹھنے کی خواہش کرتے ہیں اورگندے شخص کوناپسند کرتے ہیں اوراس سےنفرت کرتے ہیں اوراس کے ساتھ بیٹھنانہیں چاہتے، چوں کہ اسلام مومن کی عزت اورشرافت کا خواہش مند ہے، اس لیےنظافت کاحکم دیا گیا ہے،تا کہ وہ اپنے بھائیوں کے درمیان باعزت اورشریف بن کر رہے۔

۳۔صحت کی حفاظت کے لیے، نظافت انسان کو بیماریوں سے بچانے کا ایک اہم سبب ہے، کیوں کہ عام طورپر بیماریاں گندگیوں سے وجود میں آتی ہیں۔

اسی وجہ سے اسلام نے جسم کی صفائی اور ہر دن کئی مرتبہ چہرہ،ہاتھ،ناک اور دونوں پاؤں دھونے کاحکم دیا ہے، کیوں کہ اس سے جسم بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، یہ وہ اعضاء ہیں جن کوعموماً گندگیوں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔

۴۔اللہ عزوجل کے حضور پاک وصاف حاضر ہونے کے لیے،کیوں کہ انسان اپنی نماز میں اپنے رب کومخاطب کرتا ہےاوراس کے ساتھ مناجات کرتا ہے،اس لیےضروری ہے کہ اس کا ظاہراورباطن پاک ہو،اوراس کاجسم اوردل دونوں صاف ہوں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اورپاک وصاف رہنےوالوں کوپسند کرتا ہے۔

وہ پانی جن سے پاکی حاصل کی جاتی ہے:

بارش کاپانی،سمندرکاپانی،کنویں کاپانی،نہرکاپانی،چشمے کاپانی اوراولے کاپانی۔

یہ پانی کی قسمیں اس جملہ میں آجاتی ہیں:''جوآسمان سے نازل ہواہویا زمین سے نکلاہو''،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''**وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا** ''اورہم نے آسمان سے طہورپانی نازل کیا۔(فرقان ۴۸)دوسری جگہ ارشاد ہے:''**وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ** ''اوروہ آسمان سےتم پرپانی نازل کرتا ہے تا کہ اس کے ذریعےتم کوپاک کرے۔(انفال ۱۱)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول

اللہ ﷺ سے دریافت کیا:اللہ کے رسول ! ہم سمندر کے سفر پر جاتے ہیں اور ہمارے پاس بہت کم پانی رہتا ہے، اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اس کا پانی طہور ہے اوراس کا مردہ حلال ہے''(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،احمد بن حنبل،امام ترمذی نے اس کوحدیث حسن صحیح کہا ہے)

پانی کی قسمیں

پانی کی چار قسمیں ہیں :۱۔طاہر مطہر پانی یعنی وہ پانی جو خود پاک ہو اور اس میں دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت ہو

۲۔طاہر مطہر مکروہ یعنی وہ پانی جو خود پاک ہو اور اس میں دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت ہو لیکن اس کا استعمال مکروہ ہو۔

۳۔طاہر غیر مطہر یعنی وہ پانی جو خود پاک ہو لیکن اس میں دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ ۴۔نجس۔

طاہر مطہر پانی

وہ خالص پانی جو اپنے تخلیقی وصف یعنی اصلی حالت پر باقی رہے، زیادہ مدت رکے رہنے، یا اس میں مٹی یا کائی وغیرہ ملنے کی وجہ سے اس میں تبدیلی آئے یا ایسی جگہ پانی رکا ہوا ہو یا اس کا گزر ایسی جگہ سے ہوتا ہو جہاں گندھک وغیرہ کوئی ایسی چیز ہو، جس کی وجہ سے پانی میں تبدیلی آئے تو وہ پانی ماءِ مطلق (طاہر مطہر) ہی رہتا ہے، کیوں کہ پانی کو اس سے محفوظ رکھنا مشکل ہے، ماءِ مطلق کے مطہر ہونے کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بدو مسجد میں آیا اور اس نے وہاں پیشاب کیا، لوگ اس کو مارنے کے لیے دوڑے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو، تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، دشواری اور سختی کرنے والے بنا کر نہیں“ (بخاری ۲۱۷) رسول اللہ کا یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ پانی میں پاک کرنے کی صلاحیت اور خاصیت ہے۔

طاہر مطہر مکروہ پانی

یہ وہ پانی ہے جو دھوپ سے گرم ہوا ہو، اس کا استعمال مکروہ ہونے کے لیے مندرجہ ذیل تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) گرم علاقے میں ہو۔

(۲) سونے اور چاندی کے علاوہ دھاتوں سے بنے ہوئے برتنوں میں ہو، مثلاً لوہا، تانبا یعنی کوٹنے کے قابل کسی دھات سے بنا ہوا برتن ہو۔

(۳) اس کا استعمال آدمی کے بدن کے لیے ہو، چاہے میت کے لیے ہی کیوں نہ ہو یا ایسے جانور کے لیے ہو جس کو برص کی بیماری لاحق ہو سکتی ہو مثلاً گھوڑا۔

امام شافعیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایسے پانی سے غسل کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، فرمایا: دھوپ سے گرم ہوئے پانی کا استعمال تو صرف طبی نقصان کی وجہ سے مکروہ ہے، پھر یہ بیان کیا کہ اس سے برص کی بیماری آتی ہے۔

کیوں کہ سورج کی تیزی سے برتن کی چربی نکلتی ہے اور پانی کے اوپر آجاتی ہے، اگر دھوپ کی گرمی کے ساتھ وہ بدن کو لگ جائے تو بدن کو نقصان پہنچتا ہے اور اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔

طاہر غیر مطہر پانی

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ قلیل مستعمل پانی جس کو فرض طہارت کے لیے استعمال کیا گیا ہو، مثلاً غسل اور وضو وغیرہ میں استعمال کیا ہوا پانی، اس کے طاہر ہونے کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، اس وقت میں بیمار تھا، اپنے ہوش میں نہیں تھا، آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کیا ہوا پانی مجھ پر انڈیل دیا۔ (بخاری ۱۹۱، مسلم ۱۶۱۶) اگر یہ پانی پاک نہ ہوتا تو آپ

حضرت جابر پرنہیں ڈالتے۔

اس کے مطہر نہ ہونے کی دلیل حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی حالت جنابت میں رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے''، لوگوں نے دریافت کیا: ابو ہریرہ! پھر کیا کرے؟ انھوں نے فرمایا: پانی نکال کر غسل کرے۔ (مسلم ۲۸۳) اس سلسلے میں وضو کا حکم بھی غسل کے حکم کی طرح ہی ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی حدث کو ختم کرنا۔ (جن عبادتوں کے لیے وضو کرنا یا غسل فرض ہونے کی صورت میں غسل کرنا ضروری ہوتا ہے، اس حالت کو حدث کہا جاتا ہے)

حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پانی میں غسل کرنے سے اس کے مطہر ہونے کی صفت ختم ہوجاتی ہے، ورنہ غسل سے منع نہیں کیا جاتا، یہ حکم دوسری دلیلوں کی وجہ سے ماءِ قلیل پرمحمول کیا جائے گا۔

(۴) وہ ماء مطلق (خالص پانی) جس میں کوئی پاک چیز ملی ہوئی ہو اور ملنے کے بعد اس کو نکالنا اور الگ کرنا ناممکن ہو اور اس میں ایسی تبدیلی آئے کہ اس کو ماء مطلق کہنا صحیح نہ ہو، مثلاً چائے، کافی وغیرہ۔

نجس پانی:

ماءِ نجس: وہ پانی ہے جس میں نجاست گرگئی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ماءِ قلیل: جو دو قلہ سے کم ہو، نجاست گرتے ہی یہ پانی نجس ہوجائے گا، چاہے پانی کے اوصاف رنگ، بو یا مزہ میں کوئی تبدیلی آئی ہو یا نہ آئی ہو، دو قلے پانچ سو بغدادی رطل کے برابر ہے جو وزن میں ۱۹۲٫۸۵ کلوگرام ہے، اور مکعب کے اعتبار سے سوا ہاتھ لمبا، سوا ہاتھ چوڑا اور سوا ہاتھ گہرا ہے۔

امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام مالک اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا، جب ان سے ایسے پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کھلی زمین میں ہو جہاں

درندے اور چوپائے آتے جاتے ہیں: ''جو پانی دو قلے ہوجائے، وہ نجس نہیں ہوتا''۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب پانی دو قلے سے کم ہو تو وہ نجس ہوجاتا ہے، چاہے اس میں کوئی تبدیلی آئی ہو یا نہ آئی ہو، اس کی دلیل امام مسلم (۲۷۸) کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جب نیند سے بیدار ہوجائے تو اپنا ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈبوئے، کیوں کہ اس کو معلوم نہیں کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں رہا''، نبی کریم ﷺ نے نیند سے بیدار ہونے والے کو برتن میں ہاتھ ڈبونے سے اس لیے منع فرمایا کہ نظر نہ آنے والی نجاست ہاتھ میں لگنے کا اندیشہ ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ نظر نہ آنے والی نجاست سے پانی تبدیل نہیں ہوتا، اگر صرف اس نجاست سے پانی نجس نہیں ہوتا تو آپ اس سے منع نہیں فرماتے۔

۲۔ ماءِ کثیر: جو دو قلے یا اس سے زیادہ ہو، صرف نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا بلکہ تین اوصاف رنگ، بو، یا مزہ میں سے کسی ایک وصف میں تبدیلی آجائے تو نجس ہوجاتا ہے، اس کی دلیل اجماع ہے، امام نووی نے (کتاب المجموع ۱/۱۶۰) لکھا ہے کہ ابن منذر نے فرمایا: اس بات پر اجماع ہے کہ کم پانی یا زیادہ پانی میں نجاست گرجائے اور مزہ، رنگ، یا بو میں تبدیلی آئے تو وہ نجس ہے۔

طہارت کے لیے کون سا پانی ضروری ہے:

طاہر غیر مطہر اور نجس پانی طہارت کے لیے یعنی رفعِ حدث یا نجاست کو زائل کرنے کے لیے استعمال نہیں کیے جاسکتے، بلکہ طہارت کے لیے پانی کی پہلی قسم اور دوسری قسم کا ہونا ضروری ہے، البتہ دوسری قسم کا استعمال بدن میں مکروہ ہے۔

تیسری قسم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، اگر چہ وہ فی نفسہ پاک ہے، یعنی طہارت کے علاوہ میں اس کا استعمال صحیح ہے، مثلاً اس پانی کو پینا اور پکانے وغیرہ میں استعمال کرنا صحیح ہے۔

چوتھی قسم نجس پانی کی ہے، اس کا استعمال کسی صورت میں صحیح نہیں ہے۔

برتن کے مسائل

۱۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کا حکم :

سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کسی بھی طریقے سے جائز نہیں، چاہے وضو کے لیے ہو یا پینے کے لیے، البتہ ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ہو

امام بخاری (۵۱۱۰) اور امام مسلم (۲۰۶۷) نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''نہ ریشم پہنو اور نہ دیباج، اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیئو اور اس کی پلیٹوں میں نہ کھاؤ، یہ چیزیں ان (کافروں) کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں''۔

کھانے اور پینے پر ان کے علاوہ استعمال کے دوسرے تمام طریقوں کو قیاس کیا گیا ہے اور حرمت میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں۔

استعمال کی طرح زیب وزینت وغیرہ کے لیے رکھنا بھی جائز نہیں ہے، یہ عام اصول ہے کہ جن چیزوں کا استعمال جائز نہیں ہے، ان کا زیب وزینت کے لیے رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

۲۔ سونے یا چاندی سے جوڑے ہوئے برتنوں کے استعمال کا حکم:

اگر کسی ٹوٹے ہوئے برتن کو سونے سے جوڑ دیا جائے تو اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے، چاہے جڑی ہوئی جگہ بڑی ہو یا چھوٹی، البتہ چاندی سے جوڑ دیا جائے تو اس میں تفصیل ہے، اگر وہ جگہ چھوٹی ہو اور زینت کے لیے ہو یا بڑی ہو تو حرام ہے، اگر ضرورت کے لیے بڑی ہو یا زینت کے لیے چھوٹی ہو تو مکروہ ہے۔ ضرورت کے لیے بڑی جگہ کو

چاندی سے جوڑنا جائز ہونے کی دلیل امام بخاری (۵۳۱۵) کی حضرت عاصم احول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا پیالہ دیکھا کہ وہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کو چاندی کی زنجیر سے جوڑ دیا گیا تھا، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس پیالے میں بہت مرتبہ پلایا ہے۔

۳۔ نفیس دھاتوں کے برتنوں کا استعمال:

نفیس دھات: مثلاً ہیرے، موتی، اور مرجان وغیرہ سے بنے ہوئے برتنوں کا استعمال جائز ہے، کیوں کہ اس کے ناجائز ہونے کے سلسلے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جب تک حرمت کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اصل حکم حلال ہونا ہے۔

٤۔ کافروں کے برتنوں کے استعمال کا حکم :

کافروں کے برتنوں کا استعمال جائز ہے، اس کی دلیل امام بخاری (۵۱۶۱) کی حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان برتنوں کو دھوؤ اور ان میں کھاؤ''، یہاں دھونے کا حکم استحبابی ہے، کیوں کہ کافروں کے برتنوں میں شراب یا خنزیر کا گوشت استعمال کرنے کا احتمال ہے، برتنوں کی طرح ان کے کپڑوں وغیرہ کا استعمال بھی جائز ہے۔

طہارت کی قسمیں

طہارت کی دو قسمیں ہیں: (۱) نجاست سے طہارت (۲) حدث سے طہارت

نجاست کے لغوی معنی: لغت میں نجاست ہر گندگی کو کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی: ایسی گندگی جس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہیں ہوتی مثلاً خون اور پیشاب

نجسِ عین چیزیں:

نجسِ عین چیزیں بہت ہیں، جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔**شراب اور ہر نشہ آور چیز**: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ** '' اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں (مائدہ ۹۰) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے'' (مسلم ۲۰۰۳)

۲۔**کتا اور خنزیر**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھویا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھویا جائے'' (مسلم ۲۷۹) امام دارقطنی (۶۵/۱) کی روایت میں ہے: ''ایک مرتبہ مٹی سے دھویا جائے''

۳۔ **مردار**: ہر وہ جانور جو شرعی ذبح کے بغیر مر جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ**'' تم پر مردار کو حرام کر دیا گیا (المائدہ ۳) اس کی حرمت اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے۔

مردار کے حکم میں بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی ہیں اور وہ جانور بھی جس کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** '' اور جو

غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو (مائدہ ۳)۔

مردار کی نجاست سے یہ چیزیں مستثنیٰ ہیں:

۱۔**مرا ہوا انسان**: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ**'' ہم نے آدم کی اولاد کو عزت سے سرفراز کیا ہے (اسراء ۷۰) اس کی عزت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں پاک رہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی ذات پاک ہے، مسلمان نجس نہیں ہوتا'' (بخاری ۲۷۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مسلمان نجس نہیں ہوتا، نہ زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد''۔

۲/۳۔ **مچھلی اور ٹڈی**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو مردار پاک ہیں: مچھلی اور ٹڈی اور دو خون پاک ہیں: جگر اور تلی'' (ابن ماجہ)

۴۔**بہتا خون**، اس میں قئے بھی شامل ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ**'' یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ وہ نجس ہیں (انعام ۱۴۵)

مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے خون کی نجاست سے جگر اور تلی مستثنیٰ ہیں۔

۵۔**انسان کا بول وبراز**: اسی طرح حیوان کا بول وبراز: امام بخاری (۲۱۷) اور امام مسلم (۲۸۴) نے روایت کیا ہے کہ ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر ایک ڈول پانی بہاؤ''، اس پر پانی بہانے کا حکم اس کے نجس ہونے کی دلیل ہے۔

۶۔**جانور کی زندگی میں الگ کیا ہوا عضو**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چوپائے سے جو کاٹا جائے وہ مردار ہے'' (حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے)

اس حکم سے ماکول اللحم جانور (جس کا گوشت کھانا جائز ہے) کے بال اور پر مستثنیٰ ہیں، یہ پاک ہیں، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ** '' اور اللہ نے بنایا بھیڑوں کے اون سے اور اونٹوں کے اون سے اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں،

ایک مقررہ مدت تک کے لیے (النحل ۸۰)

۷۔ غیر ماکول اللحم جانوروں مثلاً گدھے وغیرہ کا دودھ، کیوں کہ اس کا دودھ اس کے گوشت کی طرح ہے اور اس کا گوشت حرام ہے۔

نجاستِ عینی اور نجاستِ حکمی کی تفصیلات :

نجاستِ عینی: ہر وہ نجاست جو نظر آئے یا اس کا کوئی ظاہری وصف رنگ یا بو ہو مثلاً پیشاب، پاے خانہ اور خون۔

نجاستِ حکمی: ہر وہ نجاست جو سوکھ گئی ہو اور اس کا اثر ختم ہو گیا ہو اور اس کا کوئی اثر رنگ یا بو باقی نہ ہو، اس کی مثال وہ پیشاب ہے جو کپڑے کو لگ کر سوکھ گیا ہو اور اس کا کوئی اثر موجود نہ ہو۔

نجاستِ مغلظہ، نجاست مخففہ اور نجاست متوسطہ:

نجاستِ مغلظہ (سخت): کتے اور خنزیر کی نجاست ہے، اس کے مغلظہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نجاستوں کی طرح اس کو ایک ہی مرتبہ دھونا کافی نہیں ہے، بلکہ اس نجاست کو سات مرتبہ دھونا اور ان میں سے ایک مرتبہ مٹی سے دھونا ضروری ہے، جیسا کہ کتے کے سلسلے میں حدیث گذر چکی ہے، خنزیر کو اس پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ کتے سے بدتر خنزیر ہے۔

نجاستِ مخففہ (ہلکی): ایسے بچے کا پیشاب جس نے ابھی دودھ کے علاوہ کچھ نہ کھایا ہو اور اس کی عمر دو سال مکمل نہ ہوئی ہو، اس کے مخففہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نجاست پر صرف پانی چھڑکنا کافی ہے، پانی بہانا ضروری نہیں ہے۔

امام بخاری (۲۰۲۱) اور امام مسلم (۲۸۷) وغیرہ نے حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنا ایک چھوٹا بچہ (جس نے ابھی کچھ کھایا نہیں تھا) لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو اس بچے نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کیا، آپ ﷺ نے پانی منگایا اور اس پر صرف چھڑکا، دھویا نہیں۔

نجاستِ متوسطہ (درمیانی): کتا، خنزیر اور مذکورہ بالا دو سال سے کم کے بچے کے پیشاب کے علاوہ تمام نجاستیں مثلاً انسان اور حیوانوں کا بول و براز اور خون، اس کو متوسطہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ چھڑکنے سے پاک نہیں ہوتا اور نہ اس میں بار بار دھونا واجب ہے صرف ایک مرتبہ دھونے سے عینِ نجاست ختم ہو جائے تو کافی ہے۔

امام بخاری (۲۱۴) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے کھلی جگہ نکلتے تو میں پانی ان کے پاس لے آتا، آپ اس سے دھوتے''۔

امام بخاری (۱۷۶) اور امام مسلم (۳۰۳) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے بہت زیادہ مذی آتی ہے، مجھے اس سے شرم محسوس ہوئی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کروں، چناں چہ میں نے مقداد بن اسود سے کہا کہ آپ سے جا کر دریافت کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس صورت میں وضو ہے''، مسلم کی روایت میں ہے: ''وہ اپنی اگلی شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے''۔

امام بخاری (۱۵۵) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ قضاء حاجت کے لیے نکلے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے پاس تین پتھر لے آؤں، مجھے دو پتھر ملے، میں نے تیسرا پتھر تلاش کیا تو مجھے نہیں ملا، چناں چہ میں گوبر کا ایک ٹکڑا لے کر آپ کے پاس آیا، آپ نے دو پتھر لیے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا: ''یہ نجس ہے''۔

ان حدیثوں سے مذکورہ بالا چیزوں کے نجس ہونے پر دلالت ہوتی ہے، اور جن چیزوں کا تذکرہ ان حدیثوں میں نہیں ہے، ان کو مذکورہ چیزوں پر قیاس کیا گیا ہے۔

نجاست سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ :

نجاستِ مغلظہ سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ :

یہ کتے اور خنزیر کی نجاست ہے، یہ نجاست اسی وقت دور ہوگی جب سات مرتبہ

دھویا جائے اوران میں سے ایک مرتبہ مٹی سے رگڑا جائے، چاہے نجاست عینی ہو یا حکمی، چاہے کپڑے پر ہو یا بدن پر یا جگہ پر، اس کی دلیل کتے کے منھ ڈالنے کی صورت میں پاکی کے طریقے سے متعلق حدیث ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

نجاست مخففہ سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ :

یہ اُس بچے کا پیشاب ہے جس نے دودھ کے علاوہ کچھ نہ کھایا ہو، یہ نجاست صرف اس پر پانی چھڑکنے سے ختم ہوجاتی ہے، چاہے وہ نجاست عینی (نظر آنے والی) ہو یا حکمی، چاہے بدن پر ہو یا کپڑے یا جگہ پر۔

نجاست متوسطہ سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ :

یہ مذکورہ نجاستوں کے علاوہ دوسری نجاستیں ہیں، نجاست اس وقت دور ہوجاتی ہے جب اس پر پانی بہا کر نجاست کا اثر ختم کیا جائے، جس کے نتیجہ میں عین نجاست اور اس کے تمام اوصاف: رنگ، بو اور مزہ ختم ہوجائے، چاہے نجاست عینی ہو یا حکمی، چاہے بدن پر لگی ہو یا کپڑے یا جگہ پر، البتہ رنگ کو زائل کرنا دشوار ہو تو اس کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً خون۔

۳۔**کتے اور خنزیر کے علاوہ** دوسرے مردار جانوروں کے چمڑوں کو پاک کرنے کا طریقہ: کتے اور خنزیر کے علاوہ دوسرے جانوروں کا چمڑا دباغت سے پاک ہوجاتا ہے، دباغت یہ ہے کہ چمڑے کی رطوبت (جس کے رہنے سے چمڑا خراب ہوجاتا ہے) کسی تیز گرم مادے سے اس طرح ختم کی جائے کہ اگر اس کو پانی میں ڈالا جائے تو وہ خراب نہ ہو اور اس میں بدبو نہ آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہے“ (مسلم ۳۶۶)، دباغت کے بعد چمڑے کو پانی سے دھونا واجب ہے، کیوں کہ یا تو نجس دوائیں اس سے ملی ہوئی ہوں گی، یا پاک دوائیں چمڑے سے مل کر نجس ہوگئی ہوں گی۔

بعض معفو عنھا نجاستیں: (وہ نجاستیں جو شریعت کی طرف سے معاف کی گئی ہیں)

اسلام پاکی اور نظافت کا دین ہے، اسی وجہ سے نجاست کو زائل کرنا اور اس سے بچنا ضروری ہے، چاہے نجاست جہاں پر بھی ہو، اسلام نے نماز صحیح ہونے کے لیے کپڑے، بدن اور جگہ کے پاک ہونے کی شرط لگائی ہے۔

لیکن دین نے آسانی کا بھی خیال رکھا ہے، اسی لیے بعض ایسی نجاستوں کو معاف کردیا ہے جن کا زائل کرنا دشوار ہوتا ہے یا ان سے بچنا مشکل ہوتا ہے، تاکہ لوگوں کے لیے آسانی ہو اور ان سے تکلیف دور ہو۔

بعض معفو عنها نجاستیں مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔پیشاب کے وہ چھینٹیں جن کا ادراک معتدل نگاہیں نہیں کرسکتی ہیں، اگر وہ بدن یا کپڑے پر لگے، چاہے وہ نجاست مغلظہ ہو یا مخففہ یا متوسطہ۔

۲۔تھوڑا سا خون، پیپ، مچھروں کا خون اور مکھیوں کی گندگی وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ عمداً نہ لگایا جائے۔

۳۔زخموں کا خون اور پیپ، چاہے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ اپنا ہو، دوسرے کا نہ ہو، اور عمداً نہ لگایا ہو۔

۴۔چوپایوں کا وہ گوبر جو دانوں کو بالیوں سے جدا کرتے وقت دانوں کو لگ جاتا ہے، اسی طرح وہ گوبر جو دودھ دھوتے وقت دودھ میں گرجاتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ اس سے دودھ میں تبدیلی آجائے۔

۵۔پانی میں مچھلی کا گوبر، جب کہ پانی میں تبدیلی نہ آئے، اسی طرح ان جگہوں پر پرندوں کی بیٹ جہاں پرندے بہت زیادہ آتے جاتے رہتے ہیں، مثلاً حرمِ مکی، حرمِ مدنی اور جامعِ اموی وغیرہ، کیوں کہ یہ عمومِ بلویٰ ہے اور اس سے بچنا دشوار ہے۔

۶۔قصائی کے کپڑے میں لگا ہوا تھوڑا خون۔

۷۔ گوشت کو لگا ہوا خون۔

۸۔ راستے کی نجس مٹی جو آدمی کے بدن یا کپڑوں پر لگ جاتی ہے۔

۹۔ وہ مردار جس میں بہتا خون نہ ہو، یعنی خود اس میں خون نہ ہو، جب وہ پتلی چیز میں گر جائے، مثلاً مکھی، شہد کی مکھی، چیونٹی وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ از خود ہوا ہو اور اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔

امام بخاری (۵۴۴۵) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مکھی کسی برتن میں گر جائے تو اس کو پورا ڈبویا جائے پھر اس کو پھینکا جائے، کیوں کہ اس کے ایک بازو میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری"، اس سے دلیل یوں لی گئی ہے کہ اگر مکھی نجس ہوتی تو آپ اس کو ڈبونے کا حکم نہیں دیتے، مکھی پر ہر اس جان دار کو قیاس کیا گیا ہے جس کا بہتا خون نہ ہو۔

احکامِ استنجا وآدابِ استنجا

استنجا کے معنی پیشاب اور پاخانہ نکلنے کی جگہ سے نجاست کو صاف کرنے یا کم کرنے کے ہیں، یہ لفظ نَـجَـا سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے ہیں، یا یہ نَجْوَۃٌ سے ماخوذ ہے، نجوۃ بلند زمین کو کہتے ہیں، یا نَجْوٌ سے ماخوذ ہے، نجوہ چیز ہے جو پچھلی شرمگاہ سے نکلتی ہے، شرعاً اس کو استنجا اس لیے کہا گیا ہے کہ استنجا کرنے والا تکلیف دہ چیز سے چھٹکارا پاتا ہے اور اس کو زائل کرتا ہے اور عام طور پر بلند زمین یا کسی دوسری چیز کے پیچھے چھپ کر قضائے حاجت کرتا ہے۔

اس کا حکم: استنجا کرنا یعنی نجاست سے پاکی حاصل کرنا واجب ہے، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

کس چیز سے استنجا کیا جائے:

ماءِ مطلق سے استنجا کرنا جائز ہے اور یہی نجاست سے پاکی حاصل کرنے کا اصل ذریعہ ہے، اسی طرح ہر اس چیز سے استنجا کرنا جائز ہے جو سوکھی اور کھردری ہو اور اس سے نجاست زائل کرنا ممکن ہو مثلاً پتھر اور پتے وغیرہ۔

افضل یہ ہے کہ پہلے پتھر وغیرہ سے استنجا کرے، پھر پانی استعمال کرے، کیوں کہ پتھر سے عینِ نجاست زائل ہوتی ہے اور اس کے بعد پانی کے استعمال سے نجاست کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے، اگر پانی اور پتھر میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا چاہے تو پانی کا استعمال افضل ہے، کیوں کہ اس سے عینِ نجاست اور اسکے اثرات دونوں ختم ہو جاتے ہیں، برخلاف دوسری چیزوں کے، اگر صرف پتھر وغیرہ پر اکتفا کرے تو اس کا سوکھا ہونا شرط ہے اور یہ بھی

شرط ہے کہ اگلی یا پچھلی شرمگاہ سے نکلی ہوئی گندگی کے سوکھنے سے پہلے اس کا استعمال کرے اور گندگی پچھلی شرمگاہ کے مخرج یا اگلی شرمگاہ کے حشفہ سے یا عورت کی اگلی شرمگاہ کے مخرج سے تجاوز نہ کرگئی ہو، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ تین پتھروں یا پتوں سے کم نہ ہوں، اگر محل نجاست صاف نہ ہوجائے تو تین سے زیادہ پتھر یا پتے استعمال کرے، وتر تعداد میں استعمال کرنا مستحب ہے، مثلاً پانچ، سات وغیرہ۔

امام بخاری (۱۴۹) اور امام مسلم (۲۷۱) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان میں چلے جاتے تو میں یا میرے علاوہ کوئی دوسرا لڑکا پانی کا لوٹا اور نیزہ لے کر جاتا اور حضور ﷺ پانی سے استنجا کرتے۔

امام بخاری (۱۵۵) وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ قضاے حاجت کے لیے گئے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے پاس تین پتھر لے آؤں۔

امام ابوداؤد (۴۰) وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی قضاے حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے اور ان سے پاکی حاصل کرے، یہ اس کے لیے کافی ہے''۔

امام ابوداؤدؒ (۴۴) امام ترمذی (۳۰۹۹) اور امام ابن ماجہ (۳۵۷) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قباوالوں کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی: ''فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ'' وہاں پر ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا چاہتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے (التوبہ ۱۰۸) روای کہتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجا کرتے تھے، اسی لیے ان کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی''۔

امام مسلم (۲۶۲۲) نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم سے استنجا نہ کرے''۔

امام بخاری (۱۶۰) اور امام مسلم (۲۳۷) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''جو کوئی پتھر سے استنجا کرے تو وتر عدد میں کرے''۔

کن چیزوں سے استنجا نہ کیا جائے:

نجس العین یا نجاست لگی ہوئی چیزوں سے استنجا کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس سے نجاست کے اثر میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہوجاتا ہے۔

امام بخاری (۱۵۵) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ قضاے حاجت کے لیے گئے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے پاس تین پتھر لے آؤں، مجھے دو پتھر ملے اور تیسرا پتھر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملا، چناں چہ میں جانور کا گوبر لے کر آپ کے پاس آیا، آپ نے دو پتھر لیے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا: ''یہ نجس ہے''۔

انسانوں کی غذا مثلاً روٹی وغیرہ سے استنجا کرنا حرام ہے، اسی طرح جنوں کی غذا مثلاً ہڈی وغیرہ سے بھی استنجا کرنا حرام ہے۔

امام مسلم (۴۵۰) نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ایک جن بلانے کے لیے آیا تو میں اس کے ساتھ گیا اور میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا''، راوی کہتے ہیں کہ جنوں نے آپ سے اپنے توشہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''تمہارے لیے ہر وہ ہڈی توشہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ تمہارے ہاتھوں میں گوشت سے بھری ہوئی آئے گی اور ہر مینگنی تمہارے چوپایوں کا چارہ ہے''، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو، کیوں کہ یہ تمہارے بھائیوں کی غذا ہے''، امام ترمذی (۱۸) کی روایت میں ہے: ''گوبر اور ہڈیوں سے استنجا نہ کرو، کیوں کہ یہ تمہارے جن بھائیوں کی غذا ہے''۔

چناں چہ بدرجہ اولیٰ انسان کی غذا کو دوسروں کی غذا پر قیاس کیا جائے گا۔

ہر قابلِ احترام چیز سے استنجا کرنا حرام ہے، مثلاً کسی جانور کا عضو، مثلاً اس کے اگلے

یا پچھلے پاؤں، آدمی کے اعضاے جسمانی سے استنجا کرنا بدرجہ اولی حرام ہے، کیوں کہ یہ اس کی عزت کے منافی ہے، اگر کسی حیوان کا عضو اس سے الگ ہوگیا ہو، اور وہ پاک ہو تو اس سے استنجا کرنا جائز ہے، مثلاً ماکول اللحم جانوروں کے بال اور مردار جانور کا دباغت کیا ہوا چمڑہ۔

استنجا اور قضاے حاجت کے آداب:

ذیل میں چند آداب پیش کیے جارہے ہیں، جن کی ہر مسلمان کو قضاے حاجت اور استنجا کے وقت رعایت رکھنا چاہیے:

۱۔ قضاء حاجت کی جگہ سے متعلق آداب:

۱۔لوگوں کے راستے میں جہاں لوگ بیٹھتے ہیں، پیشاب اور پاخانہ سے اجتناب کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

امام مسلم (۲۶۹) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو لعنت کرنے والی چیزوں سے بچو''، صحابہ نے دریافت کیا: دو لعنت کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایے میں قضاے حاجت کرتا ہے''۔

۲۔زمین یا دیوار وغیرہ کے سوراخ میں پیشاب کرنا، کیوں کہ اس سے خود اس کو تکلیف ہوسکتی ہے، اس میں کوئی نقصان پہنچانے والا جانور مثلاً سانپ یا بچھو وغیرہ رہ سکتے ہیں، جو سوراخ سے نکل کر اس کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، اور کبھی کمزور جانور اس میں رہتے ہیں، جس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً چیونٹی وغیرہ۔

امام ابوداؤد (۲۹) نے حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

۳۔پھل دار درخت کے نیچے قضاے حاجت نہیں کرنا چاہیے، یہ حکم پھل کو نجاست سے ملوث ہونے سے بچانے کے لیے ہے، چاہے وہ پھل کھایا جانے والا ہو یا اس سے کوئی

دوسرا فائدہ اٹھایا جاتا ہو، تا کہ لوگ اس سے گھن نہ کریں۔

۴۔رُکے ہوئے پانی میں قضاے حاجت سے بچنا چاہیے، کیوں کہ زیادہ پانی کی صورت میں گر چہ پانی نجس نہیں ہوتا لیکن لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور کم پانی کی صورت میں وہ نجس ہو کر ضائع ہو جاتا ہے۔

امام مسلم (۲۸۱) وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا، پاخانہ کرنا اس سے بھی زیادہ قبیح ہے اور اس کی ممانعت اور زیادہ ہے، امام نووی نے بیان کیا ہے کہ پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(شرح مسلم ۳/۱۸۷)

۲۔ قضاے حاجت کے لیے داخل ہونے اور نکلنے سے متعلق آداب

۱۔قضاے حاجت کے لیے جانے والے شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر داخل کرے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے باہر نکالے، کیوں کہ نجس اور گندی جگہوں کے لیے یہی مناسب ہے۔

۲۔اللہ اور اس کے صفات پر مشتمل اذکار اپنے ساتھ بیت الخلا میں نہ لے جائے۔

۳۔یہ بھی مستحب ہے کہ بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے اور نکلنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے ثابت اذکار اور دعائیں پڑھے: چناں چہ داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے: ''بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ'' (بخاری ۱۴۲، مسلم ۳۷۵) اللہ کے نام کے ساتھ میں داخل ہوتا ہوں اور میں تیرے حضور مرد اور عورت شیاطین سے پناہ مانگتا ہوں۔

بیت الخلا سے نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھے: ''غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَهٗ، وَاَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ، وَدَفَعَ عَنِّیْ اَذَاهُ'' 'میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف کو دور کیا اور مجھے عافیت دی، اس اللہ کی تعریف ہے جس نے مجھے اس کی

لذت کا مزہ چکھایا اور مجھ میں اس کی قوت باقی رکھی اور مجھ سے اس کی تکلیف دور کی'' (ابو داؤد ۳۰، ترمذی ۷، ابن ماجہ ۳۰۱، طبرانی)

۳۔ قضاے حاجت کے وقت کس طرف رخ کیا جائے:

قضاے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا یا پیٹھ کرنا حرام ہے جب کہ وہ کھلی جگہ پر ہو اور قضاے حاجت کے وقت ستر کو چھپانے والی کوئی بلند چیز نہ ہو، اس عمارت کا بھی یہی حکم ہے جو قضاے حاجت کے لیے بنائی گئی ہو اور اس میں مذکورہ شرائط نہ پائے جاتے ہوں، یہ بھی شرط ہے کہ ستر کرنے والی چیز اس سے تین ذراع یعنی ۱۵۰ سینٹی میٹر سے دور نہ ہو، اگر عمارت قضاے حاجت کے لیے تعمیر کی گئی ہو تو قبلہ کی طرف رخ کرنا اور پیٹھ کرنا جائز ہے۔

امام بخاری (۳۸۱) اور امام مسلم (۲۶۴) نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم بول وبراز کے لیے جاؤ تو قبلہ کی طرف رخ نہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو''۔

کھلی جگہ اور اسی طرح دوسری غیر ساتر جگہوں کی تخصیص کی دلیل: امام بخاری (۱۴۸) اور امام مسلم (۲۶۶) وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میں اپنی ضرورت کے لیے حفصہ کے گھر پر چڑھا تو میں نے حضور ﷺ کو قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف رخ کر کے قضاے حاجت کرتے ہوئے دیکھا''، پہلی حدیث ایسی عمارت پر محمول ہے جو قضاے حاجت کے لیے تیار نہ کی گئی ہو اور اسی طرح دوسری غیر ساتر جگہوں پر محمول ہے، دوسری روایت اس جگہ محمول ہے جو قضاے حاجت کے لیے تیار کی گئی ہو، مختلف دلائل کے درمیان جمع کر کے یہ احکام مستنبط کیے گئے ہیں، اس صورت میں اس عمارت میں قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کرنا مکروہ ہے جو قضاے حاجت کے لیے بنائی گئی ہو اور ساتر موجود ہو۔

٤۔ قضاے حاجت کرنے والے کے لیے آداب:

اپنے بائیں پاؤں پر وزن ڈالے اور اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے، آسمان کی طرف نہ دیکھے اور نہ اپنی شرمگاہ کی طرف، نکلنے والی گندگی کی طرف بھی نہ دیکھے، کیوں کہ یہ مناسب نہیں ہے، قضاے حاجت کے دوران گفتگو وغیرہ کرنا مکروہ ہے۔

امام مسلم (۳۷۰) وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کا گزر رسول اللہ ﷺ سے ہوا، جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے، اس نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا۔

امام ابو داؤد (۱۵) وغیرہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''دو آدمی پیشاب پاخانے کے لیے ایک ساتھ اپنے ستر کو کھولے گفتگو کرتے ہوئے نہ بیٹھیں، کیوں کہ اللہ عزوجل اس سے ناراض ہوتا ہے''۔

گفتگو پر اس کے علاوہ دوسری چیزوں: کھانے، پینے اور رکھنے وغیرہ کو قیاس کیا گیا ہے۔

۵۔ بائیں ہاتھ سے استنجا کرنا:

پانی یا پتھر وغیرہ سے محلِ نجاست کو صاف کرنے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرے، داہنے ہاتھ کا استعمال کرنا مکروہ ہے، اسی طرح اپنی اگلی شرمگاہ کو چھونا بھی مکروہ ہے، اگر پتھر وغیرہ سوکھی چیزوں سے صاف کرنے کے لیے اگلی شرمگاہ پکڑنے کی ضرورت ہو تو داہنے ہاتھ سے سوکھی چیز پکڑے اور بائیں ہاتھ سے اگلی شرمگاہ پکڑ کر ہلائے۔

امام بخاری (۱۵۳) اور امام مسلم (۲٦۷) نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنی اگلی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے''۔

حدث سے پاکی کے احکام:

حدث کی قسمیں: حدث کی دو قسمیں ہیں: ۱۔حدثِ اکبر ۲۔حدثِ اصغر

حدثِ اصغر: یہ اعتباری چیز ہے جو انسان کے چار اعضاء کو لاحق ہوتی ہے، وہ چہرہ، دونوں ہاتھ، سر اور دونوں پاؤں ہیں، اس سے نماز وغیرہ صحیح نہیں ہوتی، یہ حدث وضو سے ختم ہوجاتا ہے اور نماز وغیرہ عبادتوں کی ادائیگی جائز ہوجاتی ہے۔

حدثِ اکبر: یہ بھی اعتباری چیز ہے جو انسان کے پورے جسم کو لاحق ہوتی ہے اور نماز وغیرہ سے مانع بن جاتی ہے، یہ حدث غسل سے ختم ہوجاتا ہے اور انسان حالت جنابت میں منع کردہ عبادتوں کی ادائیگی جائز ہوجاتی ہے۔

وضو

وضو کے معنی: وضوء "الوضاءۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حسن کے ہیں، شرعاً وضو کہتے ہیں اس عمل کو جس میں نیت کے ساتھ متعین اعضا کو پانی سے دھویا جائے، وَضو (واو کے زبر کے ساتھ) وُضو (واو کے پیش کے ساتھ) کے لیے استعمال کیے جانے والے پانی کو کہتے ہیں، وضو کو وضو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اعضاے وضو کو دھونے اور صاف کرنے سے ان کے حسن میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

وضو کے فرائض:

وضو کے فرائض چھ ہیں: نیت کرنا، چہرہ دھونا، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا، سر کے کسی حصے کا مسح کرنا اور ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا، ترتیب کے ساتھ وضو کرنا۔

وضو کی مشروعیت اور اس کے ارکان کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَیْدِیَكُمْ إِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَی الْكَعْبَیْنِ" اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔ (المائدہ ۶)

۱۔ نیت کرنا: کیوں کہ وضو عبادت ہے اور نیت سے عبادت عادت سے ممتاز ہوجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو وہ نیت کرتا ہے" (بخاری ۱، مسلم ۱۹۰۷) یعنی عبادت اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی اور شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوتا جب تک نیت نہ کی جائے، اور مکلّف کو اس کا اجر اس وقت تک نہیں ملتا

جب تک اس میں خلوص نہ ہو۔

نیت کی تعریف: نیت کے لغوی معنی ارادہ کرنے کے ہیں اور شریعت میں کہتے ہیں: عمل کے ارادے کے ساتھ کسی چیز کا کرنا۔

نیت کی جگہ: نیت کی جگہ دل ہے اور الفاظ کا زبان سے ادا کرنا مسنون ہے

نیت کا طریقہ :اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہے: میں نے فرض وضو کی نیت کی/رفع حدث کی نیت کی/نماز جائز ہونے کی نیت کی۔

نیت کا وقت: اس کا وقت چہرہ دھونے کے شروع میں ہے، کیوں کہ وضو کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔

۲۔ پورا چہرہ دھونا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** ''پس اپنے چہروں کو دھوؤ، چہرہ کے حدود یہ ہیں: لمبائی میں بال کے اگنے کی جگہ سے ٹھڈی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔

چہرہ پر موجود تمام اعضاء: بھویں، مونچھ اور داڑھی کے ظاہری اور اندرونی حصوں کا دھونا واجب ہے، کیوں کہ یہ بھی چہرہ کے اجزاء میں داخل ہیں، البتہ گھنی داڑھی (جس کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا) کے ظاہری حصے کو دھونا کافی ہے، اندرونی حصے کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''**وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ** ''(اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ) یہاں ''**الی**'' (تک) کے معنی ''**مع**'' (ساتھ) کے ہیں، اس کی دلیل امام مسلم (۲۴۶) کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے وضو کیا تو اپنا چہرہ دھویا تو وضو میں اسباغ کیا یعنی فرض حصوں سے زیادہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ دھویا یہاں تک کہ بازو کا بھی ایک حصہ دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ دھویا، یہاں تک کہ بازو کا بھی ایک حصہ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا داہنا پاؤں دھویا، یہاں تک کہ پنڈلی کا ایک حصہ دھویا پھر اپنا بایاں پاؤں یہاں

تک کہ پنڈلی کا ایک حصہ دھویا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہاتھوں کے تمام بال اور چمڑے کو دھونا ضروری ہے، اگر ناخن میں میل ہو جس سے پانی اندر تک نہ پہنچتا ہو یا انگوٹھی ہو تو وضو صحیح نہیں ہوگا، امام بخاری (۱۶۱) اور امام مسلم (۲۴۱) (الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس ہوئے، جب ہم راستہ میں پانی کے پاس پہنچے تو ہم میں سے بعض لوگ عصر کے وقت پہلے پہنچے تھے اور انھوں نے جلدی جلدی وضو کیا تھا، ہم بھی پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی ہیں، ایڑیوں کو پانی نہیں لگا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایڑیوں کے لیے آگ ہے، وضو مکمل کیا کرو''۔

امام مسلم (۲۴۳) نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے وضو کیا تو پاؤں میں ایک انگلی کے بقدر جگہ باقی چھوڑی، نبی کریم ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: ''واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو''، چناں چہ وہ لوٹ گیا پھر نماز پڑھی۔ یعنی وضو مکمل کر کے نماز پڑھی۔

دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اعضاے وضو میں سے تھوڑا حصہ دھونے سے رہ جائے تو وضو صحیح نہیں ہوتا۔

۴۔ سر کے کسی حصے کا مسح کرنا، چاہے سر کے حدود میں موجود ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**وَامْسَحُوْا بِرُؤُوسِكُمْ** ''اپنے سروں کا مسح کرو۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور ناصیہ (سر کے اگلے حصے) اور عمامے کا مسح کیا۔ (مسلم ۲۷۴)

مسح کے بجائے اپنا پورا سر یا سر کا ایک حصہ دھوئے تو جائز ہے، ناصیة: سر کے اگلے حصے کو کہتے ہیں اور یہ سر میں شامل ہے، اس کے مسح پر اکتفا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حصہ کا مسح کرنا فرض ہے، اور یہ فرض کسی بھی حصے کے مسح کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔

۵ ٹخنوں سمیت پیروں کو دھونا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''**وارجلکم**

الی الکعبین ''اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں دھوؤ، یہاں بھی ''إلی'' ''مع'' کے معنی میں ہے، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت ہے، جس میں ہے کہ آپ نے دونوں پاؤں دھوئے، یہاں تک کہ پنڈلی کا بھی ایک حصہ دھویا۔

دونوں پاؤں پر اس طرح پانی بہانا ضروری ہے کہ کوئی حصہ بھی باقی نہ رہے، چاہے ایک ناخن کے برابر کیوں نہ ہو، اسی طرح ہر بال کے نیچے بھی پانی پہنچانا ضروری ہے، اس کی دلیل گذر چکی ہے۔

٦۔ اعضاے وضو کو ترتیب کے ساتھ دھونا:

یہ حکم اُس آیت سے مستنبط ہے جس میں وضو کے فرائض ترتیب کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، نبی کریم ﷺ کا عمل بھی یہی ہے، نبی کریم ﷺ جب بھی وضو فرماتے تو آیت میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق ہی کرتے، یہ بات صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی جا چکی ہے، اس میں لفظ ''ثـم'' کے ذریعے عطف کیا گیا ہے اور یہ لفظ بالاتفاق ترتیب کے لیے آتا ہے، امام نووی نے (المجموع ۱/۴۸۴) لکھا ہے: ''اصحابِ حدیث نے صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے، جو بہت سے صحابہ سے نبی کریم ﷺ کے وضو کے طریقے کے سلسلے میں مروی ہیں، ان تمام صحابہ نے ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے، باوجود یہ کہ ان صحابہ کی کثیر تعداد ہے اور بہت سے موقعوں پر انھوں نے آپ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، وضو کی صفات میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور تین مرتبہ کا ذکر ملتا ہے، کثرتِ اختلاف کے باوجود یہ ثابت نہیں ہے کہ کبھی آپ نے بغیر ترتیب کے وضو کیا ہو، اور نبی کریم ﷺ کا مسلسل عمل اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے، اگر ترتیب کو چھوڑنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ بیانِ جواز کے لیے بعض مرتبہ چھوڑ دیتے۔

وضو کی سنتیں

وضو کی بہت سی سنتیں ہیں، جن میں سے اہم سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا: امام نسائی (۱/۶۱) نے جید سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: نبی کریم ﷺ کے بعض ساتھیوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا تو ان کو نہیں ملا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے''، چناں چہ پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا پھر کہا: ''اللہ کا نام لے کر وضو کرو''، یعنی شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کو اُبلتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ تمام لوگوں نے وضو کیا، وہ ستر (۷۰) کے قریب تھے۔

٢۔ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا: امام بخاری (۲۱۸۳) اور امام مسلم (۲۳۵) نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے نبی کریم ﷺ کے وضو کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے پانی کا برتن منگوایا اور ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کے وضو کرنے کی طرح وضو کیا: چناں چہ انھوں نے برتن سے اپنے ہاتھ پر پانی بہایا اور اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا۔

٣۔ مسواک کرنا: امام بخاری (۸۴۷) اور امام مسلم (۲۵۲) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر میری امت کے لیے دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''، یعنی میں واجبی حکم دیتا، یہ عمل سنت موکدہ ہونے کی دلیل ہے۔

۴/۵۔ داہنے ہاتھ سے کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت میں ہے: ''پھر آپ نے تین مرتبہ چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی لے کر باہر نکالا''، یعنی ایک چلو سے کلی کی اور ناک صاف کیا اور یہ عمل تین مرتبہ کیا۔

٦۔ گھنی داڑھی کا خلال کرنا: امام ابوداؤد (۱۴۵) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وضو کرتے تو ایک ہتھیلی میں پانی لیتے اور اس کو اپنی

ٹھڈی کے نیچے داخل کرتے اور اس سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ''اس طرح کرنے کا میرے رب عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے''۔

۷۔ پورے سر کا مسح کرنا: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا، انھوں نے ہاتھوں کو آگے کیا اور پیچھے: اپنے سر کے ابتدائی حصہ سے شروع کیا پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر ہاتھوں کو واپس اسی جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔

۸۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا: دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرے، داہنے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے، حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! مجھے وضو کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضو مکمل کرو، انگلیوں میں خلال کرو، ناک میں پانی لینے میں مبالغہ کرو، مگر یہ کہ تم کو روزہ ہو''۔ (ابو داؤد ۱۴۲، ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے ۷۸۸) یعنی اگر روزے سے نہ ہو تو ناک میں پانی لینے میں مبالغہ نہ کرو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''میں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے پیروں کی انگلیوں کا اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلال کیا''۔

(ابن ماجہ ۴۴۶)

۹۔ نئے پانی سے کانوں کے ظاہری اور اندرونی حصہ کا مسح کرنا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سر اور دونوں کانوں کے ظاہری اور اندرونی حصے کا مسح کیا'' (ترمذی ۳۶، اس کو صحیح کہا ہے) نسائی (۱/۴۷) کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سر اور کانوں کا مسح کیا، کانوں کے اندرونی حصہ کا شہادت کی انگلی سے اور ظاہری حصے کا انگوٹھوں سے مسح کیا''۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چناں چہ آپ نے اپنے کانوں کے مسح کے لیے سر کے مسح

کے لیے لیے گئے پانی کے علاوہ پانی لیا'' (حاکم ۱/۱۵۱، حافظ ذہبی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے)

۱۰۔ اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونا: امام مسلم (۲۳۰) نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا وضو نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے تین تین مرتبہ وضو کیا۔

۱۱۔ ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنے کو بائیں سے پہلے دھونا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم وضو کرو تو داہنے سے شروع کرو'' (ابن ماجہ ۴۰۲) اس کی دلیل وضو کے فرائض کے بیان میں گزر چکی ہے۔

۱۲۔ اعضائے وضو کو دھوتے وقت ان پر ہاتھ پھیرنا: امام احمد نے (۴/۳۹) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو کیا پھر اس طرح کرنے لگے یعنی اعضاء پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

۱۳۔ ایک عضو کے سوکھنے سے پہلے دوسرے عضو کو دھونا: اس کی دلیل اس پر دلالت کرنے والی مذکورہ بالا حدیثیں ہیں۔

۱۴۔ غرہ اور تحجیل میں زیادتی کرنا: غرہ یہ ہے کہ سر کے اگلے حصے کو دھویا جائے اور تحجیل یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سے اوپر اور پاؤں کو ٹخنوں سے اوپر دھویا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت قیامت کے دن وضو کے علامتوں کی وجہ سے روشن چہروں اور روشن ہاتھوں والی پکاری جائے گی، جو تم میں سے اپنے غرہ کو زیادہ کرنا چاہے تو وہ ایسا کرے'' (بخاری ۱۳۶، مسلم ۲۴۶) مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''وہ اپنے غرہ اور تحجیل میں اضافہ کرے''۔

۱۵۔ پانی کے استعمال میں نہ اسراف کرے اور نہ کنجوسی کرے: امام بخاری (۱۹۸) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے۔

۱۶۔ وضو کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا، کیوں کہ یہ سب سے بہتر سمت ہے۔

۱۷۔ وضو کے دوران گفتگو نہ کرنا: رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

۱۸۔وضو کے اختتام پر تشھد اور دعا پڑھنا: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ '' (مسلم۲۳۴) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ'' (ترمذی۵۵) اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور مجھے پاک لوگوں میں سے بنا ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ'' تیری ذات پاک ہے، اے اللہ! اور تیری ہی تعریف ہے۔

وضو کے مکروہات

وضو میں مندرجہ ذیل چیزیں مکروہ ہیں:

۱۔پانی کے استعمال میں اسراف کرنا یا کنجوسی کرنا: کیوں کہ یہ سنت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ '' اور تم اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (اعراف۳۱) اسراف معروف اور مانوس اعتدال سے تجاوز کرنے کا نام ہے، امام ابو داؤد (۹٦) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو پاکی اور دعا میں اسراف کریں گے''، دعا میں افراط یہ ہے کہ مخصوص چیزیں متعین اوصاف کے ساتھ مانگی جائیں۔

۲۔بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے پہلے دھونا، اسی طرح بائیں پاؤں کو داہنے پاؤں سے پہلے دھونا: کیوں کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔

۳۔رومال وغیرہ سے اعضاے وضو کو پوچھنا: عذر ہو تو مکروہ نہیں ہے، مثلاً سخت ٹھنڈی ہو، جس کی وجہ سے پانی کو یوں ہی چھوڑ دینے سے تکلیف ہوتی ہو یا نجاست یا غبار لگنے کا اندیشہ ہو، امام بخاری (۲۵٦) اور امام مسلم (۳۱۷) نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس رومال لایا گیا تو آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔

۴۔پانی چہرے پر مارنا، کیوں کہ یہ چہرے کے احترام اور عزت کے منافی ہے۔

۵۔تین مرتبہ دھونے یا مسح کرنے پر یقین ہونے کے بعد پھر زیادہ مرتبہ دھونا یا مسح کرنا: رسول اللہ ﷺ نے تین تین مرتبہ اعضاء کو دھونے کے بعد فرمایا: ''اس طرح وضو ہے، جو کوئی اس پر زیادتی کرے یا کمی کرے تو اس نے گناہ کیا اور ظلم کیا'' (ابوداؤد۱۳۵)، امام نووی نے المجموع میں لکھا ہے ''یہ بات صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اس بات کا اعتقاد رکھے کہ تین مرتبہ سے زیادہ یا کم کرنا سنت ہے تو اس نے گناہ اور ظلم کیا، کیوں کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت کی۔

٦۔بغیر کسی عذر کے اعضاے وضو کو دھونے میں کسی کا تعاون لینا: کیوں کہ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے جو عبودیت اور بندگی کے منافی ہے۔

۷۔روزے دار کے لیے ناک میں پانی لینے اور کلی کرنے میں مبالغہ کرنا: کیوں کہ اس سے حلق میں پانی جانے کا اندیشہ ہے، اس صورت میں حلق میں پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور ناک میں پانی لینے میں مبالغہ کرو، مگر یہ کہ تم کو روزہ ہو'' (ابوداؤد۱۴۲) کلی کو ناک میں پانی لینے پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں مبالغہ بدرجہ اولیٰ مکروہ ہونا چاہیے۔

وضو توڑنے والی چیزیں:

پانچ چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

۱۔اگلی یا پچھلی شرمگاہ سے کوئی چیز نکلے، چاہے پیشاب ہو یا پاخانہ، خون ہو یا ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ '' یا تم میں سے کوئی قضاے حاجت سے آئے'' (نساء۴۲) یعنی قضاے حاجت کی جگہ سے پیشاب یا پاخانہ کی اپنی ضرورت پوری کرکے آئے۔

امام بخاری (۱۳۵) اور امام مسلم (۲۲۵) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کرتا، جب اس کو حدث لاحق ہو جائے، یہاں تک کہ وہ وضو کرلے''، حضرموت کے ایک شخص نے

دریافت کیا: ابو ہریرہ! حدث کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہوا نکلنا۔ اس پر اگلی یا پچھلی شرمگاہ سے نکلی ہوئی تمام چیزوں کو قیاس کیا گیا ہے، چاہے وہ پاک ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ سہارا لیے بغیر سونا: سہارا لینا یہ ہے کہ اپنے سُرین کو زمین سے ملا کر بیٹھے، سہارا نہ لینا یہ ہے کہ زمین اور سورین کے درمیان خالی جگہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی سوئے، وہ ضرور وضو کرے'' (ابوداؤد ۲۰۳) البتہ جو کوئی سہارا لے کر سوئے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ اس صورت میں اس کو شرمگاہ سے نکلی ہوئی چیزوں کا احساس رہتا ہے، اس کی دلیل امام مسلم (۳۷۶) کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کے لیے اقامت کہی گئی جب کہ نبی کریم ﷺ کسی آدمی سے سرگوشی کر رہے تھے، آپ اس سے سرگوشی کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے صحابہ سو گئے پھر آپ آئے اور ان کو نماز پڑھائی۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سوتے تھے، پھر وضو کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵)

یہ بات واضح ہے کہ صحابہ سہارا لے کر سوئے ہوئے تھے کیوں کہ وہ مسجد میں بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے اور اس امید میں تھے کہ آپ ﷺ اپنی بات جلد مکمل کر کے ان کو نماز پڑھائیں گے۔

۳۔ نشہ، بے ہوشی، بیماری یا پاگل پنے کی وجہ سے عقل کا زائل ہونا: کیوں کہ انسان کو ان میں سے کوئی چیز لاحق ہوتی ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کو اپنے جسم سے نکلنے والی چیز کا احساس نہیں رہتا، اس کو نیند پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ نیند سے بھی زیادہ اس صورت میں آدمی بے ہوش رہتا ہے۔

۴۔ کسی حائل کے بغیر مرد کا اپنی بیوی یا غیر محرم عورت کو چھونا: اس سے مرد اور عورت دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، غیر محرم ہر وہ عورت ہے جس سے شادی کرنا جائز ہو، اللہ تعالیٰ وضو واجب کرنے والی چیزوں کے بیان میں فرماتا ہے: ''أَوْ لَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ'' یا تم عورتوں کو چھوؤ۔ (نساء ۴۳)

۵۔ کسی حائل کے بغیر ہتھیلی یا انگلیوں کے اندرونی حصے سے اپنی اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو چھونا یا کسی دوسرے کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو چھونا۔

وہ چیزیں جن کے لیے وضو شرط ہے:

مندرجہ ذیل چیزوں کے لیے وضو شرط ہے:

۱۔ نماز: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَیْدِیَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ'' ''اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ'' (سورہ مائدہ ۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز حدث لاحق ہونے کے بعد اس وقت تک قبول نہیں کرتا، جب تک وہ وضو نہ کر لے'' (بخاری ۱۳۵، مسلم ۲۲۵) مسلم کی روایت میں ہے (۲۲۴) ''بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں''۔

۲۔ کعبہ کا طواف: کیوں کہ طواف نماز ہی کی طرح ہے، اس میں بھی طہارت ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کعبۃ اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے، البتہ تم طواف کے دوران گفتگو کر سکتے ہو، جو کوئی اس کے دوران گفتگو کرے تو صرف بھلی بات کہے''۔ (ترمذی ۹۶۰، حاکم ۱/۴۵۹، انھوں نے اس کو صحیح کہا ہے)۔

۳۔ مصحف شریف کو چھونا اور اٹھانا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَا یَمَسُّهٗ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' ''صرف پاک لوگ ہی اس کو چھوتے ہیں (واقعہ ۷۹) رسول اللہ نے فرمایا: ''صرف پاک آدمی ہی قرآن کو چھوئے'' (دارقطنی ۱/۴۵۹)

نبی کریم ﷺ سے منقول مکمل وضو

وضو اور اس کے بعد پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت:

امام بخاری نے (۱۶۲) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے وضو کا پانی منگایا اور برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور تین مرتبہ دھویا، پھر کلی

کی، ناک میں پانی لیا اور ناک صاف کیا، پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھویا (دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: پھر اپنا داہنا ہاتھ تین مرتبہ دھویا پھر بایاں ہاتھ تین مرتبہ) پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا (دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: پھر اپنا داہنا پاؤں تین مرتبہ دھویا پھر بایاں پاؤں تین مرتبہ) پھر آپ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی میرے اس وضو کی طرح وضو کرے گا پھر دو رکعت نماز پڑھے گا، جس میں وہ اپنے نفس سے گفتگو نہیں کرے گا تو اللہ اس کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا'' یعنی دنیاوی امور میں سے کسی چیز کا خیال اس کے دل میں نہیں آئے گا۔

موزوں پر مسح

موزوں کی تعریف: چمڑے کے ایسے جوتے جو ٹخنوں کو ڈھانکنے والے ہوں۔

موزوں پر مسح کا حکم: موزوں پر مسح شریعت کی طرف سے ایک رخصت ہے، مردوں اور عورتوں کے لیے ہر حال میں جائز ہے، گرمی ہو یا ٹھنڈی، سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا صحت، وضو میں پاؤں کو دھونے کا یہ بدل ہے۔

موزوں پر مسح جائز ہونے کی دلیل:

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل ہے، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ استنجا سے فارغ ہوئے پھر وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا (بخاری ۱۴۷۸، مسلم ۲۷۲)

موزوں پر مسح کی شرطیں:

موزوں پر مسح جائز ہونے کے لیے پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ مکمل وضو کے بعد موزوں کو پہنے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، میں آپ کے موزے اتارنے کے لیے جھکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو چھوڑ دو، میں نے حالتِ طہارت میں ان کو پہنا ہے''، پھر آپ نے ان پر مسح کیا (بخاری ۲۰۳، مسلم ۱۷۴)

۲۔ ٹخنوں کو ڈھانکنے والے ہوں، کیوں کہ موزے ان ہی کو کہتے ہیں جو فرض حصے کو ڈھانکنے والے ہوں۔

۳۔ سلائی کی جگہ کے علاوہ سے پاؤں میں پانی نہ پہنچے۔

۴۔ موزے مضبوط ہوں، جس پر مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن تین رات مسلسل چلنا ممکن ہو۔

۵۔ دونوں موزے پاک ہوں، اگر مردار کا چمڑا ہو تو دباغت کیا ہوا ہو، کیوں کہ مردار کا چمڑہ دباغت کے بغیر پاک نہیں ہوتا۔

موزوں پر مسح کی مدت

موزوں پر مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن تین راتیں ہیں۔

امام مسلم (۲۷۶) وغیرہ نے حضرت شریح ابن ہانی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موزوں پر مسح کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آیا، انھوں نے فرمایا: تم علی کے پاس جاؤ، وہ مجھ سے زیادہ اس بارے میں جانتے ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، میں ان کے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ نے موزوں پر مسح مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مقرر کیا ہے۔

اگر کوئی حالتِ اقامت میں موزوں پر مسح کرے پھر سفر کرے تو ایک دن ایک رات مسح کرے، اور کوئی سفر میں موزوں پر مسح کرے پھر مقیم ہو جائے تو مقیم کی مدت پوری کرے، کیوں کہ اصل حالتِ اقامت ہے اور مسح رخصت ہے، اس لیے احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

مسح کی مدت کب شروع ہوتی ہے؟

مسح کی مدت موزے پہن کر حدث لاحق ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے، اگر کوئی صبح کے وقت وضو کرے اور موزے پہنے پھر سورج طلوع ہونے کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو مسح کی مدت کا اعتبار سورج طلوع ہونے کے بعد سے کیا جائے گا۔

موزوں پر مسح کا طریقہ:

فرض مقدار: موزوں کے اوپری حصے کا مسح کرنا، چاہے کم ہی کیوں نہ ہو، البتہ نچلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہے۔

موزوں پر مسح کو باطل کرنے والی چیزیں:

تین چیزوں سے موزوں پر مسح ختم ہو جاتا ہے:

۱۔ موزوں کو اتارنا یا خود سے نکل جانا، چاہے دونوں موزے اتارے یا ایک موزہ۔

۲۔ مسح کی مدت ختم ہونا: جب مدت ختم ہو جائے اور وہ وضو سے ہو تو موزوں کو اتار دے اور دونوں پاؤں دھوکر دوبارہ پہنے، اگر وضو سے نہ ہو تو وضو کر کے پہنے۔

۳۔ غسل واجب ہو جائے: اگر غسل واجب ہو جائے تو موزوں کو اتار دے اور دونوں پاؤں دھوئے، کیوں کہ وضو میں پاؤں دھونے کے بدلے موزوں پر مسح ہے، نہ کہ غسل میں پاؤں دھونے کے بدلے۔

امام ترمذی (۹۶) اور امام نسائی (۱/۸۳ الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ہم کو حکم دیتے کہ ہم موزوں پر مسح کریں اور تین دن تک پیشاب، پاخانہ اور سونے کے باوجود نہ اتاریں، البتہ جنابت کی صورت میں اتارنے کا حکم دیتے''۔

پٹی اور پلاسٹر پر مسح

اسلام آسان دین ہے،اس لیے مشکل موقعوں اور سخت حالات کی رعایت رکھا ہے اور ایسے احکام مشروع کیے ہیں،جن سے عبادت کی ادائیگی آسان ہوجاتی ہے،اوران میں انسان کی سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔

پٹی اور پلاسٹر کے احکام:

زخمی مریض یاہڈی ٹوٹے ہوئے مریض کوکبھی زخم یا ٹوٹی جگہ پر پٹی اور مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہےاور کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔

اگر پٹی باندھنے کی ضرورت ہوتو تین چیزیں ضروری ہیں:

۱۔زخم خوردہ عضو کے صحیح وسالم حصے کودھوئے۔

۲۔پوری پٹی یاپلاسٹر پر مسح کرے۔

۳۔وضو کے وقت زخمی عضو کے بدلے اس عضوکودھوتے وقت تیمم کرے۔

اگر ٹوٹے ہوئے یا زخمی عضو پر پٹی باندھنے کی ضرورت نہ ہوتو اس عضو کے صحیح حصے کو دھونا اور زخمی حصہ کے بدلے تیمم کرنا ضروری ہے،اگر زخمی حصے کودھونا ممکن نہ ہو،ہرفرض نماز کے لیے تیمم کا اعادہ کرنا واجب ہے،چاہے حدث لاحق نہ ہو،البتہ باقی تمام اعضاء کودھونا ضروری نہیں ہے،حدث لاحق ہوجائے تو ضروری ہے۔

پٹی پر مسح کی مشروعیت کی دلیل:

اس کی دلیل امام ابوداؤد (٣٣٦) کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم ایک سفر میں نکلےتو ہم میں سے ایک آدمی کو پتھر لگا،جس کی وجہ سے اس

کا سر پھٹ گیا،پھر اس کو احتلام ہواتو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیاتم میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت پاتے ہو؟انھوں نے کہا: ہم تمہارے لیے رخصت نہیں پاتے،کیوں کہ تم میں پانی کے استعمال کی طاقت ہے،چناں چہ اس نے غسل کیا،جس کے نتیجے میں اس کا انتقال ہوگیا،جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ کواس واقعے کی اطلاع دی گئی آپ نے فرمایا: ''انھوں نے اس کو مارڈالا،اللہ اُن کو مارڈالے،اگر معلوم نہیں تھا تو انھوں نے پوچھا کیوں نہیں؟ کسی بات میں حیرانی کا علاج سوال ہے،اس کے لیے بس اتنا کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا،پھر اس پر مسح کرتا اور پورے بدن کا غسل کرتا''۔

پٹی اور پلاسٹر پر مسح کی مدت:

پٹی اور پلاسٹر پر مسح کی کوئی مدت متعین نہیں ہے، بلکہ عذر باقی رہنے تک مسح کرتا رہے،اگر عذر ختم ہوجائے، مثلاً زخم بھر جائے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ جائے تو مسح باطل ہوجائے گا،اگر کوئی وضو سے ہواوراس کا پٹی پر مسح باطل ہوجائے تو مسح کیے جانے والے عضو اوراس کے بعد کے تمام اعضاء کودھونا یا مسح کرنا واجب ہے،کیوں کہ وضو میں ترتیب واجب ہے،البتہ حدثِ اکبر میں صرف اس حصے کودھونا کافی ہے۔

پٹی باندھنے والے کو مندرجہ ذیل صورتوں میں قضا کرنا واجب ہے:

۱۔جب طہارت کے بغیر پٹی باندھے اوراس کا اتارنا مشکل ہو۔

۲۔یا پٹی تیمم کے اعضاء چہرے یا ہاتھوں پر ہو۔

۳۔زخمی حصے کو چھوڑ کر اتنے صحیح وسالم حصہ پر پٹی باندھی جائے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

غسل کے احکام اور قسمیں

غسل کے معنی: لغت میں غسل کہتے ہیں کسی بھی چیز پر پانی بہانے کو۔
اور شریعت میں مخصوص نیت سے پورے بدن پر پانی بہانے کو کہتے ہیں۔

اس کی مشروعیت کی دلیل:

غسل مشروع ہے، چاہے نظافت کے لیے ہو یا حدث کو ختم کرنے کے لیے، اس کی مشروعیت کی دلیل قرآن کریم، احادیث اور اجماع ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ'' بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں کو چاہتا ہے اور پاک وصاف رہنے والوں کو چاہتا ہے۔ (بقرہ ۲۲۲) یعنی ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک وصاف رہنے والوں کو چاہتا ہے۔

امام بخاری (۸۵) اور امام مسلم (۸۴۹) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ سات دن میں ایک دن غسل کرے، جس میں وہ اپنے سر اور جسم کو دھوئے''۔ امام مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اللہ کے لیے حق ہے'' یہاں حق سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کے لیے اس کا چھوڑنا مناسب نہیں ہے، علماء نے اس کو جمعہ کے دن کے غسل پر محمول کیا ہے۔

ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ نظافت کے لیے غسل کرنا مستحب ہے اور عبادت کے صحیح ہونے کے لیے غسل کرنا واجب ہے، اس سلسلے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے

غسل کی مشروعیت کی حکمت:

غسل کی بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ثواب کا حصول: کیوں کہ غسل شریعت میں عبادت ہے، اور اس میں بہت بڑا اجر ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''طہارت آدھا ایمان ہے'' (مسلم ۲۲۲) یعنی آدھا ایمان ہے یا ایمان کا جزء ہے، یہ وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے۔

۲۔پاکی کا حصول: جب مسلمان غسل کرتا ہے تو اس کا جسم گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے یا پسینے کی بدبو سے پاکی حاصل ہوتی ہے، اس سے بیماریوں کا سبب بننے والے جراثیم سے حفاظت ہوتی ہے اور جسم سے خوشبو مہکتی ہے، جس سے لوگوں کی محبت اور الفت حاصل ہوتی ہے۔

امام بخاری (۸۶۱) اور امام مسلم (۸۴۷، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: لوگ محنت مزدوری کرنے والے تھے اور ان کے پاس خادم وغیرہ نہیں تھے، محنت کرنے کی وجہ سے ان کے جسم سے بدبو آتی تھی، اسی وجہ سے ان سے کہا گیا: ''تم جمعہ کے دن غسل کرو تو کیا ہی بہتر ہے''، دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اس دن طہارت حاصل کرو تو کیا ہی بہتر ہے''۔

۳۔بدن میں چستی آتی ہے:

غسل سے جسم میں چستی پیدا ہوتی ہے، سستی اور کاہلی ختم ہو جاتی ہے، خصوصاً جب غسلِ جنابت کیا جائے مثلاً جماع وغیرہ کے بعد۔

غسل کی قسمیں:

غسل کی دو قسمیں ہیں: فرض غسل اور مستحب غسل

۱۔فرض غسل: غسل کے اسباب پائے جانے کی صورت میں غسل کرنا: جس کے بغیر وہ عبادتیں صحیح نہیں ہوتیں جن کے لیے طہارت ضروری ہے، مثلاً نماز اور طواف وغیرہ۔

غسل کب فرض ہوتا ہے؟

۱۔جنابت: جنابت کے معنی: جنابت کے اصل معنی بعد اور دوری کے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ '' چناں چہ اس نے اس کو دور سے دیکھا (سورہ قصص ۱۱) جنابت کا اطلاق منی پر ہوتا ہے، اسی طرح جماع پر بھی ہوتا ہے، اس اعتبار سے جنبی وہ شخص ہے جو انزال یا جماع کی وجہ سے ناپاک ہوگیا ہو، اس کو جنبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جنابت کی وجہ سے جب تک اس حالت میں رہتا ہے، نماز سے دور رہتا ہے، جنبی کا لفظ عورت، مرد اور واحد جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، چناں چہ مرد کو بھی جنبی کہا جائے گا اور عورت کو بھی، اسی طرح ایک کو بھی اور بہت سوں کو بھی۔

انسان کب جنبی ہوتا ہے :

انسان مندرجہ ذیل دو صورتوں میں جنبی ہوتا ہے:

۱۔مرد یا عورت کو کسی بھی سبب سے انزال ہو جائے، چاہے انزال احتلام کی وجہ سے ہو یا ملاعبت کی وجہ سے یا دیکھنے یا سوچنے کی وجہ سے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! اللہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر اس وقت غسل واجب ہے جب اس کو احتلام ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، جب وہ پانی دیکھے''۔ (بخاری ۲۷۸، مسلم ۳۱۳)

امام ابو داؤد (۲۳۶) وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو خواب میں جماع کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور (کپڑے یا بستر پر) گیلا پن نہیں پاتا؟ آپ نے فرمایا: ''اس پر غسل نہیں ہے''، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: عورت اس کو دیکھے تو کیا اس پر غسل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں، عورتیں مردوں کی طرح ہیں''، یعنی تخلیق اور طبیعت میں ان

کی طرح ہیں۔

۲۔جماع، چاہے منی نہ نکلے:

امام بخاری (۲۸۷) اور امام مسلم (۳۴۸) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی عورت پر سوار ہو جائے پھر کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے''، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''چاہے منی نہ نکلے''۔

امام مسلم (۳۴۹) کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے: ''جب مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے'' یعنی جب جماع کرے تو مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے، کیوں کہ دونوں غسل واجب ہونے کے سبب میں شریک ہیں۔

جنابت کی وجہ سے مندرجہ ذیل چیزیں حرام ہو جاتی ہیں:

۱۔نماز: فرض ہو یا نفل، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا '' تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ میں رہو، یہاں تک کہ تم جو کہتے ہو جان لو، اور حالت جنابت میں (نماز کے قریب مت جاؤ) صرف راستہ پار کرنے والے (جا سکتے ہیں) یہاں تک کہ تم غسل کر لو (نساء ۴۳) یہاں نماز سے مراد نماز کی جگہیں ہیں، کیوں کہ نماز میں عبور یعنی پار کرنا نہیں ہوتا، اس سے بدرجہ اولی جنبی کے لیے نماز سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

امام مسلم (۲۲۴) وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: ''طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں''، اس میں حدث اور جنابت دونوں کی طہارت شامل ہے اور یہ حالتِ جنابت میں نماز کی حرمت کی دلیل ہے۔

۲۔مسجد میں ٹھہرنا اور بیٹھنا، البتہ رکے بغیر گزرنا حرام نہیں ہے، جب کہ بار بار گزرنا نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ '' یعنی جب تم حالتِ جنابت میں

رہوتو نماز کے قریب مت جاؤ اور نہ نماز کی جگہ کے یعنی مسجد کے۔البتہ قریب سے گزرنا اور راستہ پار کرنے کے لیے گزرنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد حلال نہیں کی گئی ہے“ (ابوداؤد۲۳۲) یہ ٹھہرنے پر محمول ہے، کیوں کہ آیت سے یہی بات معلوم ہوتی ہے، حیض کے مسائل آگے آرہے ہیں۔

۳۔کعبہ کا طواف کرنا، چاہے فرض طواف ہو یا نفل، کیوں کہ طواف نماز کی طرح ہے، نماز کی طرح اس کے لیے بھی طہارت شرط ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کعبۃ اللہ کا طواف نماز ہے، البتہ اللہ نے طواف میں بات کرنے کی اجازت دی ہے، جو کوئی بات کرے تو بھلی بات کرے“ (حاکم ۱/۴۵۹، انھوں نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

۴۔قرآن کی تلاوت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حائضہ عورت اور جنبی قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے“ (ترمذی۱۳۱)

نوٹ: جنبی کے لیے دل میں زبان کو حرکت دیے بغیر قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے، اسی طرح مصحف میں دیکھنا بھی جائز ہے، ذکر کے ارادے سے قرآن کے اذکار پڑھنا جائز ہے، البتہ تلاوت کے ارادے سے قرآن کے اذکار پڑھنا جائز نہیں ہے، مثلاً دعا کے ارادہ سے کہے: ”رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (بقرہ۲۰۱)، اسی طرح سواری پر سوار ہونے کے بعد ذکر کے ارادے سے یہ آیت پڑھے: ”سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ“ (زخرف۱۳)

۵۔مصحف کو چھونا، اٹھانا یا اس کے ورق یا اس کی جلد کو چھونا یا صندوق یا تھیلی میں رکھ کر اٹھانا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ“ صرف پاک لوگ ہی اس کو چھوتے ہیں (واقعہ۷۹) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قرآن کو وہی شخص چھوئے جو پاک ہو“
(دار قطنی ۱/۱۲۱، موطا ۱/۱۹۹)

نوٹ: جنبی کے لیے مصحف کو اٹھانا اس وقت جائز ہے جب وہ سامان یا کپڑوں میں ہو اور بذات خود قرآن اٹھانا مقصود نہ ہو، بلکہ سامان اور کپڑوں کو اٹھانے کے ساتھ اس

کو اٹھائے، اسی طرح تفسیر کی کتابوں کو اٹھانا بھی جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ قرآن سے تفسیر کے الفاظ زیادہ ہوں، کیوں کہ اس صورت میں اس کو عرف میں قرآن اٹھانے والا نہیں کہا جاتا۔

۲۔حیض

حیض لغت میں سیلان اور بہنے کو کہا جاتا ہے: ”حاض الوادی“ وادی میں سیلاب آگیا، شریعت میں اس فطری خون کو کہتے ہیں جو صحیح سالم طبیعت کا تقاضا ہے اور جو عورت کی بلوغت کے بعد صحت کی علامت کے طور پر رحم سے متعین دنوں میں نکلتا ہے۔

حیض کی وجہ سے غسل واجب ہونے کی دلیل قرآن وحدیث ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ”وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ“ اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے: وہ تکلیف دہ چیز ہے، چناں چہ تم حیض میں عورتوں سے دور رہو اور ان کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں، جب وہ پاک ہوجائیں تو تم ان کے پاس آؤ جس طرح اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ (بقرہ ۲۲۲)

نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جیش سے فرمایا: ”جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہوجائے تو خون دھوؤ اور نماز پڑھو“ (بخاری ۲۲۶، مسلم ۳۳۳)

بلوغت کی عمر

بلوغت سے مراد ایک مقررہ عمر ہے، جب انسان اس عمر کو پہنچتا ہے تو شرعی امور: نماز، روزہ، حج وغیرہ اس پر فرض ہوجاتے ہیں۔

بلوغت مندرجہ ذیل چیزوں سے معلوم ہوجاتی ہے:

۱۔مرد اور عورت کو احتلام ہوجائے۔

۲۔عورت کو حیض کا خون نظر آئے،جس عمر میں احتلام یا حیض آتا ہے اس عمر کو پہنچ جائے تو وہ بالغ سمجھی جائے گی اور وہ عمر قمری یعنی اسلامی نو سال کا مکمل ہونا ہے،اس کے بعد یا اس سے پہلے بلوغت کا اعتبار علاقے کی طبیعت اور معاشرتی حالات پر موقوف ہے۔

۳۔اگر احتلام نہ ہو یا حیض نہ آئے تو پندرہ قمری سال مکمل ہونا۔

حیض کی مدت

حیض کی کم سے کم مدت (اقلِ مدت) ایک دن ایک رات ہے۔

زیادہ سے زیادہ مدت (اکثرِ مدت) پندرہ دن پندرہ راتیں ہیں۔

اکثر عورتوں کو حیض چھ یا سات دن آتا ہے۔

دو حیض کے درمیان طہر کی اقلِ مدت پندرہ دن ہیں اور طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد نہیں،کبھی عورت کو ایک سال دو سال بلکہ کئی سالوں تک حیض نہیں آتا،ان اندازوں کی بنیاد تجربات پر ہے،ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے یہ اندازے صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔

اگر عورت کو ایک دن اور ایک رات سے کم مدت خون آئے یا پندرہ دن سے زیادہ خون آئے تو یہ خون استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا،حیض کا خون نہیں،حیض کا خون،خون کے رنگ اور اس کے گاڑھے پن کی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے،اور یہ خون استحاضہ کے خون سے بالکل الگ رہتا ہے۔

استحاضہ

یہ بیماری اور مرض کا خون ہے،جو مادر رحم کی نچلی رگ سے نکلتا ہے،جس کو استحاضہ کہا جاتا ہے،اس خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،البتہ غسل واجب نہیں ہوتا،استحاضہ والی عورت خون دھو کر خون کی جگہ کپڑا باندھے گی اور ہر فرض نماز کے لیے وضو کر کے نماز پڑھے گی۔

امام ابوداؤد (۲۸۶) وغیرہ نے حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ استحاضہ کی مریض تھی،چناں چہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:"اگر

حیض کا خون ہے تو وہ خون کالا ہوتا ہے جو عورتوں کو معلوم ہے،جب ایسا ہو تو نماز نہ پڑھو،اگر دوسرے قسم کا خون ہو تو وضو کر کے نماز پڑھو،کیوں کہ یہ بیماری ہے"۔

امام بخاری (۲۳۶) اور امام مسلم (۳۳۳) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت ابو حبیش نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور انھوں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میں استحاضہ کی مریض ہوں،جس کی وجہ سے میں ناپاک رہتی ہوں،کیا میں اس صورت میں نماز چھوڑ دوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"نہیں،یہ بیماری ہے حیض نہیں،جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو،جب حیض کی مدت ختم ہو جائے تو اپنے خون کو دھو کر نماز پڑھو"۔

حیض کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں:

۱۔نماز: اس کی دلیل حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش کی سابقہ روایتیں ہیں۔

۲۔قرآن کی تلاوت،قرآن کو چھونا یا اٹھانا،اس کی دلیلیں بھی جنابت کے تذکرہ میں گزر چکی ہیں۔

۳۔مسجد میں رکنا،نہ کہ گزرنا،جنابت کے تذکرے میں اس کی دلیل گزر چکی ہے،صرف گزرنا حرام نہ ہونے کی دلیل امام مسلم (۲۹۸) وغیرہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:"مسجد سے مجھے سجادہ دو" میں نے کہا: میں حیض سے ہوں،آپ نے فرمایا:"تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے"۔

نسائی میں (۱/۱۴۷) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی مسجد جاتی اور جا نماز بچھاتی،حالانکہ وہ حالت حیض میں ہوتی۔

۴۔طواف کرنا: اس کی دلیل جنابت کے تذکرے میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری (۱۹۰) اور امام مسلم (۱۲۱۱) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم صرف حج کے ارادہ سے نکلے،جب ہم مقامِ سرف پہنچے تو میں حائضہ ہو گئی،میرے پاس نبی کریم ﷺ آئے تو میں رو رہی تھی،آپ نے فرمایا:"تمہیں کیا ہو گیا،کیا تم کو حیض آ گیا ہے"؟ میں نے کہا: جی ہاں،آپ نے فرمایا:"یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے آدم

کی دختروں پر لکھ دیا ہے، چناں چہ حاجی جو کرتا ہے، وہ تم بھی کرو، البتہ تم کعبۃ اللہ کا طواف نہ کرو' دوسری روایت میں ہے: ''یہاں تک کہ تم پاک ہو جاؤ''۔

ان کے علاوہ بھی دوسری چیزیں حائضہ کے لیے حرام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مسجد کے خون سے ملوث ہونے کا خطرہ ہو تو مسجد سے گزرنا، کیوں کہ خون نجس ہے اور نجس چیز سے مسجد کو ملوث کرنا حرام ہے، اگر تلویث کا خطرہ نہ ہو تو گزرنا جائز ہے۔

۲۔ روزہ: حائضہ کے لیے روزہ رکھنا حرام ہے، چاہے روزہ فرض ہو یا نفل، اس کی دلیل امام بخاری (۲۹۸) اور امام مسلم (۸۰) کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عورتوں کے دین میں کمی کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا اس کو حیض نہیں آتا، جس کی وجہ سے وہ نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی؟''، اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔

حائضہ عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرے گی، نمازوں کی قضا نہیں کرے گی، جب عورت کو حیض آنا بند ہو جائے تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا ہے، چاہے وہ غسل نہ کرے۔

امام بخاری (۳۱۵) اور امام مسلم (۳۳۵، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت معاذہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا: حائضہ کا کیا مسئلہ ہے کہ روزوں کی قضا کرتی ہے اور نمازوں کی قضا نہیں کرتی؟ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ کے زمانے میں ہمیں حیض آتا تھا تو ہم کو روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا'' شاید اس کی حکمت یہ ہے کہ نمازیں زیادہ رہتی ہیں، جن کی قضا دشوار ہے، البتہ روزوں میں ایسا نہیں ہے۔

۳۔ جماع کرنا اور ناف اور گھٹنوں کے درمیان کے حصہ سے لطف اندوز ہونا، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ

يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ'' اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے: وہ تکلیف دہ چیز ہے، چناں چہ تم حیض میں عورتوں سے دور رہو اور ان کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، جب وہ پاک ہو جائیں تو تم ان کے پاس آؤ، جس طرح اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (بقرہ ۲۲۲) دور رہنے سے مراد جماع نہ کرنا ہے۔

امام ابو داؤد (۲۱۲) نے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: میری بیوی حائضہ ہو تو میرے لیے کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ازار سے اوپر کا حصہ''، ازار وہ کپڑا ہے جو جسم کے درمیانی حصے اور اس کے نچلے حصے کو ڈھانکتا ہے، وہ عام طور پر ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ہے۔

۳۔ ولادت

ولادت یعنی وضعِ حمل:

کبھی ولادت ہوتی ہے اور اس کے بعد خون نہیں نکلتا، اس کا حکم جنابت کے حکم کی طرح ہی ہے، کیوں کہ بچہ عورت کی منی اور مرد کی منی سے تیار ہوتا ہے، وضعِ حمل جیسا بھی ہو یا وضعِ حمل کا طریقہ جو بھی ہو حکم ایک ہی ہے، اگر ولادت کے بعد خون نکلے (اکثر خون نکلتا ہے) تو اس کو نفاس کہتے ہیں، اس کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

نفاس

نفاس کے معنی ولادت کے ہیں، اور شریعت میں نفاس کہتے ہیں اس خون کو جو ولادت کے بعد نکلتا ہے، اس کو نفاس اس لیے کہتے ہیں کہ نفس یعنی انسان کے نکلنے کے بعد یہ خون نکلتا ہے اور نفاس والی عورت کو نفساء کہا جاتا ہے۔

جو خون دردِ زہ کے دوران یا بچہ ہوتے وقت نکلتا ہے وہ نفاس کا خون نہیں ہے، کیوں کہ یہ خون بچہ نکلنے سے پہلے کا ہے، بلکہ یہ فاسد خون ہے، اسی وجہ سے دردِ زہ کے دوران اگر

خون آئے تو نماز واجب ہوگی، اگر نماز پڑھ نہ سکتی ہو تو اس نماز کی قضا کرنا ضروری ہے۔

نفاس کی مدت :

نفاس کی کم سے کم مدت ایک لحظہ ہے، عام طور پر نفاس کا خون چالیس دن نکلتا ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہیں، اس سے زیادہ دن خون نکلے تو وہ استحاضہ کا خون ہے، مدت کی تعیین تجربات کی بنیاد پر ہے۔

نفاس کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں:

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حیض کی صورت میں جو چیزیں حرام ہیں وہی چیزیں نفاس کی صورت میں بھی حرام ہیں۔

حمل کے دوران خون نظر آنے کا حکم:

اگر حاملہ کو خون آئے اور اس کی مدت اقلِ حیض یعنی ایک دن ایک رات ہو اور پندرہ دن یعنی اکثر مدت سے زیادہ نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق یہ خون حیض کا ہوگا اور حاملہ عورت نماز، روزہ، اور حائضہ کے لیے حرام تمام چیزیں چھوڑے گی، اگر خون حیض کی کم سے کم مدت سے کم یعنی ایک دن ایک رات نہ آئے، یا اکثر مدت سے زیادہ آئے تو یہ استحاضہ کا خون ہوگا، اس صورت میں وہ نماز پڑھے گی اور روزے رکھے گی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حاملہ عورت کو آنے والا خون مطلقاً استحاضہ کا خون ہے، یہ حیض کا خون نہیں ہے، کیوں کہ حمل ٹھہرنے کے بعد حیض آنا بند ہوتا ہے، اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن حمل کے دوران حیض کا آنا ناممکن نہیں ہے، البتہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے۔

حمل کی مدت:

اقل مدت : حمل کی اقلِ مدت چھ ماہ ہے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ آیتیں ہیں: ''وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا '' اور حمل اور دودھ چھوڑنے کی مدت تیس مہینے ہیں'' (الاحقاف ۱۵) ''وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ '' اور اس کا دودھ چھوڑنا دو سال میں ہے (لقمان ۱۴)

حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت تیس مہینے ہیں اور صرف دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے تو حمل کی مدت چھ ماہ ہوگئی، یہ حمل کی کم سے کم مدت ہے، اگر شادی کے بعد عورت کو چھ ماہ سے کم مدت میں زندہ بچہ ہو جائے تو اس کا نسب اس کے شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔

حمل کی عام مدت : حمل کی عام مدت ۹ ماہ ہے، کیوں کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، بچہ عورت کے حاملہ ہونے کے نو ماہ بعد ہی ہوتا ہے یا اس مدت میں تھوڑے سے دن کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت : امام شافعی کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، یہ مدت ناممکن نہیں ہے، البتہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے، لیکن ہوتا ہے اور ایسا ہوا ہے، اسی لیے امام شافعی نے یہ بات کہی ہے۔

۴۔ موت

کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر اس کو غسل دینا فرض ہے، یہ فرض کفایہ ہے، اگر میت کے رشتہ داروں یا دوسرے لوگوں میں سے چند لوگ یہ کام انجام دیں تو دوسرے تمام لوگوں کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جائے گا، اگر کوئی بھی یہ کام نہ کرے تو سب گنہ گار ہو جائیں گے، غسل کرنے والوں کو غسل دیتے وقت نیت کرنا فرض ہے، اس حکم سے شہید مستثنیٰ ہے، کیوں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

میت کو غسل دینا واجب ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس احرام باندھے ہوئے شخص کے بارے میں فرمایا جس کو اس کی اونٹنی نے روند کر مار ڈالا تھا: ''پانی اور بیری کے پتوں سے اس کو غسل دو'' (بخاری ۱۲۰۸، مسلم ۱۲۰۶)

۲۔ مسنون غسل:

مسنون غسل وہ ہے جس کے بغیر نماز صحیح ہوتی ہے، لیکن شریعت نے بہت سے موقعوں پر غسل کرنے کو مسنون قرار دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جمعہ کا غسل

جمعہ کے دن اس شخص کے لیے غسل کرنا مسنون ہے جو نماز میں شامل ہونا چاہیے چاہے اس پر نمازِ جمعہ فرض ہو یا نہ ہو،مثلاً مسافر،عورت اور بچہ وغیرہ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمعہ کے دن ہر ایک کے لیے غسل کرنا مستحب ہے، چاہے جمعہ کی نماز میں شریک ہو یا نہ ہو، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جو جمعہ کے دن وضو کرے تو ٹھیک ہے اور بہتر ہے اور جو کوئی غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے'' (ترمذی ۴۹۷)

جمعہ کے دن غسل کا وقت:

جمعہ کے دن غسل کا وقت فجر کی اذان سے شروع ہوتا ہے، جمعہ کی نماز کو جانے سے تھوڑی دیر پہلے غسل کرنا افضل ہے، کیوں کہ غسل کا مقصد جسم کے پسینے اور بدبو کو دور کرنا ہے، اسلام نے جمعہ کے دن کا غسل اس لیے مسنون کیا ہے کہ لوگ ایک ہی جگہ اکٹھے ہوتے ہیں، تا کہ لوگوں کو بدبو سے تکلیف نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں نماز کے لیے آنے والوں کو پیاز اور لہسن کھانے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ عیدین کا غسل:

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل کرنا نماز میں آنے اور نہ آنے والے تمام لوگوں کے لیے مسنون ہے، کیوں کہ عید کا دن زینت اختیار کرنے کا دن ہے، اسی لیے اس دن غسل کرنا مسنون ہے۔

امام مالک نے اپنی کتاب موطا (۱/۱۷۷) میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیدالفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے، عیدالفطر پر عیدالاضحیٰ کو قیاس کیا گیا ہے۔

صحابی کے اس عمل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عیدین کے غسل کو جمعہ کے غسل پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ ان موقعوں پر لوگ ایک ہی جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔

امام ابن ماجہ (۱۳۱۵) نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے، اس حدیث کو صحابی کے عمل اور قیاس سے تقویت ملتی ہے۔

عیدین کے غسل کا وقت عید کی آدھی رات سے شروع ہوتا ہے۔

۳۔ سورج گھن اور چاند گھن کے موقعوں پر غسل:

سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

اس کو جمعہ پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ جماعت کے مشروع ہونے اور لوگوں کے ایک ہی جگہ اکھٹے ہونے میں جمعہ کی طرح ہے۔

اس کا وقت:

گہن شروع ہونے سے غسل کا وقت شروع ہوتا ہے اور گہن ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔

٤۔ استسقا (پانی مانگنے) کی نماز کے لیے غسل:

استسقا کی نماز کے لیے غسل کرنا بھی مسنون ہے، نماز کے لیے نکلنے سے پہلے غسل کیا جائے، اس کو چاند گہن اور سورج گہن پر قیاس کیا گیا ہے۔

۵۔ میت کو غسل دینے والے کے لیے:

میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا مسنون ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جو کوئی میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے'' (امام احمد وغیرہ نے یہ روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے) اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''میت کو غسل دینے کی صورت میں تم پر غسل نہیں ہے'' ۔(حاکم ۱/۳۸۶)

٦۔ حج سے متعلق غسل:

(الف) حج یا عمرہ کا احرام باندھتے وقت غسل کرنا:

اس کی دلیل امام ترمذی (۸۳۰) کی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احرام باندھنے کے لیے اپنے کپڑوں کو اتارا اور غسل فرمایا۔

(ب) مکہ میں داخل ہوتے وقت:

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی مکہ تشریف لاتے تو ذی طوی میں رات گزارتے اور صبح کو غسل کر کے مکہ میں داخل ہوتے، اور یہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (بخاری ۱۴۷۸، مسلم ۱۲۵۹)

(ج) زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لیے غسل:

افضل یہ ہے کہ عرفات کے میدان کے قریب مقامِ نمرہ میں غسل کیا جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عیدین، جمعہ، عرفہ کے دن اور جب احرام باندھنا چاہتے تو غسل کیا کرتے تھے۔ (الام ۱۰۷/۶)

امام مالک نے مؤطا (۳۲۲/۱) میں حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام باندھنے سے پہلے، مکہ میں داخل ہوتے وقت اور وقوف عرفہ کے لیے عرفہ کے دن شام کے وقت غسل کیا کرتے تھے۔

(د) زوال کے بعد ایام تشریق کے تینوں دن رمی جمار کے لیے غسل کرنا مسنون ہے، اس سلسلے میں صحابہ کے آثار منقول ہیں، یہ غسل اس لیے بھی مسنون ہے کہ ان جگہوں پر لوگ جمع ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ غسل جمعہ کے غسل کی طرح ہے۔

جمار: وہ جگہیں ہیں جہاں منی کے مقام پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، ماری جانے والی کنکریوں کو بھی جمار کہتے ہیں۔

(ھ) مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا:

اگر آسانی ہو تو غسل کرنا مستحب ہے، اس کو مکہ پر قیاس کیا گیا ہے، اس لیے بھی مسنون ہے کہ یہ دونوں محترم شہر ہیں، اگر مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل نہ کر سکے تو مسجد نبوی ﷺ جانے سے پہلے غسل کرے۔

غسل کا طریقہ:

غسل کا ایک واجب طریقہ ہے، اور ایک سنت:

غسل کا واجب طریقہ:

غسل کے فرائض دو ہیں:

(۱) غسل کے شروع میں نیت کرنا، اس کی دلیل یہ روایت ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں یہ کہے (زبان سے الفاظ کا ادا کرنا افضل ہے): میں نے فرض غسل کی نیت کی/ میں نے جنابت کو دور کرنے کی نیت کی/ میں نے نماز کو جائز کرنے کی نیت کی/یا اس کے علاوہ کسی ایسی چیز کی نیت کرے جس کو انجام دینے کے لیے غسل کرنا ضروری ہے۔

(۲) پورے بدن کے بال اور چمڑے کو پانی سے دھونا، اسی طرح بالوں کے ظاہری اور اندرونی حصوں تک پانی پہنچانا۔

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے غسل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ تین چلو پانی لیتے اور اپنے سر پر بہاتے پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہاتے''۔

امام مسلم (۳۳۰) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو پانی بہاؤ، پھر اپنے بدن پر پانی بہاؤ تو تم پاک ہو جاؤ گی''۔

ابو داؤد (۲۴۹) وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جنابت کے غسل میں جو کوئی ایک بال کے برابر جگہ چھوڑ دے یعنی پانی نہ لگے تو اللہ تعالیٰ آگ سے اس کو ایسا ایسا کرے گا''، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت سے میں نے اپنے سر (بالوں) سے دشمنی کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سر کے بال مونڈھتے تھے۔

سنت طریقہ :

اس کو فقہ کی اصطلاح میں غسل کی سنتیں کہا جاتا ہے، غسل کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ پانی کے برتن کے باہر اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے پھر اپنے بائیں ہاتھ سے اگلی شرمگاہ اور جسم پر موجود گندگیوں کو دھوئے پھر کسی صاف کرنے والی چیز سے رگڑے۔

امام بخاری (۲۵۴) اور امام مسلم (۳۱۷) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا تو آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا اور اپنی شرمگاہوں کو دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو مٹی سے صاف کیا''۔

۲۔ مکمل وضو کرے، اگر پیروں کو غسل کے آخر میں دھوئے تو حرج نہیں ہے۔

۳۔ پانی سے اپنے سر کے بالوں کا خلال کرے، پھر اپنا سر تین مرتبہ دھوئے۔

۴۔ پہلے بدن کا دایاں حصہ دھوئے پھر بایاں۔

ان سنتوں کی دلیل امام بخاری (۲۴۵) اور امام مسلم (۳۱۶) کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب جنابت کا غسل فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے، مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے: پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اپنی شرمگاہ دھوتے، امام بخاری (۲۴۶) نے حضرت میمونہ سے روایت کیا ہے: پھر آپ نے اپنی شرمگاہ اور گندگی لگی ہوئی جگہ کو دھویا، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کیا، پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالیں اور انگلیوں سے اپنے بالوں کے جڑوں کا خلال کیا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر تین چلو پانی بہایا، پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہایا''۔

داہنے طرف سے شروع کرنا مستحب ہونے کی دلیل امام بخاری (۱۶۶) اور امام مسلم (۲۶۸) کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو چپل پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے، طہارت یعنی وضو وغسل اور اپنی تمام چیزوں میں داہنے جانب سے شروع کرنا پسند تھا۔

۵۔ اپنے بدن کو رگڑ رگڑ کر دھوئے اور اعضائے غسل کو پے در پے دھوئے، یہ سنت ہے، مالکیہ نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔

۶۔ جسم کی پوشیدہ جگہوں کو اہتمام کے ساتھ دھوئے، پانی لے کر جسم کے ہر اس حصے کو دھوئے، جو مڑے ہوئے رہتے ہیں، مثلاً دونوں کان، پیٹ کے اطراف، ناف اور بغل کے اندرونی حصے وغیرہ، اگر اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ اس اہتمام کے بغیر پانی نہیں پہنچے گا تو اہتمام کے ساتھ دھونا واجب ہے۔

۷۔ غسل میں تمام اعضا کو تین مرتبہ دھونا، اس کو وضو پر قیاس کیا گیا ہے۔

غسل کے مکروہات:

۱۔ پانی کے استعمال میں اسراف کرنا، اس کی دلیلیں وضو کے مکروہات میں گزر چکی ہیں، یہ نبی کریم ﷺ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔

امام بخاری (۱۹۸) اور امام مسلم (۳۲۵) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ ایک صاع یعنی چار مد سے پانچ مد کے درمیان پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو کیا کرتے تھے''۔

امام بخاری (۲۴۹) اور امام مسلم (۳۲۷) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے غسل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: تمہارے لیے ایک صاع پانی کافی ہے، ایک آدمی نے کہا: میرے لیے کتنا پانی چاہیے؟ جابر نے کہا: یہ اس شخص کے لیے کافی تھا جس کے بدن پر تم سے زیادہ بال تھے اور وہ تم سے بہتر ہے''۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے لیے۔

۲۔ رُکے ہوئے پانی میں غسل کرنا: امام مسلم (۲۸۳) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جنبی ہو تو رُکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے''، لوگوں نے دریافت کیا: ابو ہریرہ! پھر وہ کیا کرے؟ انھوں نے فرمایا: وہ اس میں سے پانی لے یعنی اپنے ہاتھ سے لے یا چھوٹے برتن سے، اگر پانی کم

ہوتو چلو لینے کی نیت کرے، تاکہ جنبی کے بدن کا کوئی حصہ پانی کے لگنے کی وجہ سے وہ مستعمل نہ ہوجائے، یاجنابت سے پاک ہونے کی نیت کرنے سے پہلے برتن سے تھوڑا ساپانی لے، پھر نیت کرکے اس پانی سے اپناہاتھ دھوئے، پھر ہاتھ سے پانی لے۔

اس نہی اور ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ لوگ مستعمل پانی کے استعمال سے گھن کرتے ہیں اوراس سے پانی ضائع ہوتا ہے، کیوں کہ اس کے مطہر ہونے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، اگر وہ دو قلے سے کم ہو، اس صورت میں صرف غسل کرنے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے اور عام طور پر لوگوں کو رُکے ہوئے پانی کی ضرورت رہتی ہے، اسی وجہ سے اس میں غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تیمّم

اسلام آسان دین ہے:

نماز اور طواف کے صحیح ہونے اور مصحف کو چھونے یا اٹھانے کے لیے وضو شرط ہے، اور وضو پانی سے کیا جاتا ہے، لیکن انسان کے لیے کبھی پانی کا استعمال ناممکن یا دشوار ہوجاتا ہے، مثلاً پانی نہ ملے یا پانی دور ہو یا کوئی ایسی بیماری ہو، جس میں پانی کا استعمال کرنا نقصان دہ ہو، اسی لیے اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ وضو یا غسل کے بدلے پاک مٹی سے تیمم کرے، تاکہ کوئی مسلمان عبادت کی برکت سے محروم نہ رہے۔

تیمم کے معنی:

تیمم کے لغوی معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہے، کہاجاتا ہے: **تیممت فلانا**: میں نے فلاں کا قصد کیا۔

شریعت میں تیمم نیت کے ساتھ مخصوص طریقے پر چہرے اور دونوں ہاتھوں تک پاک مٹی پہنچانے کو کہتے ہیں۔

دلائل: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ”اِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰی اَوْعَلٰی سَفَرٍ اَوْجَاءَ اَحَدٌمِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْلَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا، فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِنْهُ“ اگر تم بیمار ہوجاؤ یا سفر میں رہو یا تم میں کوئی استنجا سے واپس آئے یا عورتوں کو چھوئے اور پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ (مائدہ ۶)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہمارے لیے پوری زمین سجدہ گاہ بنائی گئی ہے اور ہمارے

لیے اس کی مٹی طہور (پاک کرنے والی) بنائی گئی ہے، اگر ہم کو پانی نہ ملے" (مسلم ۵۲۲)

تیمّم کے اسباب

۱۔اصلاً پانی مفقود ہو مثلاً کوئی سفر میں ہو اور اس کو پانی نہ ملے، یا شرعاً مفقود ہو مثلاً اس کے پاس پانی ہو، لیکن وہ صرف پینے کے لیے کافی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا" (اور تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کرو) کسی کے پاس صرف پینے کے لیے پانی ہو تو یہ شرعی طور پر پانی کے نہ پائے جانے کے حکم میں ہے۔

۲۔پانی دور ہو: اگر کوئی ایسی جگہ پر ہو جہاں پانی نہ ہو اور پانی تک پہنچنے کی مسافت آدھا فرسخ یعنی ڈھائی کلومیٹر ہو تو وہ تیمم کرے، اس کے لیے پانی تک پہنچنے کی کوشش کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مشقت ہے۔

۳۔پانی کا استعمال دشوار ہو: اصلاً دشوار ہو مثلاً پانی قریب ہو، لیکن پانی کے قریب کوئی دشمن ہو، جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

یا شرعاً پانی کا استعمال دشوار ہو مثلاً اس کے استعمال سے بیماری لاحق ہونے یا بڑھنے یا شفا میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہو، ان تمام صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے، پانی کا استعمال واجب نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے بارے میں فرمایا جن کا سر پھٹ گیا تھا اور غسل کرنے کی وجہ سے انتقال ہو گیا تھا: "ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تیمم کرتے اور اپنے زخم پر پٹی باندھتے، پھر اس پر مسح کرتے اور پورے بدن کا غسل کرتے" (پٹی پر مسح کی مشروعیت کے دلائل بھی دیکھے جائیں)

۴۔سخت ٹھنڈی: اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے جس کو پانی استعمال کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو اور پانی گرم نہ کر سکتا ہو، کیوں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈک کی وجہ سے ہلاک ہونے کے خوف سے جنابت کے غسل کے بدلے تیمم کیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی تھی۔ (ابوداؤد، حاکم اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے) لیکن اس صورت میں پانی ملنے کے بعد نماز کی قضا کرنا ضروری ہے۔

تیمّم کے شرائط:

۱۔وقت شروع ہونے کا علم ہو۔

۲۔وقت داخل ہونے کے بعد پانی تلاش کرے۔

۳۔پاک مٹی ہو، جس میں آٹا اور چونا نہ ہو۔

۴۔پہلے نجاست کو صاف کرے۔

۵۔تیمم سے پہلے قبلہ تلاش کرے۔

تیمّم کے فرائض:

تیمم کے فرائض چار ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔نیت کرنا، نیت کی جگہ دل ہے، چناں چہ دل میں تیمم کرنے کا ارادہ کرے، البتہ زبان سے الفاظ ادا کرنا مسنون ہے، نیت میں یہ کہے: میں فرض نماز/نفل نماز جائز ہونے کی نیت کرتا ہوں، اسی طرح ان دوسری عبادتوں کے جائز ہونے کی نیت کرے جس کے لیے وضو یا غسل فرض ہو، جب کوئی فرض نماز جائز ہونے کی نیت سے تیمم کرے تو اس کے لیے فرض کے ساتھ نفل نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

۲۔دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا، پہلے غبار والی پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مارے اور ان سے پورے چہرے کا مسح کرے، پھر دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارے اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کرے، بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کا مسح کرے اور داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا۔

امام دارقطنی (۱/۲۵۶) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تیمم دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنے کا نام ہے، ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے"۔

پورے عضو کا مسح کرے، اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو تو دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارتے

وقت اس کا اتارنا واجب ہے تا کہ اس جگہ پر بھی مٹی پہنچے۔
۳۔ ترتیب کے ساتھ مسح کرنا: کیوں کہ تیمم وضو کے بدلے ہے اور وضو میں ترتیب رکن ہے، اسی وجہ سے اس کے بدل میں ترتیب بدرجہ اولیٰ فرض ہوگی۔

تیمّم کی سنتیں:

۱۔ اس میں وہ تمام چیزیں مسنون ہیں جو وضو میں مسنون ہیں: شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے، چہرہ کے اوپری حصے سے مسح شروع کرے، پہلے داہنے ہاتھ کا مسح کرے پھر بائیں ہاتھ کا، سر کے ایک حصے اور بازو کے ایک حصے کا بھی مسح کرے، چہرے اور ہاتھوں کا مسح پے درپے کرے، اس کے بعد تشہد اور وضو کے بعد کی دعا پڑھے۔
امام ابوداؤد (۳۱۸) نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مٹی سے مسح کیا تو پہلے اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مارا، پھر اپنے چہروں کا ایک مرتبہ مسح کیا، پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارا، اور اپنے ہاتھوں کا مسح مونڈھوں اور بغلوں تک کیا۔
۲۔ مٹی پر ہاتھ مارتے وقت انگلیوں کو کھلا رکھنا، تا کہ دھول اڑے، ایک مار سے پورے چہرے کا مسح کرنا، اسی طرح ایک مار سے دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔
۳۔ مٹی کم کرنا، اس کے لیے ہتھیلیوں کو جھاڑنا یا ہاتھوں میں پھونکنا، امام بخاری نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم اس طرح کرو'' پھر آپ نے زمین پر ہاتھ مارا اور جھاڑا (دوسری روایت میں یہ ہے کہ ہاتھوں میں پھونکا) پھر مسح کیا۔

وقت شروع ہونے کے بعد تیمّم کرنا:

تیمم کرنا اس وقت جائز ہے جب فرض نماز کا وقت شروع ہو چکا ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے جس شخص کو نماز ملے، وہ نماز پڑھ لے'' (بخاری ۳۲۸) امام احمد

نے روایت کیا ہے (۲۲۲/۲) ''جہاں کہیں مجھے نماز ملے میں تیمم کروں گا اور نماز پڑھوں گا''
ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہے۔

ہر فرض نماز کے لیے تیمّم:

ایک تیمم سے ایک فرض نماز ہی پڑھی جاسکتی ہے، البتہ سنتیں جتنی چاہیں پڑھی جاسکتی ہیں، یہی حکم نماز جنازہ کا بھی ہے، اگر کوئی دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو دوبارہ تیمم کرے، چاہے پہلے تیمم کے بعد حدث لاحق نہ ہوا ہو، چاہے نماز ادا پڑھ رہا ہو یا قضا۔
امام بیہقی (۲۲۱/۱) نے صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''ہر نماز کے لیے تیمم کیا جائے، چاہے حدث لاحق نہ ہو''۔

غسل کے بدلے تیمّم:

تیمم کے اسباب پائے جانے کی صورت میں ضرورت کے وقت غسل کے بدلے تیمم کرنا جائز ہے، جس طرح وضو کے بدلے تیمم کیا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' اگر تم جنبی ہو تو پاکی حاصل کرو یعنی غسل کرو۔
امام بخاری (۳۴۱) اور امام مسلم (۶۸۲) نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، ایک شخص الگ کھڑا تھا تو آپ نے دریافت کیا: ''تم نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہو؟''، انھوں نے کہا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں مل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم مٹی لو، تمہارے لیے یہی کافی ہے''۔

تیمّم باطل کرنے والی چیزیں:

مندرجہ ذیل چیزوں سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے:

۱۔جن چیزوں سے وضوٹوٹتا ہے،ان چیزوں سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔پانی مل جائے: کیوں کہ تیمم پانی کے بدلے ہے،اگر اصل مل جائے تو بدل باطل ہوجائے گا۔

امام ابوداؤد(۳۳۲)وغیرہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''پاک مٹی مسلمان کے لیے طہور(پاک کرنے والی) ہے،چاہے دسیوں سال پانی نہ ملے،اگر پانی ملے تو اس سے طہارت حاصل کرے،کیوں کہ اس میں خیر اور بھلائی ہے''۔

اگر نماز مکمل ہونے کے بعد پانی ملے تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی،پھر اس کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

کسی کو نماز شروع کرنے کے بعد پانی ملے تو وہ نماز مکمل کرے گا اور اس کی نماز صحیح ہوگی،نماز توڑ دے تو وضو کر کے نماز پڑھے گا،البتہ نماز توڑ کر وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے۔

۳۔پانی استعمال کرنا ممکن ہوجائے،مثلاً بیمار شفایاب ہوجائے۔

۴۔اسلام سے مرتد ہوجائے (اللہ اس سے محفوظ رکھے) کیوں کہ تیمم نماز وغیرہ کو جائز کرنے کے لیے ہے اور یہ ارتداد کے منافی ہے،برخلاف وضو اور غسل کے،یہ دونوں رفعِ حدث کے لیے ہیں۔

نماز

نماز

نماز کے معنی :

عربی زبان میں "صلوۃ" کا لفظ دعاے خیر کے لیے استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" آپ ان کے لیے دعاے خیر کیجیے، آپ کا دعا کرنا ان کے لیے سکون کا باعث ہے" (التوبہ ۱۰۳) یعنی ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔

فقہاء کی اصطلاح میں نماز مخصوص اقوال اور اعمال کا نام ہے، جس کی ابتدا تکبیر سے ہوتی ہے اور اختتام سلام پر ہوتا ہے، اس کو نماز اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دعاؤں پر مشتمل ہے اور اس کا اکثر حصہ دعا ہی ہے، یہاں جزء کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے۔

نماز کی حکمتیں:

نماز کی بہت سی حکمتیں ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں پیش ہے:

۱۔ انسان اپنی حقیقت کی طرف متوجہ رہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ عز وجل کا بندہ اور غلام ہے، اس کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ مستحضر رہے، جب بھی دنیا کی مشغولیتیں اور دوسروں کے ساتھ تعلقات اس حقیقت سے غافل کر دیتی ہیں تو نماز کا وقت آتا ہے اور اس کو از سر نو یہ بات یاد آتی ہے کہ وہ اللہ عز وجل کا بندہ اور غلام ہے۔

۲۔ انسان کے دل میں یہ بات گھر کر جائے کہ اللہ عز وجل کے علاوہ کوئی دوسرا حقیقی مددگار و معین اور نعمتوں سے نوازنے والا نہیں ہے، اگرچہ دنیا میں بہت سے اسباب و وسائل پائے جاتے ہیں، جن سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہی معین و مددگار اور نعمتیں

پہنچانے والے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے، جب بھی انسان غافل ہو جاتا ہے اور ظاہری دنیوی اسباب کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے تو نماز آتی ہے اور اس کو یہ بات یاد دلاتی ہے کہ مسبب حقیقی اللہ ہی ہے، صرف وہی معین و مددگار، نعمتوں سے نوازنے والا، نفع و نقصان پہنچانے والا اور زندگی اور موت دینے والا ہے۔

۳۔ نماز کی شکل میں انسان کو توبہ کے لیے ایک وقت ملتا ہے، جس میں وہ اپنے کیے ہوئے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہے، کیوں کہ انسان دن اور رات میں بہت سے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، بعض گناہ شعوری طور پر ہوتے ہیں اور بعض غیر شعوری طور پر، وقفے وقفے سے بار بار پڑھی جانے والی نمازیں ان معاصی اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ بنتی ہیں، اس بات کو نبی کریم ﷺ نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، امام مسلم (۶۶۸) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ وقت کی نمازوں کی مثال کثیر پانی والی بہتی نہر کی طرح ہے، جو تم میں سے کسی کے گھر کے سامنے ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ نہاتا ہو" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا اس سے کوئی گندگی باقی رہے گی؟ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "چناں چہ یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ ان سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے" (مسلم ۶۶۷)

۴۔ نماز اللہ پر ایمان کے عقیدے کو مستقل غذا فراہم کرتی رہتی ہے، کیوں کہ دنیا کی غافل کرنے والی چیزوں اور شیطان کے وسوسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو اس عقیدے سے غافل کر دیتے ہیں، جب خواہشات اور شہوتوں اور دوستوں کی طرف متوجہ رہنے کی وجہ سے انسان غفلت میں رہتا ہے تو یہ غفلت انکار اور جحود میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کو پانی نہ مل رہا ہو، جس کے نتیجے میں وہ درخت ایک مدت بعد مرجھا جاتا ہے، پھر یہ مرجھاہٹ موت میں تبدیل ہو جاتی ہے، اخیر میں یہ درخت سوکھی لکڑیوں میں بدل جاتا ہے، جب مسلمان نماز کی پابندی کرتا ہے تو اس کے ایمان کو غذا

ملتی رہتی ہے اور دنیا کی غافل کرنے والی چیزیں اس کے ایمان کو کمزور یا ختم نہیں کر سکتی۔

نماز کی ابتدا کب ہوئی؟

نماز بہت قدیم عبادت ہے، اللہ تعالی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے سلسلے میں فرماتا ہے: ''وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے پسندیدہ تھے۔(مریم ۵۵)

نماز ملت حنیفی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی موجود تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے لیے بھی نماز مشروع تھی، اللہ تبارک وتعالی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے: ''وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ''اور اللہ نے مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے جب تک میں زندہ رہوں'' (مریم ۳۱)

جب نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو آپ ہر دن صبح کے وقت دو رکعت اور شام کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا مقصود یہ نمازیں ہیں: ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ''اور عشاء کے وقت اور صبح کے وقت اپنے رب کی حمد بیان کر۔(مومن ۵۵)

فرض نمازیں:

ہر مسلمان مکلّف پر پانچ نمازیں فرض ہیں: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، یہ نمازیں اس رات فرض کی گئیں جب نبی کریم ﷺ کو بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرائی گئی (جس کو معراج اور اسراء کہا جاتا ہے) اللہ تعالی نے اپنے نبی اور تمام مسلمانوں پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کی تھی، پھر اللہ نے تخفیف کر کے پانچ نمازیں مقرر کی، یہ ادائیگی میں پانچ ہیں، لیکن ثواب پچاس نمازوں کا ملتا ہے۔

امام بخاری (۳۴۲) اور امام مسلم (۱۶۳) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر کی چھت کھل گئی، اس وقت میں مکہ میں تھا، حضرت جبرئیل اترے......

پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان پر لے گئے...... چناں چہ اللہ تعالی نے میری امت پر پانچ نمازیں فرض کی جو پچاس نمازیں ہی ہیں (ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا) بات میرے پاس تبدیل نہیں کی جاتی''۔

صحیح قول یہ ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے آٹھ ماہ پہلے پیش آیا۔

ان پانچ نمازوں سے صبح اور شام پڑھی جانے والی نمازیں منسوخ ہوگئیں۔

نماز کی مشروعیت کی دلیل:

قرآن میں بہت سی آیتیں اور حدیث میں بہت سی روایتیں نماز کے مشروع ہونے کی دلیل ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: ''فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ''چناں چہ اللہ ہی پاک ہے جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو، اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین میں تعریف ہے اور جب تم ظہر کرو۔(روم ۱۷-۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اللہ نے اپنے اس قول ''وحین تمسون'' سے مغرب اور عشاء کی نماز کی طرف اشارہ کیا ہے اور ''حین تصبحون'' سے صبح کی نماز، ''عشیا'' سے عصر کی نماز اور ''حین تظهرون'' سے ظہر کی نماز کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اللہ تعالی کا یہ بھی فرمان ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ''بلاشبہ مومنین پر نماز متعین اوقات میں فرض ہے۔(نساء ۱۰۳)

امام بخاری (۱۳۳۱) اور امام مسلم (۱۹) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ''ان کو اس بات کی گواہی دینے کی طرف بلاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمد اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ

اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں''۔

نبی کریم ﷺ نے فرض نمازوں کے سلسلے میں سوال کرنے والے بدّو سے فرمایا: ''دن اور رات میں پانچ نمازیں'' اس بدو نے دریافت کیا: کیا اس کے علاوہ نمازیں بھی مجھ پر فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں البتہ تم نفل پڑھو''۔ (بخاری ۴۶، مسلم ۱۱)

اسلام میں نماز کا مقام ومرتبہ:

نماز بدنی عبادتوں میں مطلقاً سب سے افضل عبادت ہے، ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے سب سے افضل عمل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''نماز''، اس شخص نے پوچھا: پھر کیا؟ آپ نے فرمایا: ''نماز''، اس نے دریافت کیا: پھر کیا؟ آپ نے فرمایا ''نماز''، تین مرتبہ آپ نے یہ بات کہی (ابن حبان ۳۵۸)

بخاری ومسلم میں یہ روایت ہے کہ جو مسلمان دو نمازوں کو صحیح طور پر ادا کرتا ہے تو ان نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہوں کی وہ نمازیں کفارہ بن جاتی ہیں۔ امام بخاری (۵۰۵) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نمازوں کے ذریعے اللہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے''۔

امام مسلم (۲۳۱) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی مکمل وضو کرے، جس طرح اللہ تعالی نے حکم دیا ہے تو فرض نمازیں ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں''۔

اسی طرح نماز میں مسلسل کوتاہی، تاخیر سے پڑھنا یا چھوڑ دینا آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، کیوں کہ نماز ایمان کی سب سے اہم اور پہلی غذا ہے۔

امام احمد (۴۲۱/۶) نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمداً نماز نہ چھوڑو، کیوں کہ جو عمداً نماز چھوڑتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے ذمے سے بری ہو جاتا ہے'' امام احمد نے اسی معنی کی روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی کی ہے۔ (۲۳۸/۵)

نماز چھوڑنے والے کا حکم:

مسلمان یا تو سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز چھوڑتا ہے یا اس سے انکار اور استہزا کرتے ہوئے چھوڑتا ہے۔

اگر کوئی نماز کی فرضیت کا انکار کرے یا استہزا کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دے تو وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا، اس صورت میں حاکم پر ضروری ہے کہ وہ اس کو توبہ کا حکم دے، اگر توبہ کرے اور نماز پڑھنے لگے تو ٹھیک، ورنہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے، پھر اس کو غسل دینا، کفن دینا، اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر سستی کی وجہ سے چھوڑے اور وہ اس کی فرضیت کا قائل ہو تو حاکم کی طرف سے اس کو نماز کی قضا کرنے اور نماز چھوڑنے کی معصیت اور گناہ سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا، اگر قضا نہ کرے تو بطور حد اس کو قتل کر دیا جائے گا، یعنی اس کا قتل گنہ گار مسلمانوں پر نافذ کی جانے والی حد ہوگی، کیوں کہ نماز چھوڑنے پر سزا دینا فرض ہے، اگر کسی علاقے کے لوگ اجتماعی طور پر نماز کو چھوڑ دیں تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی، لیکن اس صورت میں قتل کے بعد اس کو مسلمان سمجھا جائے گا اور تجہیز وتکفین اور تدفین اور میراث کی تقسیم میں مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا، کیوں کہ وہ مسلمانوں میں سے ہی ہے۔

امام بخاری (۲۵) اور امام مسلم (۲۲) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں کے خلاف جنگ کروں، جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، جب وہ اس طرح کریں تو ان کا خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہے، البتہ اسلام کا کوئی حق ہے تو الگ بات ہے اور ان کا حساب اللہ پر ہے''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شہادتین کا اقرار کرے، اس کے

خلاف بھی اس صورت میں جنگ کی جائے گی جب وہ نماز نہ پڑھتا ہو، لیکن وہ کافر نہیں ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد (۱۴۲۰) وغیرہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''پانچ نمازوں کو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے، جو کوئی ان نمازوں کو پڑھے، ان میں سے کسی نماز کو اس کے حق کا استہزا کرتے ہوئے ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا، جو کوئی یہ نمازیں نہ پڑھے تو اللہ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے تو اس کو عذاب دے، چاہے تو اس کو جنت میں داخل کردے''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر وہ کافر ہوتا تو وہ اس بات میں داخل نہ ہوتا ''چاہے تو اس کو جنت میں داخل کردے'' کیوں کہ کافر کسی بھی صورت میں جنت میں داخل نہیں ہوگا، اسی وجہ سے تمام دلیلوں کو جمع کرتے ہوئے نماز چھوڑنے کو سستی پر محمول کیا جائے گا۔

امام مسلم (۸۲) وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: ''آدمی اور کفر وشرک کے درمیان فرق نماز چھوڑنے کا ہے''، اس کو فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑنے پر محمول کیا جائے گا۔

فرض نمازوں کے اوقات:

پانچوں نمازوں کا وقت متعین ہے، ہر نماز کے وقت کی ایک ابتدا ہے جس سے پہلے نماز صحیح نہیں ہوتی اور ہر نماز کا ایک آخری وقت ہے، جس سے نماز کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا'' نماز مومنوں کے لیے وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے (نساء ۱۰۳) صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو نماز کے اوقات سے واقف کرایا اور ہر نماز کا ابتدائی اور آخری وقت متعین کیا۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلوۃ ۳۹۳، ترمذی حدیث ۱۴۹)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے مسلمانوں کے لیے ان اوقات کی وضاحت کی ہے۔

پانچ نمازوں کے اوقات والی حدیث امام مسلم (۶۱۴) وغیرہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ''، راوی کہتے ہیں: فجر کی روشنی پھوٹتے وقت فجر کی نماز پڑھی، جب کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان نہیں پا رہے تھے، پھر آپ نے ان کو حکم دیا تو ظہر کی نماز سورج زائل ہونے کے بعد پڑھی، راوی کہتے ہیں: دن آدھا گذر چکا تھا، پھر آپ نے ان کو حکم دیا اور عصر کی نماز پڑھی، جب کہ سورج ابھی بلند تھا، پھر سورج غروب ہونے کے بعد حکم دیا تو مغرب کی نماز پڑھی، پھر آپ نے شفق غائب ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔

پھر دوسرے دن فجر کی نماز موخر کرکے پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا یا طلوع ہونے کے قریب تھا، پھر ظہر کی نماز موخر کی، یہاں تک کہ کل جس وقت عصر کی نماز پڑھی تھی اس وقت سے تھوڑی دیر پہلے نماز پڑھی، پھر عصر کی نماز موخر کرکے پڑھی، یہاں تک کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج سرخ ہو چکا تھا، پھر آپ نے شفق کے غائب ہونے کے وقت مغرب کی نماز موخر کرکے پڑھی، پھر عشاء کی نماز موخر کرکے ایک تہائی رات گزرنے کے بعد پڑھی، پھر صبح کی اور سائل کو بلا کر فرمایا: ''نمازوں کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے''۔

دوسری حدیثوں میں اس حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے، جو ہر نماز کے وقت کی تفصیلات میں معلوم ہو جائے گی۔

فجر کا وقت: اس کا وقت صبحِ صادق سے شروع ہو کر سورج طلوع ہونے تک رہتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صبح کی نماز کا وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس تک ہے'' (مسلم ۶۱۲)

ظہر کا وقت: اس کا وقت سورج نصف آسمان سے غروب کی طرف مائل

ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے (جس کو زوال کہا جاتا ہے) جب اس وقت چھوٹا سا سایہ مشرق کی طرف پھیلنے لگتا ہے، جس کو زوال کا سایہ کہتے ہیں، اور اس کا وقت زوال کا سایہ یعنی سایہ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے بقدر ہونے تک رہتا ہے۔

امام مسلم (۶۱۲) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظہر کا وقت سورج کے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہونے تک باقی رہتا ہے، جب تک عصر کا وقت نہ آئے''۔

عصر کا وقت: اس کا وقت ظہر کی نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے تک رہتا ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جس کو عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے ملے، اس کو عصر کی نماز مل گئی'' (بخاری ۵۵۴، مسلم ۶۰۸) لیکن مختار وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کو چھوڑ کر دوگنا ہو جائے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ ہو جائے'' (مسلم ۶۱۲) اس کو مختار وقت پر محمول کیا گیا ہے۔

مغرب کا وقت: مغرب کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق احمر غائب ہو کر مغرب کی سمت اس کا کوئی اثر باقی نہ رہنے تک رہتا ہے۔

شفق احمر سورج کی روشنی کے بقیہ اثرات کو کہتے ہیں، جو غروب کے وقت مشرقی افق میں نظر آتے ہیں، پھر تاریکی آہستہ آہستہ اس کو مغرب کی طرف ڈھکیل دیتی ہے۔

جب تاریکی چھا جاتی ہے اور مغربی افق تک پھیل جاتی ہے اور شفق احمر کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

اس کی دلیل نمازوں کے اوقات والی حدیث ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے'' (مسلم ۶۱۲)

عشاء کا وقت: عشاء کا وقت مغرب کا وقت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے، بہتر یہ ہے کہ رات کے ایک تہائی وقت سے مؤخر کر کے نہ پڑھی جائے۔

صبح صادق سے مراد وہ روشنی ہے جو مشرق افق کے ساتھ پھیلنے لگتی ہے اور یہ دور سے طلوع ہونے والے سورج کی روشنی کے علاوہ دوسری روشنی ہے، پھر یہ روشنی آہستہ آہستہ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور سورج طلوع ہونے سے وہ روشنی مکمل ہو جاتی ہے۔

عشاء کے ابتدائی، آخری اور اختیاری اوقات کی دلیل نمازوں کے اوقات والی حدیث ہے، اس کے علاوہ امام مسلم (۶۸۱) وغیرہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سن لو! نیند میں کوتاہی نہیں، کوتاہی اس شخص کی ہے جو دوسری نماز کا وقت آنے تک نماز نہ پڑھے''۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نماز کا وقت اس کے بعد والی نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوتا، البتہ اس عمومیت سے صبح کی نماز مستثنیٰ ہے۔

یہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں، لیکن گنجائش کا حوالہ دیتے ہوئے نمازوں کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ کبھی کبھار اس سے نماز کا وقت ہی نکل جاتا ہے، بلکہ لاپرواہی سے نماز بھی چھوٹ جاتی ہے، نماز کو پہلے وقت میں پڑھنا مسنون ہے، نبی کریم ﷺ سے افضل عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''نماز اس کے وقت میں پڑھی جائے'' یعنی اول وقت میں پڑھی جائے۔ (بخاری ۵۰۴، مسلم ۸۵)

اگر نماز کی ایک رکعت وقت میں ہو تو یہ نماز ادا ہوگی، ورنہ یہ نماز قضا ہوگی، اس کی دلیل امام بخاری (۵۵۴) اور امام مسلم (۶۰۸) کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو صبح کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے مل جائے تو اس کو صبح کی نماز مل گئی، اور عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے مل جائے تو اس کو عصر کی نماز مل گئی''، نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ''جس کو نماز کی ایک رکعت مل جائے، اس کو نماز مل گئی'' (بخاری ۵۵۵، مسلم ۶۰۷)

مکروہ اوقات:

مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

۱۔زوال کے وقت،اس سے جمعہ کا دن مستثنیٰ ہے۔
۲۔صبح کی نماز کے بعد سے سورج ایک نیزہ بلند ہونے تک۔
۳۔عصر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک۔

اس کی دلیل امام مسلم (۸۳۱) کی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ ہم کو تین اوقات میں نماز پڑھنے اور ہمارے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے: سورج طلوع ہونے کے وقت سے بلند ہونے تک، سورج سر پر آنے سے زوال ہونے تک، سورج غروب ہونے کے قریب سے غروب ہونے تک''۔

یہ کراہت اس وقت ہے جب نماز کا کوئی سبب نہ ہو یا ان اوقات میں عمداً تدفین کی جائے۔

اگر ان اوقات میں عمداً تدفین نہ کی جائے، بلکہ اتفاقاً دفن کیا جائے یا نماز کا کوئی سبب ہو مثلاً وضو کی سنت نماز، تحیۃ المسجد اور نماز کی قضا وغیرہ، اس صورت میں مکروہ نہیں ہے

ان صورتوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہ ہونے کی دلیل: امام بخاری (۵۷۲) اور امام مسلم (۶۸۴) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی یاد آئے پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے: ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ'' میری یاد آنے پر نماز قائم کرو (طٰہٰ ۱۴) آپ ﷺ کے اس قول ''جب اس کو نماز یاد آئے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مشروع وقت اور اس نماز پڑھنے کا مطالبہ اسی وقت ہے جب اس کو یاد آئے، اس کو ممنوعہ اوقات میں بھی یاد آسکتا ہے، چناں چہ یہ روایت ممانعت سے اس کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل ہے۔

امام بخاری (۱۱۷۶) اور امام مسلم (۸۳۴) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، میں نے آپ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''ابو امیہ کی دختر! تم نے عصر کی نماز کے بعد دو

رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبد قیس کے چند لوگ آئے اور مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعت نماز پڑھنے سے مشغول رکھا، یہ وہی دو رکعتیں ہیں''

قضا پر ان تمام نمازوں کو قیاس کیا گیا ہے جس کا کوئی سبب ہو۔

اس نہی سے حرم مکہ مطلقاً مستثنیٰ ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''عبد مناف والو! تم کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے نہ روکو، چاہے وہ رات اور دن کے کسی بھی وقت آئے''۔(ترمذی ۸۶۸، ابو داؤد ۱۸۹۴)

فرض نمازوں کے اعادہ اور قضا کے احکام:

اعادہ یہ ہے کہ کوئی فرض نماز پڑھی جائے، اس کے آداب یا سنتوں میں کوئی نقص یا کمی نظر آئے، جس کی وجہ سے دوبارہ اسی نماز کو مکمل طور پر اس طرح ادا کرے کہ کوئی کمی یا نقص نہ باقی نہ رہے۔

یہ مستحب ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی ظہر کی نماز تنہا پڑھے، پھر یہی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو اس کے لیے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ دہرانا مسنون ہے، اس کے لیے فرض نماز پہلی ہوگی اور دوسری نماز نفل۔

امام ترمذی (۲۱۹) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ نے دو افراد کو دیکھا کہ انھوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: ''تم دونوں کو کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا؟ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم اپنے گھروں پر نماز پڑھ چکے ہیں، آپ نے فرمایا: ''تم ایسا نہ کرو، جب تم اپنے گھروں پر نماز پڑھ چکو، پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل نماز ہوگی''۔

اگر پہلی نماز میں کوئی خلل یا کمی نہ ہو اور دوسری نماز پہلی نماز سے زیادہ مکمل نہ ہو تو اعادہ کرنا مسنون نہیں ہے۔

قضا: قضا یہ ہے کہ نماز کا وقت نکلنے کے بعد یا اتنے کم وقت کی موجودگی میں نماز

پڑھے، جس میں ایک رکعت بھی پڑھ نہ سکتا ہو، ایک رکعت وقت میں پڑھ سکتا ہو تو وہ نماز ادا ہوگی۔

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تارک نماز کو نماز کی قضا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، چاہے نماز بھولے سے چھوڑے یا عمداً، لیکن دونوں میں ایک فرق ہے: وہ یہ کہ کسی عذر کی بنیاد پر مثلاً بھولے سے یا سوئے رہنے کی وجہ سے نماز چھوڑ دے تو گنہ گار نہیں ہوگا، اور اس کے لیے فوراً نماز کی قضا کرنا واجب نہیں ہوگا، البتہ بغیر کسی عذر کے یعنی عمداً چھوڑنے والا گنہ گار ہوگا اور پہلی فرصت میں اس کی قضا کرنا واجب ہے۔

چھوٹی ہوئی فرض نماز کی قضا واجب ہونے کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:
''جو کوئی نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے تو پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے'' (بخاری ۵۷۲، مسلم ۶۸۴ وغیرہ)

''اس کا یہی کفارہ ہے'' اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹی ہوئی فرض نمازوں کی قضا ضروری ہے، چاہے ان کی تعداد کتنی بھی زیادہ ہو، یا اس پر کتنی بھی مدت گزر جائے۔

نماز کن پر واجب ہے؟

ہر مسلمان مرد اور عورت پر نماز فرض ہے، جو بالغ، عاقل اور پاک ہو، چناں چہ کافر پر اس اعتبار سے فرض نہیں ہے کہ اس سے دنیا میں بطور فرض کے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ کفر کی حالت میں نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، لیکن آخرت میں عذاب کے ملنے کے اعتبار سے واجب ہے، کیوں کہ وہ اسلام لانے کی صورت میں نماز پڑھنے کا اہل ہو جاتا، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرٍ، قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ، وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ، وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ، حَتّٰى اَتَانَا الْيَقِيْنُ ''(ان سے سوال کیا جائے گا) تم کو جہنم میں کون سی چیز لے آئی، انھوں نے کہا: ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم اٹکل بات کرنے والوں کے ساتھ مشغول رہتے تھے اور ہم قیامت

کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی'' (المدثر ۴۲ تا ۴۷)

چھوٹے بچے پر نماز فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ مکلّف نہیں ہے، اسی طرح مجنون پر بھی نماز فرض نہیں ہے، کیوں کہ اس کو احساس اور شعور نہیں رہتا، حائضہ اور نفاس والی عورت پر بھی نماز فرض نہیں ہے، کیوں کہ ان کی نماز رکاوٹ یعنی حدث کے پائے جانے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی۔

جب کافر مسلمان ہو جائے تو اس کو چھوٹی ہوئی نمازوں کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا تا کہ دین میں اس کے لیے ترغیب ہو (اتنا بوجھ دیکھ کر کہیں وہ بے رغبت نہ ہو جائے) اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ '' آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ اپنے کفر سے باز آئیں گے تو وہ ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ (الانفال ۳۸)

البتہ مرتد کے لیے اسلام لانے کے بعد ایام ارتداد کی تمام نمازوں کی قضا واجب ہے، کیوں کہ اس پر سختی کی جائے گی۔

ایام حیض اور نفاس میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مشقت ہے۔

اسی طرح پاگل اور بے ہوش جب اپنے جنون اور بے ہوشی سے بیدار ہو جائیں تو ان پر بھی اس دوران چھوٹنے والی نمازوں کی قضا نہیں ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''تین لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا: بچے سے، بالغ ہونے تک، سوئے ہوئے شخص سے، بیدار ہونے تک، اور پاگل سے، عقل آنے تک'' (ابو داؤد ۴۴۰۳)

یہ حدیث پاگل کے سلسلے میں ہے اور اس پر ہر اس شخص کو قیاس کیا گیا ہے جس کی کسی عذر کی وجہ سے عقل زائل ہو گئی ہو، البتہ سوئے ہوئے شخص پر سابقہ حدیث ''جو نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو وہ نماز پڑھ لے'' کی بنیاد پر قضا واجب ہے۔

بچے کو سات سال مکمل ہونے کے بعد نماز کا حکم دیا جائے اور دس سال مکمل ہونے

پر نماز کا عادی بنانے کے لیے نماز چھوڑنے پر اس کو مارا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر اس کو مارو'' (ابوداؤد ۴۹۴) ترمذی کی روایت میں ہے: ''بچے کو نماز سکھاؤ'' (۴۰۷)

اذان واقامت

اذان: اذان مخصوص ذکر کا نام ہے، اسلام نے اذان کو فرض نماز کا وقت شروع ہونے کا اعلان کرنے اور مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کے لیے مشروع کیا ہے تا کہ سبھی مسلمان جماعت کے ساتھ اکٹھا نماز پڑھیں۔

اذان کا حکم: اذان ادا اور قضا دونوں نمازوں کے لیے سنت ہے: تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے بھی اذان دینا سنت ہے، اسلام کے شعار کے اظہار میں اذان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس کی دلیل قرآن کی آیتیں اور احادیث مبارکہ ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ مِن یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ** '' جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفرخت کو چھوڑ دو۔ (جمعہ ۹)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان دے اور تم میں سے عمر رسیدہ نماز پڑھائے'' (بخاری ۶۰۲، مسلم ۶۷۴)

اذان کی ابتدا: اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی، امام بخاری (۵۷۹) اور امام مسلم (۳۷۷) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''مسلمان جب مدینہ آئے تو نماز کے وقت کا اندازہ لگا کر جمع ہوتے تھے، نماز کے لیے اعلان نہیں کیا جاتا تھا، اس سلسلے میں لوگوں نے ایک دن تبادلۂ خیال کیا، بعض لوگوں نے کہا: عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس پھونکا جائے، دوسرے چند لوگوں نے کہا: نہیں بلکہ یہودیوں کے نرسنگا کی طرح نرسنگا بجایا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص نماز کا اعلان کرے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلال! اٹھو اور نماز کا اعلان کرو''۔

اذان کے کلمات:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، أَشْهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد ''اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' (نماز نیند سے بہتر ہے) بھی دو مرتبہ کہا جائے، یہ الفاظ بخاری و مسلم وغیرہ میں بہت سی احادیث میں آئے ہیں۔

اذان صحیح ہونے کی شرطیں:

اذان صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ مسلمان ہو: کافر کی اذان صحیح نہیں ہے، کیوں کہ وہ عبادت کا اہل اور لائق نہیں ہے۔

۲۔ ممیز ہو: غیر ممیز بچہ کی اذان صحیح نہیں ہے کیوں کہ وہ بھی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اس کو وقت کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

۳۔ مرد ہو: عورت کی اذان مردوں کے لیے صحیح نہیں ہے، جس طرح عورت کی

امامت مردوں کے لیے صحیح نہیں ہے۔

۴۔ اذان کے کلمات ترتیب کے ساتھ کہے جائیں کیوں کہ احادیث میں ترتیب کے ساتھ ہی منقول ہوئے ہیں اور ترتیب چھوڑنے سے کھلواڑ کا اندیشہ ہے اور اعلان میں کمی واقع ہوتی ہے۔

۵۔ پے درپے اس طرح اذان دی جائے کہ دو کلمات کے درمیان بڑا فاصلہ نہ ہو۔

۶۔ بلند آواز سے اذان دی جائے: اگر جماعت کے لیے اذان دی جا رہی ہو تو یہ حکم ہے، اگر منفرد اپنے لیے اذان دے تو مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پر بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے، اگر مسجد میں منفرد اپنے لیے اذان دے تو پست آواز میں اذان دینا مسنون ہے، تاکہ اذان سننے والوں کو دوسری نماز کا وقت شروع ہونے کا گمان نہ ہو جائے۔

امام بخاری (۵۸۴) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکریوں اور دیہات کو پسند کرتے ہو، جب تم اپنی بکریوں کے ساتھ یا دیہات میں رہو اور نماز کے لیے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دو، انسان، جنات اور جو بھی موذن کی آواز سنیں گے، وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گے''۔

عورتوں کی جماعت کا حکم:

عورتوں کے لیے اذان مسنون نہیں ہے، کیوں کہ ان کی طرف سے آواز بلند کرنے کی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہے، البتہ ان کے لیے اقامت کہنا مسنون ہے، اس کا مقصد موجود لوگوں کو نماز کے لیے کھڑا کرنا ہے اور اس میں اذان کی طرح آواز بلند نہیں کی جاتی۔

۷۔ وقت شروع ہو چکا ہو: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان دے'' (بخاری ۶۰۲، مسلم ۶۷۴) کیوں کہ اذان وقت شروع ہونے کا اعلان ہے، چناں چہ بالاجماع وقت شروع ہونے سے پہلے اذان صحیح نہیں ہوتی، اس سے صبح کی اذان مستثنیٰ ہے، فجر کی اذان نصف رات سے جائز ہے، اس کا تذکرہ اذان کی سنتوں میں آرہا ہے۔

اذان کی سنتیں:

مندرجہ ذیل چیزیں اذان کے لیے سنت ہیں:

۱۔موذن قبلہ کی طرف رُخ کر کے اذان دے، کیوں کہ یہ سب سے بہتر سمت ہے اور یہ پہلوں اور بعد والوں سے منقول ہے۔

۲۔موذن حدثِ اصغر اور اکبر سے پاک ہو، بے وضو کو اذان دینا مکروہ ہے اور جنبی کا اذان دینا اس سے بھی زیادہ مکروہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کا ذکر بغیر طہارت کے کروں'' (ابوداؤد۱۷)

۳۔کھڑے ہو کر اذان دے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلال ! کھڑے ہو جاؤ اور نماز کا اعلان کرو''۔

۴۔**حی علی الصلاۃ** کہتے وقت داہنے طرف گردن گھمائے اور **حی علی الفلاح** کہتے وقت بائیں طرف۔

امام بخاری (۶۰۸) نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا، آپ اذان میں **حی علی الصلاۃ** اور **حی علی الفلاح** کہتے وقت داہنے بائیں اپنا چہرہ موڑ رہے تھے۔

۵۔اذان کے کلمات میں ترتیل ہو، ترتیل یہ ہے کہ رک رک کر اذان دے، کیوں کہ اذان کا مقصد غیر موجود لوگوں کو خبر کرنا ہے، رک رک کر اذان دینے سے بہتر انداز میں خبر پہنچتی ہے۔

۶۔ترجیع: ترجیع یہ ہے کہ موذن شھادتین کو بلند آواز سے کہنے سے پہلے آہستہ سے بھی کہے، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، امام مسلم نے روایت کیا ہے: ''پھر وہ لوٹتے اور **اشھد ان لا الہ الا للہ** کہتے''۔

۷۔صبح کی اذان میں **حی علی الفلاح** کے بعد ''**الصلاۃ خیر من النوم** '' دو مرتبہ کہنا، کیوں کہ اس کا تذکرہ ابوداؤد (۵۰۰) کی روایت میں ہے۔

۸۔موذن کی آواز بلند اور سریلی ہو، تا کہ سننے والے کا دل نرم پڑ جائے اور اذان کا جواب دینے کی طرف مائل ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا جنھوں نے خواب میں اذان کہتے ہوئے دیکھا تھا: ''تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور اپنے دیکھے ہوئے الفاظ ان کو بتاؤ، تا کہ وہ اس کا اعلان کرے، کیوں کہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے'' (ابوداؤد۴۹۹)

۹۔موذن با اخلاق ہو، کیوں کہ اس کی طرف سے اذان دینے کی صورت میں قبول کیا جائے گا اور فاسق کی خبر قبول نہیں کی جاتی۔

۱۰۔اذان زیادہ کھینچ کر اور گانے کی طرح نہ دے، اس طرح اذان دینا مکروہ ہے۔

۱۱۔فجر کی نماز کے لیے مسجد میں دو موذن کا اذان دینا مسنون ہے، ایک موذن فجر سے پہلے اذان دے اور دوسرا فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد، اس کی دلیل بخاری (۵۹۲) اور مسلم (۱۰۹۲) کی یہ روایت ہے: ''بلال رات کو اذان دیتے ہیں، چناں چہ تم ابن ام مکتوم کی اذان سننے تک کھاؤ اور پیو''۔

۱۲۔اذان سننے والے کے لیے خاموش رہنا اور موذن کے الفاظ کو دہرانا مسنون ہے: اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جب تم اذان سنو تو وہی الفاظ کہو جو موذن کہے'' (بخاری۵۸۶، مسلم۳۸۳)

لیکن **حی علی الصلاۃ** اور **حی علی الفلاح** میں **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کہے، اس کی دلیل امام بخاری (۵۸۸) اور امام مسلم (۳۸۵) کی روایت ہے (الفاظ امام مسلم کے ہیں): ''جب موذن **حی علی الصلاۃ** کہے تو سننے والا **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کہے، اور جب موذن **حی علی الفلاح** کہے تو سننے والا **لا حول و لا قوۃ الا باللہ** کہے''۔حدیث کے اخیر میں ہے: ''جو اپنے دل سے یہ کہے گا، وہ جنت میں چلا جائے گا''،

تثویب یعنی ''الصلاۃ خیر من النوم '' کے جواب میں صدقت وبررت کہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے دعوت دے کر سچ بات کہی اور نماز نیند سے بہتر ہے کہہ کر تم نیکوکار بن گئے۔

۱۳۔اذان کے بعد دعا پڑھنا اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا:

موذن اور سننے والے کے لیے اذان مکمل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا اور آپ سے منقول دعا پڑھنا مسنون ہے۔

امام مسلم (۳۸۴) وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم موذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہ جو کہتا ہے وہی تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیوں کہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس برکتیں نازل فرماتا ہے، اللہ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو، یہ جنت کا ایک مقام ہے جو اللہ کے صرف ایک ہی بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ یہ مقام مجھے ملے گا، جو اللہ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرے گا اس کے لیے میری سفارش ہوگی''۔

امام بخاری (۵۷۹) وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے گا، اس کے لیے قیامت کے دن میری سفارش ہوگی: ''اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَآئِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَ نِالْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَا نِالَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ، اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ''۔ اے اللہ! اے اس مکمل دعا اور قائم کی جانے والی نماز کے پروردگار! محمد کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور ان کو مقام محمود سے سرفراز فرما، جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

موذن پست آواز میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور دعا پڑھے، تا کہ سننے والوں کو وہم نہ ہو کہ یہ بھی اذان کے الفاظ ہیں۔

اقامت:

اقامت بھی اذان کی طرح ہی ہے، لیکن دونوں میں مندرجہ ذیل فرق ہیں:

۱۔اذان میں الفاظ دو مرتبہ کہے جاتے ہیں اور اقامت میں ایک مرتبہ، اس کی دلیل بخاری (۵۸۰) اور مسلم (۳۷۸) کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال کو اذان

کے الفاظ دو مرتبہ اور اقامت ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا بصرف لفظ **قد قامت الصلاۃ** کو مکرر کہنے کا حکم دیا۔

اقامت کے کلمات:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، نماز کھڑی ہو چکی، نماز کھڑی ہو چکی، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ کلمات بخاری، مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں منقول ہیں۔

۲۔اذان میں الفاظ رک رک کر کہنا اور اقامت میں جلدی جلدی، کیوں کہ اذان غیر موجود لوگوں کے لیے دی جاتی ہے، اس لیے اس میں رک رک کر دینا زیادہ فائدہ مند ہے اور اقامت موجود لوگوں کے لیے کہی جاتی ہے، اس لیے اس میں جلدی جلدی کلمات کہنا مناسب ہے۔

۳۔بہت سی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور آدمی اس کی قضا کرنا چاہے تو صرف پہلی نماز کے لیے اذان دے اور ہر نماز کے لیے اقامت کہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کے مقام پر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی'' (مسلم ۱۲۱۸)

اقامت کی شرطیں:

اقامت کی شرطیں وہی ہیں جو اذان کی شرطیں ہیں۔

اقامت کی سنتیں:

اذان کی سنتیں ہی اقامت کی سنتیں ہیں، اذان کہنے والے کا اقامت کہنا مسنون ہے۔

قدقامت الصلاۃ سننے والے کے لیے ''**اَقَامَهَا اللّٰهُ وَ اَدَامَهَا**'' (اللہ اس کو قائم اور دائم رکھے) کہنا سنت ہے۔

فرض کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے اعلان کا طریقہ:

فرض نمازوں کے لیے اذان اور اقامت سنت موکدہ ہے، ان کے علاوہ وہ نمازیں جو جماعت سے پڑھی جاتی ہیں مثلاً عیدین کی نماز، چاند گہن، سورج گہن اور جنازہ کی نماز، ان میں اذان اور اقامت مسنون نہیں ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا: ''**اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ**''۔

امام بخاری (۱۰۰۳) اور امام مسلم (۹۱۰) نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہوا تو یہ اعلان کیا گیا: '' **الصلوۃ جامعۃ** ''، سورج گہن کی نماز پر ان تمام نمازوں کو قیاس کیا گیا ہے جو جماعت سے پڑھی جاتی ہیں۔

نماز صحیح ہونے کی شرطیں

شرط کے معنی: کسی عبادت کی شرط سے مراد یہ ہے کہ اس پر اس عبادت کا وجود موقوف ہو، لیکن وہ اس کا جزء نہ ہو۔

اس کی مثال نباتات ہے، زمین پر اس کے وجود کے لیے بارش کا ہونا ضروری ہے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ بارش نباتات کا جزء اور حصہ نہیں ہے، لیکن یہ نباتات کے وجود کے لیے شرط ہے۔

اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟ امام شافعی کے نزدیک نماز صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ طہارت:

طہارت کے باب میں طہارت کا مطلب اور اس کی قسموں کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے، ان تمام طہارتوں کا پایا جانا نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے، طہارت کی قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) حدث سے جسم کا پاک ہونا: محدث کی نماز صحیح نہیں ہوتی، چاہے اس کو حدث اصغر (وضو کا نہ ہونا) لاحق ہو یا حدث اکبر مثلاً جنابت، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی''۔ (مسلم ۲۲۴)

(ب) بدن کا نجاست سے پاک ہونا: نجاست کا مطلب اور اس کی قسموں کے بارے میں تفصیلات طہارت کے باب میں گزر چکی ہیں، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ان دو لوگوں کے سلسلے میں یہ فرمان ہے جن کو قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا: ''رہا ان میں سے ایک تو وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا''۔ (بخاری ۲۱۵، مسلم ۲۹۲)

پیشاب کی طرح دوسری تمام نجاستیں بھی ہیں، نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابو جیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب حیض آئے تو نماز پڑھنا چھوڑ دو اور جب حیض کی مدت گذر جائے تو اپنے جسم سے خون کو دھو کر نماز پڑھو'' (بخاری ۲۶۶، مسلم ۳۳۳)

(ج) کپڑوں کا نجاست سے پاک ہونا: صرف بدن کا نجاست سے پاک اور صاف رہنا کافی نہیں ہے، بلکہ نمازی کے کپڑوں کا بھی تمام نجاستوں سے پاک رہنا ضروری ہے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ'' اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ (مدثر ۴)

امام ابوداؤد (۳۶۵) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور انھوں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میرے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے اور مجھے اس میں حیض آتا ہے، میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو اس کپڑے کو دھوو، پھر اس کو پہن کر نماز پڑھو''، انھوں نے دریافت کیا: اگر دھونے سے خون صاف نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ''صرف خون کا دھونا کافی ہے، اس کے اثرات باقی رہنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا''

(د) جگہ کا نجاست سے پاک ہونا: جگہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں نماز پڑھی جائے، اس کا دائرہ پاؤں رکھنے کی جگہ سے سجدہ کرنے کی جگہ تک ہے، یعنی وہ جگہ جو نماز کے دوران اس کے بدن سے لگتی ہو، جو حصہ بدن سے نہیں ملتا اس کے نجس رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً وہ جگہ جو رکوع اور سجدہ کے وقت نمازی کے سینے کے بالمقابل آتی ہے، اس شرط کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا اس جگہ پانی بہانے کا حکم دینا ہے جہاں مسجد میں بدّو نے پیشاب کیا تھا۔ (بخاری ۲۱۷) اور کپڑے کو جگہ پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ جگہ بدن سے ملے رہنے میں کپڑے کی طرح ہے۔

۲۔ وقت شروع ہونے کا علم ہو:

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ہر فرض نماز کا ایک وقت متعین ہے، اسی وقت میں نماز کا

ادا کرنا ضروری ہے، صرف وقت میں نماز کا ادا کرنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ نماز شروع کرنے سے پہلے نمازی کے لیے اس بات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو چکا ہے، چناں چہ اس شخص کی نماز صحیح نہیں ہوگی جس کو وقت شروع ہونے کا علم نہ ہو، چاہے بعد میں معلوم ہو جائے کہ نماز وقت پر ہوئی ہے۔

وقت شروع ہونے کے بارے میں جاننے کا طریقہ:

مندرجہ ذیل تین طریقوں سے نماز کا وقت شروع ہونے کا پتہ چلتا ہے:

یقینی علم: یہ ہے کہ کسی حسی دلیل پر اعتماد کرے، مثلاً سورج کو سمندر میں غروب ہوتے ہوئے دیکھ لے۔

اجتہاد: ظنی دلیلوں پر اعتماد کرے مثلاً سایہ وغیرہ دیکھ کر اندازہ لگائے۔

تقلید: جب علم یقینی یا اجتہاد کے ذریعے وقت معلوم نہ ہو، مثلاً نماز کے اوقات اور دلائل سے ناواقف شخص ہو تو وہ کسی حسی دلیل پر اعتماد کر کے وقت معلوم کرنے والے یا ظنی دلیلوں پر اعتماد کرنے والے مجتہد کی تقلید کرے۔

وقت سے پہلے نماز پڑھنے والے کی نماز کا حکم:

جب نمازی کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی نماز وقت شروع ہونے سے پہلے ہوئی ہے تو نماز باطل ہوگی اور اس کے لیے نماز دہرانا واجب ہوگا، چاہے وہ علم یقینی، اجتہاد یا تقلید کے ذریعے نماز پڑھے۔

۳۔ ستر:

نماز صحیح ہونے کی یہ تیسری شرط ہے، اس شرط سے واقف ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کو جاننا ضروری ہے:

(الف) ستر کے معنی: ستر کے شرعی معنی جسم کا ہر وہ حصہ جس کو چھپانا واجب ہے یا اس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

(ب) نماز میں ستر کے حدود: مرد کے لیے اس کے حدود ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے، چناں چہ اس کے درمیان کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

عورت کے لیے اس کے حدود چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھوڑ کر پورا بدن ہے، چناں چہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ نماز میں نظر نہ آئے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ (اعراف ۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے لیے کپڑے پہننا ہے۔ (مغنی المحتاج ۱/۱۸۴)

امام ترمذی (۳۷۷) نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بالغ لڑکی کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی'' (امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے)

(ج) نماز کے علاوہ ستر کے حدود:

مردوں کے لیے ستر کے حدود ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے، چاہے نماز میں ہو یا نماز کے باہر محرم عورتوں کے لیے بھی یہی ستر ہے، البتہ صحیح قول کے مطابق اجنبی مرد کا چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ پورا بدن ستر ہے، یعنی اجنبی عورتوں کے لیے اجنبی مرد کے چہرے اور ہتھیلیوں کو چھوڑ کر بدن کے کسی دوسرے حصے کا دیکھنا جائز نہیں ہے، البتہ شہوت کے ساتھ چہرہ کو بھی دیکھنا حرام ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ'' اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (نور ۳۱)

عورت کے لیے ستر: مسلمان عورتوں کے سامنے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے، کافر عورتوں کے سامنے پورا بدن ستر ہے، البتہ کام کرتے وقت جتنا کھولنے کی ضرورت ہے اتنا حصہ کھول سکتی ہے، مثلاً گھر کے کام کاج کے وقت۔

البتہ محرم مردوں کے سامنے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے، یعنی محارم کے

سامنے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ چھوڑ کر باقی پورا بدن کھولنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَائِهِنَّ'' اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں بجز اپنے شوہروں، والد (آباء واجداد)، اپنے بچوں، یا اپنے شوہروں کے بچوں، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بچوں، یا اپنی بہنوں کے بچوں یا اپنی عورتوں کے سامنے (نور ۳۱) زینت کی تفسیر ناف سے اوپر یا گھٹنے کے نیچے کے حصوں کی زینت سے کی گئی ہے۔

اجنبی مردوں کے لیے پورا بدن ستر ہے، چناں چہ اپنے بدن کا کوئی بھی حصہ غیر مردوں کے سامنے بغیر ضرورت کھولنا جائز نہیں ہے، اسی طرح مردوں کے لیے عورت کے بدن کے کسی حصے کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ'' آپ مومنین سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ (نور ۳۰)

امام بخاری (۳۶۵) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تھے تو آپ کے ساتھ مومن عورتیں اپنا پورا جسم کپڑوں میں لپیٹے ہوئے نماز میں شامل رہتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو اس حال میں واپس ہوتی تھیں کہ ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا''۔

عذر کی بنا پر ستر کھولنے اور دیکھنے کی اجازت:

مندرجہ ذیل صورتوں میں ستر کھولنے اور دیکھنے اجازت ہے:

۱۔ نکاح کا پیغام دیتے وقت، اس صورت میں چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے جس کی تفصیلات نکاح کے باب میں آرہی ہیں۔

۲۔ گواہی کے لیے یا کوئی معاملہ طے کرتے وقت، اس صورت میں صرف چہرے کو دیکھنا جائز ہے، جب کہ اس عورت کو پہچاننے کی ضرورت ہو اور اس کو دیکھے بغیر پہچاننا ممکن نہ ہو۔

۳۔ دوا علاج کے لیے: ضرورت کے بقدر ستر کھولنا جائز ہے۔

امام مسلم (۲۲۰۶) نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پچھنا لگوانے کی اجازت چاہی تو حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے پچھنا لگوانے کا حکم دیا۔

لیکن اس موقع پر کسی محرم یا شوہر کا ساتھ رہنا شرط ہے، اسی طرح علاج کرنے والی کسی عورت کا نہ ملنا بھی شرط ہے، اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت معالج ہو تو دوسرے کے پاس جانا جائز نہیں ہے۔

۴۔ قبلے کی طرف رخ کرنا:

نماز صحیح ہونے کی یہ چوتھی شرط ہے:

قبلہ سے مراد کعبہ شریف ہے، یعنی کعبہ کا اس کے بالمقابل ہونا ضروری ہے۔

قبلے کی طرف رخ کرنا واجب ہونے کی دلیل:

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ'' چناں چہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کرو اور تم جہاں کہیں بھی رہو اپنا چہرہ اس کی طرف موڑلو۔ (بقرہ ۱۵۰)

امام بخاری (۵۸۹۷) اور امام مسلم (۳۹۷) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس کو آپ نے نماز کا طریقہ سکھایا: ''جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر کہو''۔

آیت میں مسجد حرام اور حدیث میں قبلہ سے مراد کعبہ ہے۔

استقبال قبلہ مشروع ہونے کی تاریخ:

امام بخاری (۳۹۰) اور امام مسلم (۵۲۵) نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ ماہ تک نماز پڑھتے رہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی طرف رخ کرنے کو پسند فرماتے تھے، اس پر اللہ نے فرمایا: ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ'' ہم آسمان کی طرف تمہارا بار بار دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت کے بعد آپ نے کعبہ کی طرف رخ کیا

اس اعتبار سے استقبالِ کعبہ کے مشروع ہونے کی تاریخ ہجرت کے ابتدائی دن ہیں۔

قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ:

نمازی یا تو کعبہ کے اتنا قریب ہوگا کہ جب چاہے کعبہ کو دیکھنا ممکن ہوگا یا اس سے اتنا دور ہوگا کہ کعبہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہوگا، اگر قریب ہو تو یقین کے ساتھ عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے۔

اگر دور ہو تو ظنی دلائل پر اعتماد کرتے ہوئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے جب کہ قطعی دلیل سے عین قبلہ معلوم کرنا ممکن نہ ہو۔

نماز کا طریقہ

رکعتوں کی تعداد:

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نمازیں فرض کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ہر نماز کے ابتدائی اور آخری وقت کو متعین کیا اور ہر نماز کی رکعتوں کی تعداد واضح کر کے بتایا جو مندرجہ ذیل ہیں:

فجر کی نماز: دو رکعتیں، ایک تشہد کے ساتھ۔

ظہر کی نماز: چار رکعتیں دو تشہد کے ساتھ، پہلا تشہد دو رکعت کے بعد اور دوسرا نماز کے اخیر میں۔

عصر کی نماز: چار رکعتیں ظہر کی نماز کی طرح۔

مغرب کی نماز: تین رکعتیں، دو تشھد کے ساتھ، پہلا تشہد دو رکعت کے بعد اور دوسرا نماز کے اخیر میں۔

عشاء کی نماز: چار رکعتیں ظہر اور عصر کی نمازوں کی طرح

نماز کے ارکان وفرائض

رکن کے معنی: کسی چیز کا رکن اس کا بنیادی حصہ ہوتا ہے، مثلاً کمرے کی دیوار۔

نماز کے حصے اور اجزاء اس کے ارکان ہیں، مثلاً رکوع اور سجدے وغیرہ، نماز اس وقت تک مکمل اور صحیح نہیں ہوتی، جب تک اس میں نماز کے اجزاء مکمل طور پر اسی ترتیب اور شکل کے ساتھ نہ پائے جائیں، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیان کردہ ہیں، نماز کے کل ارکان تیرہ ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نیت کرنا:

اس کی جگہ دل ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (بخاری، مسلم ۱۳۷)

نماز صحیح ہونے کے لیے نیت کا تکبیرہ تحریمہ کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے، یعنی تکبیر تحریمہ کے الفاظ ادا کرتے وقت اس کے دل میں نماز کا ارادہ ہو اور اس نماز کی نوعیت اور فرض ہونے کی نیت ہو، نیت کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا شرط نہیں ہے۔

۲۔ فرض نماز میں کھڑے رہنے کی طاقت ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا:

اس رکن کی دلیل امام بخاری (۱۰۶۶) کی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے بواسیر کی بیماری تھی، اس لیے میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا؟ آپ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہو کر پڑھ نہیں سکتے تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو پہلو کے بل پڑ''۔

آدمی کو کھڑا اسی وقت سمجھا جائے گا جب وہ سیدھا کھڑا ہو، اگر کسی عذر کے بغیر اتنا جھکے کہ اس کی ہتھیلی گھٹنے سے چھو جائے تو اس کی نماز باطل ہوگی، کیوں کہ قیام نماز کے ایک حصے میں چھوٹ جائے گا، اگر نمازی نماز کے کسی حصے میں کھڑا رہ سکتا ہو اور بعض حصے میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ ہو تو جتنا ممکن ہو کھڑا رہے اور باقی نماز بیٹھ کر پڑھے۔

فرض نماز کی قید لگانے سے نفل نمازیں نکل گئیں، نفل نمازوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مستحب ہے، نفل نمازوں میں کھڑے رہنے کی طاقت رہنے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

امام بخاری (۱۰۶۵) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے، بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا نصف اجر ہے، لیٹ کر نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا نصف اجر ہے''۔

۳۔ تکبیر تحریمہ:

امام ترمذی (۳) اور ابو داؤد (۶۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کی کنجی طہارت ہے اور اس کی حرمت تکبیر ہے اور اس سے نکلنا سلام ہے''۔

تکبیر تحریمہ کا طریقہ: لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا ضروری ہے، اسم اللہ کے غیر منافی چیزوں کا اضافہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً کہے: اللہ اکبر یا اللہ الجلیل اکبر، اگر کوئی ایسا کلمہ بڑھائے جو اللہ کے صفات میں سے نہ ہو مثلاً کہے: اللہ ھو الاکبر، یا صیغہ بدل دے مثلاً کہے: اکبر اللہ، اس صورت میں تکبیر صحیح نہیں ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تکبیر تحریمہ میں اس لفظ کو پابندی کے ساتھ کہتے تھے۔

تکبیر تحریمہ کی شرطیں:

تکبیر تحریمہ صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(الف) کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہے، اگر نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت تکبیر تحریمہ کہے تو صحیح نہیں ہے۔

(ب) قبلہ کی طرف رخ کر کے کہے۔

(ج) تکبیر تحریمہ عربی زبان میں ہو، البتہ اگر عربی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے عاجز ہو اور اس وقت سیکھنا ممکن نہ ہو تو جس زبان میں چاہے اس کے ترجمہ کے الفاظ کہے، اگر قدرت ہو تو سیکھنا واجب ہے۔

(د) کم از کم اتنی آواز میں تکبیر تحریمہ کہے کہ خود کو سنائی دے۔

(ھ) نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے۔

۴۔ سورہ فاتحہ پڑھنا:

نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، چاہے نماز کوئی بھی ہو۔

اس کی دلیل امام بخاری (۷۲۳) اور امام مسلم (۳۹۴) کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں''۔

بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے، **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے بغیر سورہ

فاتحہ شروع کرے تو یہ فرض ادا نہیں ہوگا، اس کی دلیل ابن خزیمہ کی روایت ہے، انھوں نے صحیح سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو ایک آیت شمار کیا۔

سورہ فاتحہ پڑھنے میں مندرجہ ذیل شرائط کی رعایت کرنا ضروری ہے:

(الف) کم از کم اتنی آواز میں پڑھے کہ خود کو سنائی دے۔

(ب) تمام آیتوں کو ترتیب کے ساتھ حروف کے مخارج کی رعایت اور تشدید کو ظاہر کرتے ہوئے پڑھے۔

(ج) پڑھنے میں کوئی ایسا لحن (غلطی) نہ کرے جس سے معنی بدل جاتے ہوں، اگر کوئی ایسا لحن کرے جس میں معنی پر اثر نہ پڑتا ہو تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

(د) سورہ فاتحہ عربی میں پڑھے، اس کے ترجمہ سے نماز صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ ترجمہ قرآن نہیں ہے۔

(ھ) نماز پڑھنے والا حالتِ قیام میں سورہ فاتحہ پڑھے، اگر کوئی رکوع کی حالت میں پڑھے تو یہ رکن ادا نہیں ہوگا، بلکہ اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اگر نمازی لکنت وغیرہ کی وجہ سے سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکتا ہو تو اس کے بدلے قرآن کی کوئی سات آیتیں پڑھے، اگر قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو سورہ فاتحہ کے بقدر اللہ کا ذکر کرے، پھر رکوع کرے۔

۵۔ رکوع: شرعاً رکوع کہتے ہیں نمازی کا اتنا جھکنا کہ اس کی ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں، یہ رکوع کی کم از کم مقدار ہے، اور مکمل رکوع یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ اس کی پیٹھ سیدھی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا**'' اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔ (الحج ۷۷)

نبی کریم ﷺ نے نماز سیکھنے والے سے فرمایا: ''پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع کی حالت میں طمانینت حاصل ہو جائے''۔ (بخاری ۷۲۴، مسلم ۳۹۷)

نبی کریم ﷺ سے رکوع کرنا بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

رکوع کی شرطیں :

رکوع صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنا ضروری ہے:

(الف) اس حد تک جھکنا کہ ہتھیلیاں گھٹنے تک پہنچ جائیں۔

امام بخاری (۷۹۴) نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں روایت کیا ہے: ''اور جب آپ نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا''۔

(ب) جھکنے میں رکوع کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، اگر کسی چیز کے خوف سے جھک جائے، پھر رکوع کا ارادہ کرے اور جھکا رہے تو اس کا رکوع صحیح نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ کھڑا ہوکر پھر رکوع کے ارادے سے جھکنا واجب ہے۔

(ج) طمانیت حاصل ہو، یعنی ایک تسبیح کے بقدر جھکا رہے، یہ کم از کم طمانیت ہے، اس کی دلیل سابقہ روایت ہے کہ ''آپ نے رکوع میں طمانیت کی''۔ امام احمد اور امام طبرانی وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بدترین چور وہ ہیں جو اپنی نماز کی چوری کرتے ہیں''، صحابہ نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! آدمی اپنی نماز کی چوری کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''رکوع اور سجدے مکمل نہیں کرتا''۔

امام بخاری (۷۵۸) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدے مکمل نہیں کررہا ہے تو انھوں نے فرمایا: تم نے نماز نہیں پڑھی، اگر تمہارا انتقال ہوگیا تو اُس فطری دین کے علاوہ طریقے پر انتقال ہوا جس کو دے کر اللہ نے محمد ﷺ کو بھیجا ہے''، یعنی تم نے مطلوبہ نماز نہیں پڑھی، اگر اس حالت میں تمہاری موت ہوگئی تو اسلامی طریقے کے علاوہ پر موت ہوگئی، جس کو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

مکمل رکوع یہ ہے کہ اپنی پیٹھ کو گردن کے ساتھ افقی شکل میں بالکل سیدھا رکھے اور

اپنی پنڈلیوں کو کھڑا رکھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے انگلیاں کشادہ رکھ کر اپنے گھٹنوں کو پکڑے اور تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' پڑھنے تک اسی حال میں رہے۔

امام مسلم (۷۷۲) وغیرہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی .... پھر آپ نے رکوع کیا تو ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' پڑھنے لگے، پھر سجدہ کیا تو ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى'' پڑھنے لگے۔

امام ترمذی (۲۶۱) اور امام ابوداؤد (۸۸۶) وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی رکوع میں تین مرتبہ یہ کہے: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' تو اس کا رکوع مکمل ہوگیا اور یہ کم سے کم رکوع ہے''، یعنی مکمل رکوع کی کم سے کم صورت ہے۔

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ہے: ''پھر آپ نے اپنی پیٹھ کو زمین کی طرف جھکایا''۔

۶۔ رکوع کے بعد اعتدال کرنا یعنی سیدھا کھڑا ہونا:

یہ کھڑا ہونا رکوع کو سجدوں سے الگ کرتا ہے۔

امام مسلم (۴۹۸) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو سجدہ اس وقت تک نہیں کرتے جب تک سیدھے کھڑے نہیں ہوجاتے۔

نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا جس نے نماز صحیح طریقے پر نہیں پڑھی تھی: ''پھر اٹھو یہاں تک کہ تم سیدھے کھڑے ہوجاؤ'' (بخاری ۷۲۴، مسلم ۳۹۷)

اعتدال کی شرطیں :

اعتدال صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(الف) رکوع سے اٹھ کر اعتدال میں آنے کا مقصد عبادت کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو۔

(ب) ایک تسبیح کے بقدر اعتدال میں رُکا رہے (طمانیت)

(ج) اس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے وقت سے زیادہ نہ رُکے، کیوں کہ یہ چھوٹا رکن ہے، اس کو طویل کرنا جائز نہیں ہے۔

۷۔ ہر رکعت میں دو سجدے کرنا:

شرعی تعریف: نمازی کا اپنی پیشانی کو سجدوں کی جگہ پر رکھنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا '' رکوع کرو اور سجدہ کرو (الحج ۷۷) نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جس نے صحیح نماز نہیں پڑھی تھی...... ''پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدے میں طمانیت حاصل ہو جائے، پھر اٹھو، یہاں تک کہ جلسے میں طمانیت حاصل ہو جائے، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدے میں طمانیت حاصل ہو جائے''۔

سجدے کی شرطیں:

سجدہ صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت رکھنا ضروری ہے:

(الف) پیشانی کو زمین سے لگاتے وقت کھلا رکھنا۔

(ب) سجدہ سات اعضا پر ہو، ان اعضاء کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں گنایا ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں: پیشانی پر (آپ نے اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا) دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے کناروں پر'' (بخاری ۷۷۹، مسلم ۴۹۰) لیکن ان تمام اعضا میں صرف پیشانی کا کھلا رکھنا واجب ہے۔

(ج) جتنا ممکن ہو جسم کے نچلے حصہ کو اوپری حصہ سے اونچا کرے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

(د) اپنے پہنے ہوئے ایسے کپڑے پر سجدہ نہ کرے جس کے حرکت کرنے سے کپڑے میں بھی حرکت ہوتی ہو۔

(ھ) سجدہ کرتے وقت سجدے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو مثلاً خوف وغیرہ۔

(و) زمین پر اپنی پیشانی کا اس طرح بوجھ ڈالے کہ اگر اس کے نیچے روئی یا اس طرح کی کوئی نرم چیز ہو تو دب جائے اور سجدوں کا اثر اس پر ظاہر ہو جائے۔

(ز) کم از کم ایک تسبیح کے بقدر سجدے میں طمانیت حاصل کرے۔

مکمل سجدہ یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں جائے، پہلے اپنے گھٹنوں کو پھر اپنے ہاتھوں پھر اپنی پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے مونڈھوں کے بالمقابل رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلا کر قبلے کی طرف کرے اور انگلیوں کے درمیان جگہ نہ چھوڑے، اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے اور اپنی کہنیوں کو زمین اور اپنے پہلوؤں سے الگ رکھے اور تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے۔

امام بخاری (۷۷۰) اور امام مسلم (۳۹۲) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ روایت کیا ہے، اس میں ہے: ''پھر آپ ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے سجدہ میں جاتے''۔

امام مسلم (۴۹۴) نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو رکھو (زمین پر) اور اپنی کہنیوں کو اٹھاؤ''۔

امام بخاری (۳۸۳) اور امام مسلم (۴۹۵) نے حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کرتے، یہاں تک کہ آپ کے بغل کے سفیدی نظر آتی۔ امام ابوداؤد (۷۳۴) اور امام ترمذی (۲۷۰) نے ابوحمید سے روایت کیا ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے مونڈھوں کے بالمقابل رکھتے۔

امام ابوداؤد (۷۳۵) نے حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی نماز کے طریقے سے متعلق روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنی رانوں کے درمیان جگہ چھوڑی اور اپنا پیٹ رانوں سے بالکل الگ رکھا۔ امام ابوداؤد (۸۸۶) اور

امام ترمذی (۲۶۱) وغیرہ کی روایت میں ہے: جب آپ نے سجدہ کیا تو یہ دعا تین مرتبہ پڑھی: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، آپ نے فرمایا: ''اس طرح اس کا سجدہ مکمل ہو جائے گا اور یہ کم از کم سجدہ ہے''، یعنی یہ کم از کم مکمل سجدہ ہے۔

بعض چیزوں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہے، چناں چہ عورت سجدوں کے دوران اپنے اعضا کو ایک دوسرے سے چپکائے رہے گی۔

امام بیہقی (۲۲۳/۲) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر دو عورتوں سے ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ نے فرمایا: ''جب تم سجدہ کرو تو اپنے بدن کا بعض حصہ زمین سے ملاؤ، کیوں کہ عورت اس سلسلے میں مرد کی طرح نہیں ہے''۔

۸۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا: ہر رکعت میں جلسہ کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی مذکورہ روایت ہے ''.......... پھر تم اٹھو، یہاں تک کہ حالت جلسہ میں طمانیت حاصل کرو'' سجدوں کے دلائل بھی دیکھے جائیں۔

جلسہ کی شرطیں:

جلسہ صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت رکھنا ضروری ہے:

(الف) سجدے سے اٹھ کر بیٹھنے میں عبادت مقصود ہو یعنی خوف وغیرہ کی وجہ سے نہ اٹھا ہو

(ب) کم از کم تشہد پڑھنے کے وقت سے زیادہ نہ بیٹھے۔

(ج) کم از کم ایک تسبیح کے بقدر بیٹھے یعنی طمانیت حاصل ہو۔

۹۔ جلسہ اخیرہ:

اس سے مراد نماز کی آخری رکعت میں تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھنا ہے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

۱۰۔ جلسہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا:

امام بخاری (۵۸۰۶) اور امام مسلم (۴۰۲) وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو

ہم کہتے: بیہقی (۱۳۸/۲) اور دارقطنی (۳۵۰/۱) کی روایت میں ہے کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے: ''اَلسَّلَامُ عَلَیَّ قَبْلَ عِبَادِہٖ، اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَئِیْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی مِیْکَائِیْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ'' (اللہ کے سب بندوں سے پہلے مجھ پر ہو، جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو) جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ سلام ہے، جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھ جائے تو یہ کہے: اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ترجمہ: تمام برکت وعظمت والے کلمے، تمام نمازیں اور تمام نیک اعمال اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں، اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

کم از کم تشہد یہ ہے: ''اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سَلَامٌ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ترجمہ: تمام برکت وعظمت والے کلمے اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں، اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

تشہد کے الفاظ کے سلسلے میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں، امام شافعی کے نزدیک سب سے بہتر تشہد امام مسلم (۴۰۳) وغیرہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہم کو تشہد اسی

طرح سکھاتے تھے،جس طرح ہم کو قرآن کی سورتیں سکھایا کرتے تھے،چناں چہ وہ فرماتے تھے:''**اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔**

تشہد پڑھنے میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنا ضروری ہے:

(الف) کم از کم اتنی آواز میں پڑھے کہ خود کو سنائی دے۔

(ب) پے در پے،اگر درمیان میں بڑی دیر تک خاموش رہے یا کوئی دوسرا ذکر کرے تو دوبارہ شروع سے پڑھنا واجب ہے۔

(ج) بیٹھے ہوئے تشہد پڑھے،البتہ معذور ہو تو جس حالت میں ممکن ہو پڑھے۔

(د) عربی زبان میں ہو،اگر عربی زبان میں پڑھنے سے عاجز ہو تو جس زبان میں چاہے اس کا ترجمہ پڑھ سکتا ہے،البتہ اس کو سیکھنا واجب ہے۔

(ھ) مخارج اور تشدید وغیرہ کی رعایت کرے،اگر کسی حرف کے مخرج کو بدل دے یا تشدید میں لاپرواہی برتے،یا کلمہ میں لحن کرے اور ان صورتوں میں معنی تبدیل ہو جائے تو تشہد باطل ہو جائے گا اور دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

(و) حدیث میں آئی ہوئی ترتیب کے مطابق پڑھے۔

۱۱۔آخری تشہد کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا:

یعنی تشہد اخیر میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:''**اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا**'' بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں،اے ایمان والو!تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو(الاحزاب ۵۶)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز کے علاوہ میں درود بھیجنا واجب نہیں ہے،اسی لیے نماز میں درود بھیجنا واجب ہونے کی اس آیت میں تعیین ہو جاتی ہے،ابن حبان (۵۱۵)

اور حاکم (۲۶۸/۱) نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ پر درود بھیجنے کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا گیا:ہم آپ پر نماز کی حالت میں کیسے درود بھیجیں؟ آپ نے فرمایا:تم کہو:............ ۔اس سے تعیین ہوتی ہے کہ آپ پر درود بھیجنے کی جگہ نماز ہے۔

اس کا مناسب مقام نماز کے اخیر میں ہے،چناں چہ تشہد کے بعد جلسۂ اخیرہ میں درود پڑھنا واجب ہے۔

امام ترمذی (۳۴۷۵) اور امام مسلم اور امام ابوداود (۱۴۸۱) وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے رب کی حمد وثنا سے نماز شروع کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے،اس کے بعد جو چاہے دعا کرے''

کم سے کم درود ''**اللهم صل على محمد**'' ہے اور مکمل درود یہ ہے:**اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ،اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔**

ترجمہ:۔اے اللہ محمد ﷺ پر اور محمد کے آل پر رحمت نازل فرما،جیسے تو نے ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی،بے شک تو ہی تعریف کے لائق اور بڑی بزرگی والا ہے، اور محمد اور ان کی آل پر برکت نازل فرما،جیسے تو نے ابراہیم اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی،بے شک تو ہی تمام جہانوں میں تعریف کے لائق اور بڑی بزرگی والا ہے۔

یہ درود بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے،جن کو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے،بعض روایتوں میں کمی اور بعض میں زیادتی ہے۔(بخاری ۱۳۹،مسلم ۴۰۶)

درود کی شرطیں:

درود میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنا ضروری ہے:

(الف) کم از کم اتنی آواز میں درود پڑھے کہ خود کو سنائی دے۔

(ب) لفظ محمد، رسول یا نبی کے ذریعے درود بھیجے، اگر اللھم صل علی احمد کہے تو یہ رکن ادا نہیں ہوگا۔

(ج) عربی زبان میں درود بھیجے، اگر عربی زبان میں درود بھیج نہ سکتا ہو تو کسی بھی زبان میں درود بھیجے، البتہ جلد از جلد سیکھنا ضروری ہے۔

(د) درود کے الفاظ میں ترتیب کا خیال رکھے، درود اور تشہد کے درمیان بھی ترتیب ضروری ہے، چناں چہ تشہد سے پہلے درود پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

۱۲۔ پہلا سلام پھیرنا: نمازی اپنے داہنے جانب مڑ کر ''**السلام علیکم ورحمة الله**'' کہے۔

اس کی دلیل مذکورہ روایت ہے، جس میں ہے: ''نماز کی حرمت تکبیر ہے اور اس سے حلال ہونا سلام ہے''، کم سے کم سلام ایک مرتبہ ''السلام علیکم'' کہنا ہے اور مکمل سلام یہ ہے کہ دو مرتبہ ''**السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته**'' کہے، ایک مرتبہ داہنے طرف مڑ کر اور دوسری مرتبہ بائیں طرف مڑ کر۔

امام مسلم (۵۸۲) نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کو داہنے اور بائیں جانب سلام کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں آپ کے گال کی سفیدی دیکھ لیتا۔

امام ابوداؤد (۹۹۶) وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے داہنے جانب اور بائیں جانب سلام پھیرتے، یہاں تک کہ آپ کے گالوں کی سفیدی نظر آتی: ''**السلام علیکم ورحمة الله، السلام علیکم ورحمة الله**'' (امام ترمذی ۲۹۵ نے فرمایا ہے کہ ابن مسعود کی یہ روایت حسن صحیح ہے)

۱۳۔ ان ارکان کو ترتیب کے ساتھ بجالانا: یعنی نیت اور تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرے پھر سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع، اعتدال اور سجدے کرے...... اس طرح اخیر تک نماز مکمل کرے۔

اگر ان میں سے کسی رکن کو عمداً اس کے وقت سے پہلے کرے تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر عمداً نہ کیا ہو تو یہ رکن اور اس کے بعد کی پوری نماز باطل ہو جائے گی، اس کے لیے ان تمام ارکان کو دہرانا واجب ہے۔

اگر وہ مطلوبہ ترتیب کو بدلنے کے بعد اپنی نماز جاری رکھے اور دوسری رکعت میں اسی جگہ پہنچ جائے تو دوسری رکعت پہلی رکعت شمار ہوگی، اس صورت میں وہ اپنی نماز میں ارکان کے درمیان ترتیب بگڑنے کی وجہ سے باطل ہونے والی رکعت کے بدلے ایک رکعت کا اضافہ کرے گا۔

نماز کی سنتیں

سنت کی تعریف: ہر وہ قول، فعل یا تقریر جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو۔

نماز کے کچھ ارکان اور کچھ شرائط ہیں، جن کا نماز صحیح ہونے کے لیے پایا جانا ضروری ہے، اسی طرح نماز کی چند سنتیں ہیں، ان کی ادیگی سے نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، البتہ چھوڑنے پر گناہ نہیں ہوتا، ان سنتوں کی تین قسمیں ہیں: نماز سے پہلے کی سنتیں، نماز کے دوران کی سنتیں، نماز کے بعد کی سنتیں۔

(الف) نماز سے پہلے کی سنتیں:

یہ سنتیں صرف تین ہیں۔

۱۔ اذان: اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

۲۔ اقامت: اس کی بھی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

۳۔ اپنے سامنے سترہ رکھنا: تاکہ اس کے اور گزرنے والوں کے درمیان یہ سترہ حائل بن جائے، مثلاً دیوار، ستون اور عصا وغیرہ، یا اپنے سامنے مصلی وغیرہ بچھائے، اگر کوئی چیز نہ ملے تو ایک لکیر کھینچ لے۔

امام بخاری (۴۷۲) اور امام مسلم (۵۰۱) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو اپنے سامنے نیزہ رکھنے کا حکم دیتے پھر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے، اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے، اسی طرح سفر میں بھی کیا کرتے تھے۔

بہتر اور افضل یہ ہے کہ سترہ سجدے کی جگہ کے قریب ہو، امام بخاری (۴۷۴) اور امام مسلم (۵۰۸) نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

کی نماز پڑھنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان بکری گزرنے کی جگہ کے بقدر گنجائش رہتی تھی۔

(ب) دورانِ نماز کی سنتیں:

اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنن ابعاض (۲) سنن ہیئات

ابعاض وہ سنتیں ہیں جن کو چھوڑنے کی صورت میں نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو کرنا سنت ہے جس سے اس سنت کی کمی پوری ہو جاتی ہے، ہیئات وہ سنتیں ہیں جن کو چھوڑنے کی صورت میں سجدۂ سہو کے ذریعے اس کی کمی کو پوری نہیں ہوتی، سجدۂ سہو کی تفصیلات اس باب کے اخیر میں بیان کی جائیں گی۔

سنن ابعاض:

۱۔ پہلا تشہد: اس سے مراد وہ تشہد ہے جس کے بعد سلام نہیں پھیرا جاتا، یہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کا جلسہ ہے، اس میں تشہد پڑھنا مسنون ہے۔

امام بخاری (۱۱۷۳) اور امام مسلم (۵۷۰) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد سیدھے کھڑے ہو گئے، بیٹھے نہیں، جب آپ نے نماز مکمل کی تو دو سجدے کیے۔ یعنی پہلے تشہد کے بدلے سجدۂ سہو کیا، اگر یہ رکن ہوتا تو اس کو بجالانا ضروری ہوتا اور سجدہ سہو سے اس کی کمی پوری نہیں ہوتی۔

۲۔ پہلے تشہد کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا: یہ بھی سنت ہے، اس کو چھوڑنے سے سجدوں سے کمی پوری کی جائے گی۔

۳۔ پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا: یہ تینوں الگ الگ سنتیں ہیں: بیٹھنا، اس میں تشہد پڑھنا پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔

۴۔ تشہد اخیر (جو رکن ہے) کے بعد آل نبی کے لیے دعا کرنا: یعنی جلسہ اخیرہ میں تشہد کے رکن اور نبی کریم ﷺ پر درود کے بعد آل نبی پر صلوۃ وسلام بھیجنا مسنون ہے، درود کے کلمات کے ساتھ اس کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے۔

۵۔ فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے اعتدال میں قنوت پڑھنا، اسی طرح پندرہ رمضان کے بعد کی وتر کی آخری رکعت میں قنوت پڑھنا اور قنوت نازلہ پڑھی جانے والی ہر نماز کی آخری رکعت کے اعتدال میں قنوت پڑھنا۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں برابر قنوت پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے دنیا سے کوچ فرمایا''۔

امام بخاری (۹۵۶) اور امام مسلم (۶۷۷) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، پھر ان سے پوچھا گیا: کیا رکوع سے پہلے پڑھا تھا؟ آپ نے فرمایا: رکوع کے تھوڑی دیر بعد۔

قنوت کی سنت صرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور کوئی بھی دعا کرنے سے ادا ہو جاتی ہے، مثلاً کہے: ''**اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ یَا غَفُوْرُ**'' (اے اللہ! میری مغفرت فرما، اے مغفرت فرمانے والے) لیکن کمال ادائیگی نبی کریم ﷺ سے مروی دعا کو پڑھنا ہے۔

امام ابوداؤد (۱۴۲۵) نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی، جس کو میں وتر کی نماز میں پڑھا کرتا ہوں: "**اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَاِنَّهٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ** . ترجمہ:۔ اے اللہ مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے ہدایت دی ہے اور مجھے عافیت دے، ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی ہے اور تو میرا کارساز بن جا ان لوگوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنا ہے، اور مجھے برکت عطا کر ان چیزوں میں جو تو نے مجھے عطا کی ہیں اور

مجھے اس چیز کے شر سے بچا جس کا تو نے فیصلہ کیا ہے، بیشک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا، وہ شخص کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا جس کا تو والی ہو، اور وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا جس کو تو اپنا دشمن قرار دے، اے ہمارے پروردگار تو ہی برکت والا ہے اور تو ہی بلند و برتر ہے۔

امام کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرنا مسنون ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے: (۴۶۴) یہ حدیث حسن ہے، اور فرمایا: قنوتِ وتر کے سلسلے میں ہمیں نبی کریم ﷺ سے اس سے بہتر حدیث معلوم نہیں ملی۔

امام ابوداؤد (۱۴۲۸) کی روایت میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں امامت کرتے تھے، اور رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔

امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے اٹھتے تو اپنا ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے: ''**اللھم اھدنی فیمن ھدیت**..................''۔

علماء نے ان کلمات کے اضافہ کو مستحب قرار دیا ہے: **فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا قَضَیْتَ اَسْتَغْفِرُکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ، وَصَلّٰی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ** ''(جس کا تو نے فیصلہ کیا ہے، اس کی تعریف تیرے ہی لیے ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے ہمارے آقا محمد پر جو اُمی ہیں، ان کے آل واصحاب پر اور سلامتی و برکت نازل فرمائے) کیوں کہ صحیح روایتوں سے ذکر و دعا کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا بھی ثابت ہے۔ (مغنی المحتاج ۱/۱۶۶، ۱۶۷)

قنوت کے دوران ہاتھ اٹھانا اور ہاتھوں کا اندرونی حصہ آسمان کی طرف کرنا مسنون ہے۔

سنن ہیئات:

یہ نماز کی وہ سنتیں ہیں جن کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو سے اس کی کمی پوری نہیں ہوتی،

برخلاف سنن ابعاض کے، سنن ھیئات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع کے لیے جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا: اس سنت کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں کھلی رکھ کر انگھوٹوں کو کانوں کی لو کے بالمقابل لے جائے اور قبلے کی طرف رخ کر کے اس طرح اپنے ہاتھ اٹھائے کہ ہتھیلیاں کھلی ہوئی ہوں۔

امام بخاری (۷۰۵) اور امام مسلم (۳۹۰) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ انھوں نے نماز شروع کی تو تکبیر کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے بالمقابل لے گئے، جب آپ نے رکوع کے لیے تکبیر کہی تو اسی طرح کیا، جب آپ نے **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ** کہا تو بھی اسی طرح کیا اور کہا **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ**، البتہ آپ نے نہ سجدہ کرتے وقت ایسا کیا اور نہ سجدوں سے اٹھتے وقت۔

۲۔قیام میں اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپری حصے پر رکھنا:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اور کلائی کے اوپری حصے پر رکھے اور اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے بایاں ہاتھ پکڑ کر سینے کے نیچے اور ناف سے اوپر رکھے۔

امام مسلم (۴۰۱) نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھا، پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔

نسائی کی روایت میں ہے (۱۲۶/۲): پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہتھیلی اور گٹے پر رکھا۔

۳۔سجدے کی جگہ نگاہ رکھنا:

اپنے آس پاس دیکھنا یا اوپر یا سامنے رکھی ہوئی چیز (چاہے کعبہ ہی کیوں نہ ہو) کو

دیکھنا مکروہ ہے، بلکہ اپنی نگاہوں کو ہمیشہ سجدوں کی جگہ رکھنا مسنون ہے، البتہ تشہد میں اپنی شہادت کی انگلی (جس سے تشہد کے وقت اشارہ کیا جاتا ہے) پر نگاہ رکھے۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل ہے۔

۴۔تکبیر کے بعد توجیہ پڑھنا:

توجیہ کے الفاظ: امام مسلم (۷۷۱) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تو یہ دعا پڑھتے: "**وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ**"۔

ترجمہ: میں نے اپنا رخ کر لیا اس ذات کی طرف جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، سب سے کٹ کر فرماں بردار ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

توجیہ کب پڑھی جائے گی؟

فرض اور نفل نمازوں کے شروع میں منفرد، امام اور مقتدی ہر ایک کے لیے توجیہ پڑھنا مستحب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ابھی سورہ فاتحہ شروع نہ کیا ہو، اگر سورہ فاتحہ یا تعوذ شروع کر چکا ہو تو توجیہ کی سنت فوت ہوجائے گی، پھر دوبارہ توجیہ پڑھنا مناسب نہیں ہے، چاہے بھول کر ہی چھوڑ دے۔

جنازہ کی نماز میں توجیہ پڑھنا مستحب نہیں ہے، اس فرض نماز میں بھی توجیہ پڑھنا مستحب نہیں ہے جس کا وقت بہت تنگ ہوا اور توجیہ پڑھنے سے وقت نکلنے کا اندیشہ ہو۔

۵۔توجیہ کے بعد **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھنا:

سورہ فاتحہ سے پہلے **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھے، اگر اعوذ باللہ سے

پہلے سورہ فاتحہ شروع کردے تو اعوذ باللہ کی سنت ختم ہو جائے گی، پھر تعوذ پڑھنا مکروہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** ''پس جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کے حضور مردود شیطان سے پناہ مانگو (نحل ۹۸)

۶۔جہری نمازوں میں قرآن جہراً پڑھنا اور سری نمازوں میں سراً:

مندرجہ ذیل موقعوں پر قرأت بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے: صبح کی دو رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں، جمعہ کی نماز میں، عیدین، چاند گہن، استسقاء، تراویح اور رمضان کی وتر نمازوں میں، ان تمام موقعوں پر امام اور تنہا نماز پڑھنے والا بلند آواز سے قرآن پڑھے، اس کے علاوہ دوسرے تمام موقعوں پر قرآن آہستہ پڑھے۔

امام بخاری (۷۳۵) اور امام مسلم (۴۶۳) نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا۔

امام بخاری (۷۳۳) اور امام مسلم (۴۶۴) نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے عشاء کی نماز میں نبی کریم ﷺ کو ''**والتین والزیتون** ''پڑھتے ہوئے سنا، میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت انداز میں قرآن پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا''۔

امام بخاری (۷۴۵) اور امام مسلم (۴۵۱) نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ پڑھتے تھے، دوسری روایت میں ہے: اسی طرح صبح کی نماز میں بھی پڑھا کرتے تھے۔

امام ابوداؤد (۸۲۳، ۸۲۴) اور امام نسائی (۲/۱۴۱) وغیرہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم فجر کی نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے تھے، آپ کو قرآن پڑھنا دشوار ہوگیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''

شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے''، ہم نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''تم سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو، کیوں کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں''۔ دوسری روایت میں ہے: ''جب میں قرآن بلند آواز سے پڑھوں تو تم سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو''۔ اگر کوئی اپنے امام کی قرأت سن نہ رہا ہو تو اس کے حق میں وہ سری نماز کی طرح ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اتنی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے کہ ہر موجود شخص سن سکتا تھا۔

امام بخاری (۷۱۳) نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے کسی شخص نے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرآن پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم نے پوچھا: تم کو کیسے معلوم ہوتا تھا؟ انھوں نے کہا: داڑھی کے ہلنے کی وجہ سے۔

امام بخاری (۷۳۸) اور امام مسلم (۳۹۶) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ ہر نماز میں قرآن پڑھا کرتے تھے، جن موقعوں پر آہستہ پڑھا ہے ان موقعوں پر ہم بھی آہستہ پڑھتے ہیں اور جن موقعوں پر بلند آواز سے پڑھا ہے، ہم بھی ان موقعوں پر بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

صحابہ سے ان موقعوں کے علاوہ میں بلند آواز سے پڑھنا منقول نہیں ہے۔

رات میں نفل نمازوں میں نہ بلند آواز میں پڑھے اور نہ بالکل آہستہ، بلکہ درمیانی آواز میں پڑھے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا** ''اور اپنی نماز بلند آواز میں نہ پڑھو اور نہ پست آواز میں، بلکہ ان کے درمیان کا راستہ اپناؤ (اسراء ۱۱۰) اس سے مراد رات کی نماز ہے۔

۷۔سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد آمین کہنا: ولا الضالین کے فوراً بعد آمین کہے۔

ہر نمازی کے لیے ہر نماز میں آمین کہنا سنت ہے، جہری نمازوں میں جہراً کہے اور سری نمازوں میں سراً، اور امام کی متابعت میں مقتدی بھی آمین بلند آواز سے کہے، آمین کے

معنی یہ ہیں: ''اے میرے پروردگار! تو قبول فرما''۔

امام بخاری (۷۸۰) اور امام مسلم (۴۱۰) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی کہتا ہے (مسلم کی روایت میں ہے: نماز میں کہے) آمین، تو آسمان میں فرشتے کہتے ہیں: آمین، دونوں کی آمین مل جائے تو اس کے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔

امام ابوداؤد (۹۳۴) نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ'' کی تلاوت کی تو آمین کہا یہاں تک کہ پہلی صف میں کھڑے آپ سے متصل لوگوں کو سنائی دیا۔

ابن ماجہ نے ان لفاظ کا اضافہ کیا ہے: ''اس سے مسجد گونج اٹھی''۔

۸۔سورہ فاتحہ کے بعد چند آیتوں کی تلاوت کرنا: یہ سنت قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ یا مسلسل تین آیتوں کے پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے۔

یہ صرف ہر نماز کی پہلی دو رکعتوں میں امام اور منفرد کے لیے پڑھنا مستحب ہے، مقتدی کے لیے سری نمازوں میں مستحب ہے، اور اس مقتدی کے لیے بھی مستحب ہے جو دور ہو اور امام کی قرات سن نہ رہا ہو۔

صبح اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل مثلاً سورہ حجرات اور سورہ رحمٰن وغیرہ پڑھنا، عصر اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل یعنی سورۃ الشمس اور واللیل اذا یغشی وغیرہ، اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل مثلاً قل ھو اللہ احد وغیرہ پڑھنا مسنون ہے۔ امام نسائی (۲/۱۶۷) نے حضرت سلیمان بن یسار سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھنے والے کو فلاں شخص کی طرح کسی کو نہیں دیکھا، چناں چہ ہم نے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی، وہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو طویل کرتے اور آخری دو رکعتوں کو ہلکی پڑھتے، عصر کی نماز ہلکی پڑھتے، اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھتے، عشاء میں والشمس وضحاھا اور اس طرح

کی کوئی دوسری سورت پڑھتے اور صبح کی نماز میں دو طویل سورتیں پڑھتے۔

جمعہ کے دن کی نمازِ صبح کی پہلی رکعت میں **الٓم تنزیل** اور دوسری رکعت میں **ھل اتیٰ علی الانسان** پڑھنا سنت ہے۔

امام بخاری (۸۵۱) اور امام مسلم (۸۸۰) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں **الٓم تنزیل** (سجدہ) اور دوسری رکعت میں **ھل أتیٰ علی الانسان** پڑھتے تھے''۔

تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلے میں طویل کرنا مسنون ہے، امام بخاری (۷۲۵) اور امام مسلم (۴۵۱) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلی رکعت کو طویل کرتے اور دوسری رکعت کو مختصر کرتے۔

۹۔تکبیرات انتقالی:

نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے، جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

ایک رکن سے دوسرے رکن منتقل ہوتے وقت تکبیر کہنا سنت ہے، صرف رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر کے بدلے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اللہ نے اس شخص کی بات سن لی جس نے اس کی تعریف کی، اے ہمارے پروردگار! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں) کہے، امام بخاری (۷۵۶) اور امام مسلم (۳۹۲) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، اسی طرح رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر رکوع سے اٹھتے وقت ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ''، پھر حالت قیام میں ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' کہتے، سجدوں میں جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے، پھر سجدے میں جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے، اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرتے، یہاں تک کہ نماز مکمل ہو جاتی اور دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر اٹھتے وقت بھی تکبیر کہتے۔

۱۰۔رکوع اور سجدوں میں تسبیح پڑھنا:

رکوع میں جانے کے بعد یہ دعا تین مرتبہ پڑھے: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ '' (میرے پروردگار کی ذات پاک ہے جو بڑے مرتبے والا ہے، اور اسی کی تعریف ہے) اور سجدے میں جانے کے بعد یہ دعا تین مرتبہ پڑھے: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهِ '' (میرے پروردگار کی ذات پاک ہے جو بلند ہے، اور اسی کی تعریف ہے) یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے، اگر تین مرتبہ سے زیادہ پڑھے تو افضل ہے۔

۱۱۔ تشہد کے دونوں جلسوں میں رانوں کے اگلے حصے پر ہاتھ رکھنا:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر ہاتھ پھیلائے اور گھٹنے کے سرے سے انگلیوں کے سروں کو ملا کر ران پر رکھے، اپنا داہنا ہاتھ بند کر کے ران پر رکھے، لیکن شہادت کی انگلی شروع تشہد سے ہی کھلی چھوڑ دے، جب ''اِلَّا اللّٰهُ'' پر پہنچے تو اس انگلی سے توحید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اس کو اوپر اٹھائے، اس انگلی کو نماز کے اخیر تک بغیر حرکت دیے اوپر اٹھائے رکھنا مسنون ہے۔

امام مسلم (۵۸۰) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنی داہنی ہتھیلی کو اپنے داہنے ران پر رکھتے اور اپنی تمام انگلیوں کو بھینچے رکھتے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنے بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے۔

۱۲۔ جلسۂ اخیرہ میں متورک بیٹھنا اور باقی جلسوں میں مفترش:

متورک: نمازی اپنے بائیں ران پر بیٹھے اور اپنے داہنے پیر کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں داہنے پاؤں کے نیچے سے باہر نکالے۔

مفترش: نمازی اپنے بائیں پاؤں کی ایڑی پر بیٹھے اور اپنے داہنے پاؤں کو انگلیوں کے سروں پر کھڑا کرے۔

امام بخاری (۷۹۴) نے حضرت ابوعبید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں تم میں رسول اللہ کی نماز کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں...... جب آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا

کرتے، جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو آگے کرتے (اپنے کھڑے داہنے پاؤں کے نیچے سے نکالتے) اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کرتے اور اپنی سُرین پر بیٹھ جاتے۔

امام مسلم (۵۷۹) نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے داہنے پاؤں کو اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان رکھتے اور اپنے بائیں پاؤں کو پھیلاتے''۔

۱۳۔ تشہد اخیر کے بعد درود ابراہیمی پڑھنا پھر دعا کرنا:

تشہد اخیر میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا رکن یعنی فرض ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود کے کسی بھی جملہ سے یہ رکن ادا ہو جاتا ہے۔

البتہ درود ابراہیمی پڑھنا سنت ہے، جب درود سے فارغ ہو جائے تو عذاب قبر اور عذاب جہنم سے یا صرف عذابِ جہنم سے پناہ مانگنا یا اپنے لیے جو چاہے دعا کرنا مسنون ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دعا تشہد اور درود سے لمبی نہ ہو۔

امام مسلم (۵۵۸) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی تشہدِ اخیر سے فارغ ہو جائے تو اللہ کے حضور چار چیزوں سے پناہ مانگے: جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے''۔

۱۴۔ دوسرا سلام:

پہلا سلام رکن ہے اور پہلا سلام داہنے جانب پھیرا جائے، پہلے سلام کے بعد نماز کے ارکان اور واجبات مکمل ہو جاتے ہیں، البتہ اس میں دوسرے سلام کا اضافہ کرنا مسنون ہے، یہ سلام بائیں جانب پھیرا جائے۔

امام مسلم (۵۸۲) نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کو داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے گال کی سفیدی نظر آتی۔

امام ابوداؤد (۹۹۶) وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے گال کی سفیدی نظر آتی ''السلام علیکم ورحمة الله، السلام علیکم ورحمة الله''۔

(امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

۱۵۔ پوری نماز خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا:

زبان سے ادا ہونے والی آیات، ذکر واذکار اور دعاؤں کی طرف اس طرح دل سے متوجہ رہنے کو خشوع کہتے ہیں کہ ہر چیز پر غور وخوض کرے اور اس کا دل آیات اور اذکار کے مطلب کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات اور گفتگو کر رہا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس معنی میں نماز کے کسی حصے میں خشوع کا پایا جانا ضروری ہے، اگر پوری نماز شروع سے اخیر تک غفلت کی حالت میں ادا کی جائے تو نماز باطل ہو جائے گی نماز کے تمام اجزاء اور حصوں میں خشوع کا مسلسل پایا جانا مکمل سنت ہے۔

امام مسلم (۲۲۸) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: ''جب مسلمان کو فرض نماز کا وقت ملے اور وہ اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ رکوع وغیرہ مکمل ادا کرے تو یہ نماز اس سے پہلے کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، جب کہ اس نے کوئی کبیرہ گناہ نہ کیا ہو، یہ عمل پوری زندگی ہوتا رہتا ہے۔

ان تمام سنتوں کو سنن ھیئات کہا جاتا ہے، اگر نمازی ان میں سے کوئی سنت چھوڑ دے تو سجدۂ سہو کرنا مسنون نہیں ہے، برخلاف سنن ابعاض کے، اگر نمازی سنن ابعاض میں سے کوئی سنت چھوڑ دے تو سجدہ سہو کے ذریعے اس کمی کو پورا کرنا مسنون ہے۔

(ج) ہر نماز کے بعد ادا کی جانے والی سنتیں:

ا۔ استغفار، ذکر واذکار اور دعا کرنا:

امام مسلم (۵۹۱) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور کہتے: ''**اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ**'' اے اللہ! تو سلام ہے، اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، تیری ذات بابرکت ہے، اے جلال اور اکرام والے!۔

اگر دوسروں کو تعلیم دینا مقصود ہو تو امام بلند آواز سے استغفار اور دعا کرسکتا ہے، اگر سب کو معلوم ہو تو آہستہ پڑھے، امام بخاری (۸۰۵) اور امام مسلم (۵۸۳) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فرض نماز مکمل ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کا معمول تھا۔

امام مسلم (۵۹۶) نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر فرض نماز کے بعد پڑھے جانے والے اذکار کو پڑھنے والا رسوا نہیں ہوگا، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر''، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (۵۹۷) میں ہے کہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر کہا، یہ کل ۹۹ مرتبہ ہو گیا اور سو پورا کرنے کے لیے آپ نے یہ دعا کی: ''**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے، اور اسی کے لیے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) جو کوئی اس طرح کرتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف کیے جاتے ہیں، چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں''، گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔

امام ترمذی (۳۴۷۰) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی نماز کے بعد بات کرنے سے پہلے اپنے پاؤں کو موڑے ہوئے اگر کوئی یہ دعا دس مرتبہ پڑھے: ''**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے بادشاہت ہے، اور اسی کے لیے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا

ہے اور مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) تو اس کے لیے دس
نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کیے جاتے ہیں، پورا
دن ہر ناپسندیدہ چیز سے امان میں رہتا ہے اور شیطان سے محفوظ رہتا ہے''۔

امام ابو داؤد (۱۵۲۲) نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں، پھر آپ
نے فرمایا: معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھو: ''اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ
عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ'' (اے اللہ! تیرا ذکر کرنے، تیرا شکر
بجالانے اور تیری بہترین عبادت کرنے میں میری مدد فرما)، اس کے علاوہ بھی بہت سی
دعائیں اور اذکار ہیں جن میں سے بعض ہر نماز کے بعد پڑھی جانے والی ہیں اور بعض کسی
مخصوص نماز کے بعد۔

۲۔ سنت نماز کے لیے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو جائے، جہاں فرض نماز پڑھی ہو،
تا کہ سجدے کی جگہیں زیادہ ہوں اور وہ نمازی کے حق میں گواہی دیں۔

مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو افضل یہ ہے کہ اپنے گھر جا کر نفل پڑھے، امام بخاری
(۶۹۸) اور امام مسلم (۷۸۱) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:
''لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، سب سے افضل نماز گھر میں پڑھی جانے والی نماز ہے
سوائے فرض نماز کے''۔

امام مسلم (۷۷۸) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں
سے کوئی مسجد میں اپنی نماز مکمل کرے تو اپنے گھر میں بھی نماز پڑھے، کیوں کہ اللہ اس کی نماز
کی وجہ سے بھلائی کا معاملہ کرتا ہے''۔

۳۔ جب نماز ہو جائے اور پیچھے عورتیں ہوں تو مرد عورتوں کے جانے تک اپنی
جگہوں پر بیٹھے رہیں، تا کہ اختلاط کی وجہ سے فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

امام بخاری (۸۴۸) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جب فرض نماز سے فارغ ہوتیں تو اٹھ جاتیں (مسجد سے
چلی جاتیں) رسول اللہ ﷺ اور مرد نمازی جب تک اللہ چاہتا بیٹھے رہتے، جب رسول
اللہ ﷺ اٹھتے تو مرد بھی اٹھتے۔ ان ہی سے روایت ہے (۸۳۲) کہ انھوں نے فرمایا:
رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں اٹھ جاتیں اور آپ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر
اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ اس روایت کے راوی ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: ہمارا خیال
ہے کہ آپ ﷺ ایسا اس لیے فرماتے تھے تا کہ مردوں کے دیکھنے سے پہلے عورتیں چلی
جائیں۔

نماز کے مکروہات

قاعدہ :مذکورہ سنتوں میں سے کسی سنت کی مخالفت کرنا مکروہ ہے۔

مکروہ :وہ عمل ہے جس کے چھوڑنے پر فرماں برداری کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور کرنے پر عذاب نہیں ملتا، مثلاً تکبیر انتقالی کو چھوڑنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس کو بجالانا سنت ہے، نماز کے شروع میں توجیہ چھوڑنا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ توجیہ سے نماز شروع کرنا سنت ہے بعض وہ اعمال بھی ہیں جن سے بچنا سنت ہے اور ان کا کرنا مکروہ ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔کسی ضرورت کے بغیر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا:

امام ابو داؤد (۹۰۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نماز میں بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے، جب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو اللہ اس پر سے توجہ ہٹا دیتا ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے التفات (ادھر ادھر دیکھنے) کو اپنے اس قول سے واضح کیا ہے: ''یہ بندہ کی نماز سے شیطان کا اُچکنا ہے'' (بخاری ۷۱۸) اس لیے بھی یہ مکروہ ہے کہ یہ نماز میں مطلوبہ خشوع کے منافی ہے۔

اگر ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت ہو مثلاً دشمنوں کی نگرانی کرنا ہو تو مکروہ نہیں ہے، اس کی دلیل امام ابو داؤد (۹۱۶) نے حضرت سھل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نماز کے لیے اقامت کہی گئی (صبح کی نماز میں) تو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھاتے ہوئے گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے''، ابو داؤد فرماتے ہیں کہ آپ نے رات کو ایک گھڑسوار نگرانی کے لیے گھاٹی کی طرف بھیجا تھا۔

یہ سب مسائل اس صورت میں ہیں جب صرف گردن اور چہرہ گھمائے، اگر سینہ کو

قبلہ سے ہٹائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، کیوں کہ اس صورت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا رکن چھوٹ جائے گا، البتہ صرف آنکھ سے ادھر ادھر دیکھے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ابن حبان (۵۰۰) نے حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ کے پاس آئے اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنی آنکھ کے گوشے سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدوں میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کر رہا ہے، آپ نے نماز کے بعد فرمایا: ''اس شخص کی نماز صحیح نہیں، جو اپنی پیٹھ کو سیدھی نہیں رکھتا''، یعنی رکوع میں طمانیت نہیں کرتا۔

۲۔آسمان کی طرف دیکھنا:

امام بخاری (۷۱۷) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نماز میں آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھاتے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا: ''وہ اس سے باز آئیں، ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی''، امام مسلم (۴۲۸/۴۲۹) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی معنی کی روایت کی ہے۔

۳۔نماز کے دوران بالوں سے کھیلنا اور کپڑوں کے کناروں کو کسنا:

امام بخاری (۷۷۷) اور امام مسلم (الفاظ ان ہی کے ہیں) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا کہ میں ہڈیوں پر سجدہ کروں اور کپڑوں اور بالوں کو نہ سکیڑوں''۔ سنت یہ ہے کہ کپڑوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔

۴۔کھانا موجود رہنے کی صورت میں نماز پڑھنا، جب کہ دل اس کی طرف مائل ہو، کیوں کہ اس کا دل اسی میں لگا رہتا ہے اور نماز کا خشوع ختم ہو جاتا ہے۔

امام بخاری (۶۴۲) اور امام مسلم (۵۵۹) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کسی کا رات کا کھانا رکھا جائے اور نماز کھڑی ہو جائے تو وہ پہلے کھانا کھا لے اور اس سے فارغ ہونے تک نماز کے لیے جلدی نہ کرے''۔

۵۔پیشاب یا پاخانہ روک کر نماز پڑھنا:

کیوں کہ اس حالت میں خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور نہ پیشاب اور پاخانہ روک کر" (مسلم ۵۶۰) یہاں
"نماز نہیں ہوتی" سے مراد یہ ہے کہ اس سے نماز کا کمال حاصل نہیں ہوتا۔

۶۔سخت نیند آئے تو نماز پڑھنا:

یعنی نماز صحیح طور پر نہ پڑھنے اور پڑھنے میں بھولنے کا اندیشہ ہو: امام بخاری (۲۰۹)
اور امام مسلم (۷۸۶) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا: "جب تم میں کسی کو نیند آئے (اور وہ نماز پڑھ رہا ہو) تو وہ اس وقت تک لیٹ
جائے جب تک اس کی نیند نہ چلی جائے، کیوں کہ تم میں سے کوئی نیند کی حالت میں نماز
پڑھے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ استغفار کے بجائے خود کو گالی دے"۔

۷۔مندرجہ ذیل جگہوں پر نماز پڑھنا:

حمام خانے، راستے، بازار، قبرستان، گرجا گھر، کوڑا خانے، اونٹ کے باڑھ وغیرہ
میں نماز پڑھنا، کیوں کہ ان میں سے بعض جگہوں پر نجاست کا اندیشہ ہے اور بعض جگہوں پر
دل کے مشغول ہونے کا۔

امام ترمذی (۳۴۶) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کوڑا ڈالنے کی جگہ،
جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ، قبرستان میں، گزرگاہ پر، حمام میں، اونٹ کے باڑھوں میں اور گھر
کے اوپر نماز پڑھنے سے منع فرمایا"۔ (ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے)

امام ابن حبان (۳۳۸) نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "زمین سجدہ گاہ
ہے سوائے قبرستان اور حمام کے"، یہ روایت صحیح ہے۔

ابن حبان (۳۳۶) نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اونٹوں
کے باڑھوں میں نماز نہ پڑھو" (ترمذی ۳۴۸)۔

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

مندرجہ ذیل پانچ چیزوں میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے:

۱۔عورت سجدوں میں اپنے جسم کے اعضاء کو ملائے رکھے، یعنی اپنی کہنیوں کو
پہلوؤں سے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا کر رکھے، برخلاف مردوں کے، مردوں کے
لیے اپنی کہنیوں کو پہلوؤں سے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے جدا رکھنا مسنون ہے۔

امام بیہقی (۲۳۲/۲) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گزر دو عورتوں سے ہوا
جو نماز پڑھ رہی تھیں، ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: "جب تم سجدہ کرو تو بدن کے بعض حصے کو
زمین سے چپکاؤ، کیوں کہ اس سلسلے میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے"۔

۲۔اجنبی مردوں کی موجودگی میں اپنی آواز کو پست کرے، چناں چہ جہری نمازوں
میں بھی قرآن کی تلاوت جہراً یعنی آواز سے نہ کرے، کیوں کہ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے،
اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ"
(احزاب ۳۲) چناں چہ تم بولنے میں نزاکت نہ کرو، کیوں کہ ایسے شخص کو فاسد خیال ہونے
لگتا ہے، جس کے دل میں خرابی ہو۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کی آواز سے بھی فتنے کا اندیشہ ہے، اسی
لیے اجنبی مردوں کی موجودگی میں آواز پست کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، برخلاف مردوں
کے، ان کے لیے جہراً پڑھنے کے موقعوں پر جہراً پڑھنا مسنون ہے۔

۳۔نماز کے دوران عورت کو کوئی چیز پیش آئے اور وہ کسی کو اس سے مطلع کرنا چاہے
تو وہ تالی بجائے، یعنی اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے، البتہ مردوں کے لیے ان
صورتوں میں بلند آواز سے سبحان اللہ کہنا سنت ہے، امام بخاری (۶۵۲) اور امام مسلم

(۴۲۱) نے حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی کو نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے، کیوں کہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوں گے، اورعورتوں کے لیے تصفیق (تالی بجانا) ہے“۔

۴۔چہرے اور ہتھیلیوں کو چھوڑ کر عورت کا پورا بدن ستر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ”وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا “اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، بجز ان حصوں کے جو نظر آتے ہیں (نور ۳۱)

جمہور علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زینت سے مراد عورت کے اعضاء ہیں اور ”جو ظاہر ہیں“ سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔(ابن کثیر ۳/۲۸۳)

امام ابوداؤد (۶۴۰) وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: کیا عورت زنانہ قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے، جب کہ وہ ازار نہ پہنی ہو؟ آپ نے فرمایا: ”اگر زنانہ قمیص لمبی ہو، جس سے اس کے پیروں کا اوپری حصہ چھپ جاتا ہو تو اس میں نماز پڑھ سکتی ہے“۔

یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد قیام اور رکوع کی حالت میں عورت کے پیروں کے اوپری حصے کو ڈھانکنا ہے، جو سجدوں میں خود بخود ڈھک جاتا ہے۔

البتہ مرد کے لیے ستر گھٹنے اور ناف کے درمیان کی جگہ ہے، اگر صرف ناف اور گھٹنے کے درمیان کی جگہ ڈھانپ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

امام دارقطنی (۱/۲۳۱) اور امام بیہقی (۲/۲۲۹) نے مرفوعاً روایت کیا ہے: ”گھٹنوں سے اوپر کا حصہ ستر ہے اور ناف کے نیچے کا حصہ ستر ہے“۔

امام بخاری (۳۴۶) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور فرمایا: میں نے رسول اللہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔امام بخاری کی دوسری روایت (۳۴۵) میں ہے کہ حضرت جابر رضی

اللہ عنہ نے ایک ازار میں نماز پڑھی جس کو انھوں نے ٹھڈی کی طرف سے باندھ دیا تھا“۔

۵۔عورت کے لیے اذان دینا سنت نہیں ہے، صرف اقامت کہنا سنت ہے، البتہ پست آواز میں اذان دے تو مکروہ بھی نہیں ہے، اذان کو اس کے حق میں ذکر سمجھا جائے گا اور ثواب بھی ملے گا، بلند آواز سے اذان دینا مکروہ ہے، اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔

برخلاف مردوں کے، ہر فرض نماز کے لیے اس کو اذان دینا سنت ہے۔

نماز باطل کرنے والی چیزیں

مندرجہ ذیل چیزوں سے نماز باطل ہوجاتی ہے:

۱۔عمداً باتیں کرنا:

امام بخاری (۴۲۶۰) اور امام مسلم (۵۳۹) نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ہم میں سے کوئی اپنی ضرورت کے سلسلے میں دوسروں سے گفتگو کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ'' نمازوں کی پابندی کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے رہو (بقرہ ۲۳۸) اس کے بعد ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

امام مسلم (۵۳۷) نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا، جب انھوں نے اپنی نماز میں چھینکنے والے کا جواب دیا: ''نمازوں میں لوگوں سے کوئی بات کرنا صحیح نہیں ہے، نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے''۔

نماز کو باطل کرنے والی بات یا گفتگو وہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ حروف سے بنی ہو، چاہے اس سے کوئی معنی سمجھ میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں، یا کوئی ایک حرف کا کلمہ ہو، جس سے معنی سمجھ میں آتے ہوں مثلاً قِ (بچاؤ) عِ (یاد رکھو) وغیرہ۔

اگر وہ بھول کر بات کرے یا نیا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی حرمت سے ناواقف ہو تو تھوڑی سی باتیں معاف ہیں، فقہاء نے کہا ہے کہ چھ کلمات سے زیادہ نہ ہوں۔

۲۔عمل کثیر: اس سے مراد نماز کے اعمال کو چھوڑ کر دوسرے اعمال ہیں، نماز اسی

وقت باطل ہوگی جب پے درپے کرے، کیوں کہ یہ نماز کے نظام کے منافی ہے، عمل کثیر کا قاعدہ یہ ہے کہ تین یا تین سے زیادہ مرتبہ کسی عضو کو حرکت دی جائے، پے درپے کا قاعدہ یہ ہے کہ جن اعمال کو عرف میں پے درپے سمجھا جائے، اس صورت میں نماز باطل ہوجاتی ہے

۳۔کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے:

نجاست کپڑے یا بدن کے کسی حصے پر لگے اور نمازی فوراً نجاست نہ ہٹائے، اس صورت میں نماز باطل ہوجائے گی، کیوں کہ یہ نماز کی شرطوں کے منافی ہے۔

۴۔ستر کھل جائے:

اس سے پہلے نماز کے لیے مرد اور عورت کے ستر کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اگر نمازی عمداً ستر کا کوئی حصہ کھول دے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی، اگر بغیر ارادے کے ستر کھل جائے اور فوراً اس کو بند کردے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، اگر فوراً بند نہ کرے تو نماز باطل ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں نماز کے ایک حصے میں نماز کی ایک شرط فوت ہوجائے گی۔

۵۔نماز میں کھانا یا پینا: کیوں کہ یہ دونوں نماز کے طریقے اور نظام کے منافی ہیں۔

عمداً کھائے یا پیے تو نماز باطل ہوجائے گی، چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، البتہ بھول کر کھائے پیے تو نماز اس صورت میں باطل ہوگی جب اتنا زیادہ کھائے یا پیے جس کو عرف میں زیادہ کہا جاتا ہو، فقہاء نے زیادہ کی تعیین یہ کی ہے کہ کھائی ہوئی چیز چنے کے بقدر ہو، اگر اس کے دانتوں میں کھانے کا اتنا حصہ لگا ہو، جو چنے سے کم ہو اور نمازی اس کو تھوک کے ساتھ بغیر ارادے کے نگل جائے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر نمازی کے منھ میں شکر ہو جو منھ ہی میں پگھل جائے اور اس کو نگل لے تو نماز باطل ہوجائے گی۔

۶۔پہلے سلام سے پہلے حدث لاحق ہوجائے:

چاہے عمداً لاحق ہو یا سہواً، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں

تمام ارکان کے مکمل ہونے سے پہلے نماز کی ایک شرط (حدث سے پاک ہونا) فوت ہوگئی۔

اگر پہلے سلام کے بعد دوسرے سلام سے پہلے حدث لاحق ہوجائے تو اس کی نماز صحیح ہوگی، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

۷۔ کھنکھارے، ہنسے، روئے یا آہ آہ کرے جب کہ منھ سے دو حروف نکلیں:

ان چار چیزوں سے نماز باطل ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ دو حروف ظاہر ہوجائیں، چاہے اس سے کوئی مطلب سمجھ میں نہ آئے، اگر کم ہو، یعنی کوئی حرف سنائی نہ دے یا صرف ایک حرف سنائی دے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ مغلوب نہ ہو، بلکہ عمداً کرے، اگر وہ مغلوب ہوکر ایسا کرے، مثلاً اچانک جمائی آئے یا ہنسی آئے اور روکنا اس کے قابو میں نہ ہو تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

صرف مسکرانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

ذکر اور دعا سے لوگوں کو مخاطب کرنا مقصود ہو تو نماز باطل ہوگی، مثلاً يرحمك الله کہے، کیوں کہ اس صورت میں وہ گفتگو ہوگی اور نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔

۸۔ نیت بدل جائے:

نمازی نماز سے نکلنے کا ارادہ کرے یا نماز سے نکلنے کو کسی کام پر موقوف کرے، مثلاً کوئی شخص آئے تو میں نماز سے نکلوں گا، اس صورت میں صرف ارادہ کرنے سے ہی نماز باطل ہوجائے گی۔

نماز باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ نماز صحیح ہونے کے لیے پختہ نیت کا ہونا ضروری ہے اور اس طرح ارادہ کرنا پختہ نیت کے منافی ہے، اسی لیے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

۹۔ قبلے سے رخ بدلے:

کیوں کہ قبلے کی طرف رُخ کرنا نماز کی بنیادی شرط ہے، چاہے عمداً کرے یا کوئی شخص زبردستی اس کا رخ قبلے سے پھیر دے، البتہ عمداً کرنے کی صورت میں اس کی نماز فوراً باطل ہوجائے گی، اگر کوئی زبردستی پھیر دے تو اس کی نماز اسی صورت میں باطل ہوگی جب

وہ اسی حالت میں بڑی دیر تک رہے، اگر جلدی سے قبلے کی طرف دوبارہ رخ کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی، اس کی تعیین عرف سے ہوگی کہ اس نے فوراً قبلے کی طرف رخ کیا ہے، یا بڑی دیر تک اسی حالت میں رہا ہے۔

سجدۂ سہو

سہو کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز کو بھول جانا اور اس سے غفلت برتنا۔

یہاں سہو سے مراد وہ کمی ہے جس کو نمازی اپنی نماز میں کرتا ہے، چاہے عمداً کرے یا بھولے سے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے نماز کے اخیر میں سجدے کیے جاتے ہیں، جن کو سجدۂ سہو کہا جاتا ہے۔

سجدہ سہو کا حکم: سجدہ سہو کا کوئی سبب پایا جائے تو سجدہ کرنا سنت ہے، اگر سجدہ نہ کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی اور سجدہ کرنا واجب بھی نہیں ہے، کیوں کہ کوئی واجب چھوٹا نہیں ہے، اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

امام بخاری (۱۱۶۹) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ہم کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرا تو ذوالیدین نے کہا: اللہ کے رسول! کیا نماز مختصر ہوگئی؟ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا یہ صحیح کہہ رہے ہیں''؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، پھر آپ نے آخری دو رکعتیں پڑھی پھر دو سجدے کیے

سجدۂ سہو کب کیا جاتا ہے؟

۱۔ سنن ابعاض میں سے کوئی سنت چھوٹ جائے مثلاً پہلا تشہد اور قنوت۔

امام بخاری (۱۱۶۶) اور امام مسلم (۵۷۰) نے حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز کی دو رکعتیں پڑھی، (دوسری روایت میں ہے: ظہر کی دو رکعتوں سے کھڑے ہوگئے) اور بیٹھے بغیر کھڑے ہوگئے، چناں چہ سب لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، آپ نے نماز مکمل کی اور ہم آپ کے سلام کے انتظار

میں تھے، لیکن آپ نے سلام سے پہلے تکبیر کہی اور بیٹھے ہی دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

ابن ماجہ (۱۲۰۸) اور ابوداؤد (۱۰۳۶) وغیرہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی دو رکعت کے بعد اٹھ جائے اور مکمل طور پر نہ اٹھے تو وہ بیٹھ جائے، اگر مکمل طور پر کھڑا ہوجائے تو نہ بیٹھے، بلکہ سجدہ سہو کرے''۔

۲۔ رکعتوں کی تعداد میں شک ہوجائے:

اس صورت میں کم تعداد کا اعتبار کیا جائے گا اور باقی رکعتیں پوری کی جائیں گی پھر اس احتمال کے بدلے سجدہ سہو کیا جائے گا کہ اس نے نماز میں زیادتی کی ہے، اگر کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوجائے کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت اور وہ نماز میں ہی ہو تو تین رکعتوں کا اعتبار کر کے ایک رکعت زیادہ پڑھے گا اور اس احتمال کے بدلے سجدہ سہو کرے گا کہ اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہے۔

امام مسلم (۵۷۱) نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہوجائے اور اس کو معلوم نہ رہے کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار، تو وہ اپنا شک چھوڑ دے اور یقین کا اعتبار کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے''۔

اگر نماز سے نکلنے کے بعد شک ہوجائے تو اس شک کا کوئی اثر نماز کے صحیح اور مکمل ہونے پر نہیں ہوتا، البتہ نیت اور تکبیر تحریمہ میں شک ہوجائے تو نماز دہرانا لازم ہے۔

امام کی اقتدا کے دوران مقتدی کو سہو ہوجائے، مثلاً پہلا تشہد پڑھنا بھول جائے تو امام کے سلام کے بعد مقتدی سجدہ سہو نہیں کرے گا، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''امام ضامن ہے''۔ (ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۳۶۲)

۳۔ کسی ممنوع چیز کو سہواً کرنا، اگر عمداً کرے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی:

مثلاً بھول کر چند کلمات بولے یا ایک رکعت زائد کرے، پھر نماز کی حالت میں ہی

اس کو یاد آئے تو وہ سجدہ سہو کرے۔

۴۔ نماز کا کوئی رکن یا سنت ابعاض یا سورہ کو اس کی جگہ کرنے یا پڑھنے کے بجائے دوسرے موقع پر کرنا یا پڑھنا:

مثلاً سورہ فاتحہ کو جلسہ میں پڑھنا یا رکوع میں قنوت وتر پڑھنا یا کسی سورہ کو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بجائے اعتدال میں پڑھنا، ان صورتو ں میں نماز کے اخیر میں سجدہ سہو کرنا سنت ہے۔

سجدۂ سہو کا طریقہ:

سجدۂ سہو نماز کے سجدوں کی طرح ہی دو سجدے ہیں، سجدہ سہو کرتے وقت نمازی اس کی نیت کرے، اگر نمازی سجدوں سے پہلے عمداً یا بھول کر سلام پھیرے اور وقفہ زیادہ نہ ہو تو وہ سہو کی نیت سے دو سجدے کر سکتا ہے البتہ سجدوں کے بعد دوبارہ سلام پھیرے۔

سجدۂ سہو کی دعا:

سُبْحَانَ مَنْ لَا يَنَامُ وَلَا يَسْهُوْ.

اللہ کی ذات پاک ہے جو نہ سوتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

سجدۂ تلاوت

آیتِ سجدہ پڑھنے والے کے لیے نماز میں اور نماز کے علاوہ سجدۂ تلاوت کرنا مسنون ہے۔

امام بخاری (۱۰۲۵) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سجدہ والی کوئی آیت پڑھتے تو سجدہ فرماتے اور ہم بھی سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہیں پاتا۔

ابو داؤد (۱۴۱۳) کی روایت میں ہے: نبی کریم ﷺ قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جب آپ آیت سجدہ سے گزرتے تو تکبیر کہہ کر سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔

امام مسلم (۸۱) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان کنارے ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے بربادی، ابن آدم کو سجدوں کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا، جس کا بدلہ اس کے لیے جنت ہے، اور مجھے سجدوں کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی جس کی سزا میرے لیے جہنم ہے''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ نے ہم پر سجدوں کو فرض نہیں کیا، البتہ کوئی چاہے تو کر سکتا ہے۔

آیاتِ سجدہ کی تعداد:

قرآن میں آیاتِ سجدہ چودہ (۱۴) ہیں، وہ مندرجہ ذیل سورتو ں میں ہیں: سورہ

اعراف، رعد، نمل، اسراء، مریم، حج میں دوسجدے، فرقان، نمل، الم تنزیل، حم سجدہ، نجم، انشقاق اور علق۔

جوکوئی سجدہ تلاوت کرنا چاہے، وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے، پھر ہاتھ اٹھائے بغیر سجدہ میں جانے کے لیے تکبیر کہے اور نماز کے سجدوں کی طرح صرف ایک سجدہ کرے، پھر سلام پھیرے، سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر تحریمہ اور سلام شرط ہے، اس کے لیے نماز کی شرطوں کا پایا جانا بھی شرط ہے، مثلاً طہارت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔(ابوداود وترمذی)

میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اپنی قدرت اور طاقت سے اس کو پیدا کیا، اس کی تصویر بنائی، اس کے کان اور آنکھیں بنائی، پس اللہ کی ذات بابرکت ہے جو سب سے بہترین پیدا فرمانے والا ہے۔

جماعت

جماعت کی ابتدا کب ہوئی:

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد جماعت کے ساتھ نماز شروع کی، جب کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک بغیر جماعت کے نماز پڑھتے رہے، کیوں کہ صحابہ مظلوم تھے، وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے، جب نبی کریم ﷺ مدینہ چلے گئے تو جماعت قائم کی اور اس کی پابندی کرنے لگے۔

جماعت کا حکم:

صحیح قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ دوسری تمام فرض نمازوں کے لیے جماعت فرض کفایہ ہے، کسی شہر والوں سے جماعت کی فرضیت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک اس کے شعار کا اظہار نہ ہو، اگر مطلقاً کسی شہر میں جماعت قائم نہ کی جائے یا چھپ کر جماعت قائم کی جائے تو شہر کے سب لوگ گنہ گار رہوں گے اور حاکمِ وقت کے لیے ان سے جنگ کرنا ضروری ہوگا۔

جماعت کی مشروعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ'' جب تم ان میں رہو تو ان کے لیے نماز قائم کرو اور ان میں سے چند لوگ تمہارے ساتھ کھڑے ہو جائیں (نساء ۱۰۲) یہ صلاۃ الخوف کے سلسلے میں حکم ہے، جب جماعت قائم کرنے کا حکم خوف کے موقع پر ہے تو بدرجہ اولی یہ حکم امن وامان کے موقع پر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے'' (بخاری ۶۱۸، مسلم ۶۵۰)

امام ابوداؤد (۵۴۷) اور امام ابن حبان (۴۲۵، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کسی گاؤں یا دیہات میں تین لوگ ہوں اور وہاں جماعت قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے، چناں چہ تم پر جماعت قائم کرنا ضروری ہے، کیوں کہ بھیڑیا ریوڑ سے الگ بکری کو کھاجاتا ہے''۔

جماعت کی مشروعیت کی حکمت:

حق کو ثابت اور باطل کو ختم کرنے کے لیے مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعارف، بھائی چارگی، اور تعاون پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، یہ تعارف اور بھائی چارگی مسجد سے زیادہ بہتر طور پر کسی اور میدان میں مکمل طور پر حاصل نہیں ہوسکتی، جہاں مسلمان ہر دن پانچ مرتبہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے دنیوی مفادات میں کتنا ہی بڑا فرق کیوں نہ ہو، اس سے بھی بڑھ کر ان کے دلوں میں بغض وحسد بھی ہو کیوں نہ ہو، لیکن جماعت کے ساتھ نمازوں میں ان کی مسلسل ملاقات تفرقہ اور اختلافات کے پردوں کو چاک کردیتی ہے اور ان کے دلوں سے بغض وحسد اور کینہ کو ختم کردیتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھنے والے حقیقی مومن ہوں، صرف دکھانے کے لیے نماز پڑھنے والے، عبادت کرنے والے اور مسجدوں میں آنے والے منافق نہ ہوں۔

ترکِ جماعت کے اعذار:

اعذار دو قسم کے ہیں: عام اعذار اور خاص اعذار۔

☆ **عام اعذار**: بارش، رات کے وقت ہوائی آندھی اور راستے میں سخت کیچڑ وغیرہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سخت ٹھنڈی اور تیز ہواؤں والی رات نماز کے لیے اذان دی، پھر فرمایا: سن لو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے سخت

ٹھنڈک اور بارش والی رات موذن کو یہ کہنے کا حکم دیا: ''سن لو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو''۔

☆ **خاص اعذار**: مثلاً بیماری، سخت بھوک اور پیاس، جان یا مال پر کسی ظالم کا خوف، پیشاب یا پاخانے کی ضرورت۔

امام بخاری (۶۴۲) اور امام مسلم (۵۹) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا رکھا ہوا ہو اور نماز کھڑی ہوجائے تو وہ پہلے کھانا کھائے، نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ وہ کھانے سے فارغ ہوجائے''۔

امام مسلم (۵۶۰) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے، اور نہ پیشاب پاخانہ روک کر''۔

اسی طرح جماعت میں شریک ہونے کی صورت میں قرض خواہ کے پیچھے پڑنے کا خطرہ ہو، جب کہ وہ تنگ دست ہو اور قرض ادا کرنے کی طاقت نہ ہو، یا کوئی بدبودار چیز کھایا ہو یا گندے کپڑے پہنا ہو، جس کی گندگی یا بدبو کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو، ان صورتوں میں جماعت چھوڑنا جائز ہے۔

امام بخاری (۸۱۷) اور امام مسلم (۵۶۴) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی لہسن کھائے، وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے''، دوسرے تمام اعذار کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

امامت صحیح ہونے کی شرطیں:

امام میں چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مقتدی اپنے امام کی نماز باطل ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو:

مثلاً دو آدمی قبلہ کی سمت کے سلسلے میں اجتہاد کریں اور ہر ایک الگ الگ قبلہ تجویز کرے تو ایک دوسرے کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو قبلہ کی سمت کے سلسلے میں خطا کار سمجھ رہا ہے اور اس سمت کی طرف رخ کرکے دوسرے کی نماز کو صحیح نہیں سمجھ رہا ہے۔

۲۔امام ان پڑھ اور مقتدی پڑھا لکھا نہ ہو:

یہاں ان پڑھ سے مراد وہ ہے جو صحیح طور پر سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکتا ہو یعنی کوئی حرف یا تشدید وغیرہ چھوڑ دیتا ہو، اگر مقتدی بھی ان پڑھ ہو تو ایک دوسرے کی اقتدا کرنا جائز ہے۔

۳۔امام عورت اور مقتدی مرد نہ ہو:

اگر مقتدی عورت ہو تو وہ ایک دوسرے کی امامت اور اقتدا کر سکتی ہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے''۔(ابن ماجہ)

امام کو مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف رہنا مستحب ہے:

امام لوگوں میں فقہ کے مسائل سے سب سے زیادہ واقف، قاری، صالح اور عمر رسیدہ ہو، جس میں یہ صفات زیادہ پائی جائیں گی اس کے پیچھے نماز زیادہ افضل ہے اور اس سے ثواب زیادہ حاصل ہوگا۔

امام مسلم (۶۱۳) نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کی امامت ان میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ پڑھنے والا کرے، اگر سب یکساں پڑھے ہوئے ہوں تو سنت سے سب سے زیادہ واقف شخص نماز پڑھائے، اگر سنت میں بھی سب یکساں ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا پڑھائے، اگر ہجرت میں بھی سب یکساں ہوں تو سب سے عمر رسیدہ نماز پڑھائے''۔

باوضو شخص کے لیے تیمم یا موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے، اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا، بچے کی اقتدا میں بالغ، بیمار کی اقتدا میں صحت مند اور فرض پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتدا اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والی کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتا ہے۔

اقتدا کا طریقہ:

اقتدا صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔مقتدی امام سے آگے نہ ہو:

اگر مقتدی امام سے آگے ہو تو اس کی اقتدا باطل ہو جائے گی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''امام اقتدا اور اتباع کے لیے امام بنایا گیا ہے'' (بخاری ۶۵۷، مسلم ۴۱۱) اتباع اور اقتدا اسی وقت ہوگی جب تابع پیچھے ہو، البتہ دونوں یکساتھ کھڑے ہو جائیں تو اقتدا صحیح ہوگی، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، بلکہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا رہنا مستحب ہے، اگر امام سے آگے بڑھ جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، آگے اور پیچھے ہونے میں اعتبار ایڑی کا ہوگا۔

اگر مقتدی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے صف بنائیں، اگر مقتدی ایک ہو تو داہنے جانب کھڑا رہے، اگر دوسرا مقتدی آئے تو بائیں جانب کھڑا رہے، پھر دونوں پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جائیں یا امام آگے چلا جائے۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں آپ کے داہنے جانب کھڑا ہو گیا، پھر جابر بن صخر آکر آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔

امام اور مقتدی کے درمیان تین ذراع (۵۰ سینٹی میٹر) سے زیادہ جگہ نہ رہنا مسنون ہے، اسی طرح دو صفوں کے درمیان میں بھی ۵۰ سینٹی میٹر سے زیادہ جگہ نہ رہنا مندوب ہے

اگر مقتدیوں میں مرد اور عورتیں ہوں تو پہلے مرد صف بنائیں پھر عورتیں، اگر مقتدی ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کے داہنے جانب صف بنائے اور عورت مرد کے پیچھے۔

عورتوں کی جماعت ہو تو ان کی امام درمیان میں کھڑی رہے گی، کیوں کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے یہی ثابت ہے (اس کو امام بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

مقتدی کے لیے تنہا صف میں کھڑا رہنا مکروہ ہے، اگر اگلی صف میں گنجائش ہو تو صف میں شامل ہو جائے، اگر اگلی صف میں گنجائش نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے

بعد اگلی صف سے کسی شخص کو کھینچ کر پیچھے لے آئے (اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا ممنوع ہے) اگلی صف سے جس شخص کو کھینچا جائے، اس کے لیے اپنے بھائی کا تعاون کرنے کے لیے پچھلی صف میں آنا مستحب ہے، تا کہ بھلائی اور خیر کے کاموں میں تعاون کا ثواب حاصل ہو۔

۲۔ مقتدی نماز کے تمام فعلی ارکان میں امام کی متابعت کرے:

مقتدی کے عمل کی ابتدا امام کے عمل کے بعد ہو اور امام کے فارغ ہونے سے پہلے مقتدی کا عمل شروع ہو، مقتدی کا امام سے ایک رکن پیچھے رہنا مکروہ ہے، اگر دو تین رکن پیچھے رہے مثلاً امام رکوع کر کے اعتدال کرے، پھر سجدے میں جا کر جلسہ کرے اور مقتدی کسی عذر کے بغیر کھڑا ہی رہے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔

پیچھے رہنے کا کوئی عذر ہو، مثلاً وہ بہت آہستہ پڑھنے والا ہو تو وہ امام سے تین رکن پیچھے رہ سکتا ہے، اگر تین رکن سے زیادہ پیچھے رہے تو اس کے لیے اپنے رکن کو چھوڑ کر امام کی اتباع کرنا واجب ہے، پھر وہ امام کے سلام کے بعد باقی ارکان پورا کرے۔

۳۔ امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن منتقل ہونے سے واقف ہو: یا تو امام کو دیکھ رہا ہو یا اپنی اگلی صف کو دیکھ رہا ہو یا مبلغ کی آواز سن رہا ہو۔

۴۔ امام اور مقتدی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہ ہو:

یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسجد میں نہ ہوں، اگر دونوں مسجد میں ہوں تو ان دونوں کے درمیان جتنا بھی فاصلہ ہو تو اقتدا صحیح ہو گی۔

اگر دونوں مسجد کے باہر ہوں یا امام مسجد میں ہو اور مقتدی مسجد سے باہر، تو اس صورت میں یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

اس کے قواعد مندرجہ ذیل ہیں:

أ۔ اگر امام اور مقتدی کھلی جگہ پر ہوں، مثلاً صحراء وغیرہ میں تو ان دونوں کے درمیان تین ذراع ہاشمی یعنی ۱۵۰ میٹر سے زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

ب۔ اگر دونوں ایک ہی عمارت میں ہوں، مثلاً دو کمروں میں ہوں یا ایک کمرے اور دوسرا صحن میں ہو تو مذکورہ شرط کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ دونوں جگہیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں، چاہے امام کی عمارت مقتدی کی جگہ سے داہنے ہو یا بائیں۔

۳۔ امام مسجد میں ہو اور بعض مقتدی مسجد سے باہر ہوں تو شرط یہ ہے کہ مسجد کے کنارے اور پہلے مقتدی کے درمیان تین سو ذراع ہاشمی سے زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

۵۔ مقتدی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے یا امام کی اقتدا کرنے کی نیت کرے:

اس کے لیے شرط یہ ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہو، اگر اقتدا کی نیت نہ کرے اور فعلی ارکان میں امام کی اتباع کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جب کہ اس کو بہت زیادہ انتظار کرنا پڑے، اگر بغیر ارادے کے اتفاقاً امام کے ساتھ ساتھ تمام ارکان ہو جائیں یا امام کا انتظار زیادہ کرنا نہ پڑے تو نماز باطل نہیں ہو گی، البتہ امام کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مستحب ہے، تا کہ اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو، اگر وہ امامت کی نیت نہ کرے تو اس کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا کیوں کہ آدمی کو اس کے عمل کا ثواب نیت کے مطابق ہی ملتا ہے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو وہ نیت کرتا ہے'' (بخاری ۱، مسلم ۱۹۰۷)

مقتدی کو جماعت کا ثواب اس وقت ملے گا جب امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اس کے ساتھ ملے، تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا افضل ہے۔

مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے تو اس کو رکعت مل جائے گی، اگر رکوع کے بعد امام کے ساتھ ملے تو وہ رکعت چھوٹ جائے گی اور مقتدی امام کے سلام کے بعد چھوٹی ہوئی رکعت مکمل کرے گا۔

مسافر کی نماز

جمع اور قصر کا بیان:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' اور اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تکلیف نہیں رکھی (الحج ۷۸) یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے احکام مشروع نہیں کیے جن میں سختی اور زیادہ محنت ہو، جس کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی اٹھانی پڑے، جب بھی مسلمان کو تکلیف ہوتی ہے تو اللہ اس کے لیے کشادگی پیدا فرماتا ہے، تاکہ اس کے احکام قابلِ برداشت اور قابلِ قبول ہوں۔

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، اس میں انسان کو اطمینان اور استقرار نہیں رہتا اور اس کو راحت کے اسباب مہیا نہیں رہتے، چاہے سفر جس طرح کا بھی ہو اور جس کام کے لیے بھی کیا جائے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے اپنے بہت سارے احکام میں تخفیف کی ہے، ان میں سے ایک نماز بھی ہے۔

مسافر کی نماز کا طریقہ:

اللہ نے مسافر کے لیے نماز میں دو طرح کی چھوٹ دی ہے:

۱۔ قصر: قصر یہ ہے کہ چار رکعت والی نمازوں: ظہر، عصر اور عشاء میں چار کے بدلے دو رکعتیں پڑھی جائیں۔

قصر کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ'' جب تم سفر میں رہو تو تمہارے لیے نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (نساء ۱۰۱)

امام مسلم (۶۸۶) وغیرہ نے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز کو قصر کرو، اگر تم کو کافروں کی طرف سے فتنہ کا خوف ہو۔ اب تو امان ہو چکا ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایک صدقہ ہے، جو اللہ نے تم پر کیا ہے، چناں چہ تم اس کا صدقہ قبول کرو''۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں قصر خوف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

قصر صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ نماز سفر میں واجب ہوئی ہو اور سفر میں ہی پڑھ رہا ہو۔

چناں چہ جس نماز کا وقت سفر شروع کرنے سے پہلے شروع ہو چکا ہو پھر وہ نماز پڑھنے سے پہلے سفر کرے تو اس نماز کی قصر جائز نہیں ہے، کیوں کہ نماز فرض ہوتے وقت وہ مسافر نہیں تھا۔

اسی طرح وہ نماز جس کا وقت سفر کی حالت میں شروع ہوا ہو، لیکن اس کو اپنے شہر آنے سے پہلے نہ پڑھا ہو تو اس نماز کی قصر جائز نہیں ہے، کیوں کہ نماز کی ادائیگی کے وقت وہ مسافر نہیں ہے اور قصر مسافر کے لیے ہے۔

۲۔ جس شہر سے سفر کر رہا ہو وہاں کی آبادی سے نکل چکا ہو: کیوں کہ جو آبادی کے اندر موجود ہے، وہ مسافر نہیں ہے، یعنی سفر اسی وقت شروع ہوتا ہے، جب وہ ان حدود سے نکل جائے، اسی طرح ان حدود میں واپس آنے کے بعد اس کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔

امام بخاری (۱۰۳۹) اور امام مسلم (۶۹۰) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی''، ذوالحلیفہ مدینہ کی آبادی سے

باہر ہے۔

۳۔ مسافر کسی شہر میں داخل ہونے اور وہاں سے واپس ہونے کے دنوں کو چھوڑ کر چار دن رہنے کا ارادہ نہ کرے:

اگر چار دن رہنے کی نیت کرے تو وہ جہاں گیا ہے وہ شہر اس کے وطن اور محلِ اقامت کے حکم میں ہوگا، پھر اس کے لیے وہاں قصر کرنا جائز نہیں ہے اور اس کو قصر کا حق صرف راستے میں ہوگا۔

اگر چار دن سے کم رہنے کی نیت کرے یا کسی کام کی وجہ سے رہنے کی مدت معلوم نہ ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس کا کام کب مکمل ہوگا تو پہلی صورت میں اپنے شہر کی آبادی کے حدود میں آنے تک قصر کرسکتا ہے اور دوسری صورت میں داخل ہونے یا باہر نکلنے کے دو دن چھوڑ کر ۱۸ دن تک قصر کرسکتا ہے۔

امام ابوداؤد (۱۲۲۹) نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ کی معیت میں جنگ کی اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوا، چناں چہ آپ نے مکہ میں اٹھارہ دن قیام کیا، اس دوران آپ دو دو رکعت ہی نماز پڑھتے رہے"، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں فتح مکہ کے سال قبیلہ ہوازن کے ساتھ جنگ کے لیے قیام کیا تو نماز میں قصر کرتے رہے اور آپ کو معلوم نہیں تھا کہ کتنی مدت رہنا پڑے گا۔

۴۔ کسی مقیم کی اقتدا نہ کرے:

اگر مقیم کی اقتدا کرے تو نماز مکمل کرنا یعنی چار رکعت پڑھنا ضروری ہے، اس کے لیے قصر کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ مسافر کی اقتدا میں مقیم نماز پڑھ سکتا ہے اور مسافر کے لیے قصر کرنا بھی جائز ہے اس صورت میں مسافر کے لیے مسنون ہے کہ وہ دو رکعت مکمل کر کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے کہے: آپ نماز مکمل کرلیں، میں مسافر ہوں۔

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا: مسافر کا کیا مسئلہ ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھتا ہے تو دو رکعت کرتا ہے اور مقیم کی اقتدا کرتا ہے تو چار رکعت پڑھتا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہی سنت ہے۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں آیا ہے: اور وہ کہے: "شہر والو! چار رکعت نماز پڑھو، کیوں کہ ہم مسافر ہیں"۔

۲۔ جمع بین الصلاتین:

امام بخاری (۱۰۵۶) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے سفر کی حالت میں ظہر وعصر، مغرب وعشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی۔

امام مسلم (۷۰۵) نے ان ہی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں جمع بین الصلاتین کیا، چناں چہ ظہر وعصر، اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع کر کے نماز پڑھی۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ نے اس طرح کیوں کیا؟ انھوں نے فرمایا: آپ نے چاہا کہ اپنی امت کو تکلیف نہ ڈالیں۔

جمع بین الصلاتین کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جمع تقدیم   ۲۔ جمع تاخیر

جمع تقدیم: بعد والی نماز پہلے والی نماز کے وقت میں مقدم کر کے پڑھی جائے۔

جمع تاخیر: پہلے والی نماز موخر کر کے بعد والی نماز کے ساتھ پڑھی جائے۔

امام ابوداؤد (۱۲۰۸) اور امام ترمذی (۵۵۳) وغیرہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک میں تھے، جب آپ سورج بلند ہونے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو موخر کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے، جب آپ سورج کے زوال کے بعد سفر کرتے تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھتے پھر سفر شروع کرتے، آپ جب

مغرب سے پہلے سفر کرتے تو مغرب کی نماز موخر کر کے عشاء کے ساتھ پڑھتے، جب مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ پڑھتے۔

ظہر کی نماز عصر کے ساتھ اور مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ پڑھی جائے گی، صبح کی نماز کو اس سے پہلے کی نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان جمع کرنا صحیح نہیں ہے۔

جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کے لیے الگ الگ شرطیں ہیں، جن کی رعایت کرنا ضروری ہے، وہ شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

جمع تقدیم کی شرطیں:

۱۔ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنا: یعنی وقت والی نماز پہلے پڑھے پھر اس کے بعد دوسری نماز پڑھے۔

۲۔ پہلی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوسری نماز کو پہلی نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کی نیت کرے، لیکن پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی نیت کرنا مسنون ہے۔

۳۔ دونوں نمازوں کو پے در پے پڑھے، یعنی پہلی نماز سے فارغ ہونے کے فوراً بعد دوسری نماز شروع کرے، ان کے درمیان کوئی ذکر نہ کرے اور کوئی سنت نماز نہ پڑھے، اگر کسی بھی وجہ سے طویل وقفہ ہو یا کسی چیز میں مشغول رہے تو جمع باطل ہو جائے گا اور دوسری نماز کو اس کے وقت تک موخر کر کے پڑھنا ضروری ہوگا۔

امام بخاری (۱۰۴۱) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ جلدی سفر کرتے تو مغرب کی نماز موخر کرتے اور تین رکعت پڑھتے، پھر سلام پھیرتے پھر بہت ہی کم وقت میں عشاء کی نماز شروع کرتے اور دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔

۴۔ سفر دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک جاری رہے، یعنی دوسری نماز کے وقت کے دوران اپنے شہر پہنچے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جمع تاخیر کی شرطیں:

۱۔ پہلی نماز کے وقت میں ہی جمع تاخیر کی نیت کرے، اگر ظہر کے وقت میں سفر پر نکلے اور عصر کے ساتھ جمع تاخیر کی نیت نہ کرے تو ظہر کی نماز قضا ہو جائے گی اور تاخیر کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار ہوگا۔

۲۔ اس کا سفر دونوں نمازوں سے فارغ ہونے تک جاری رہے، اگر ان میں سے کوئی نماز سفر ختم ہونے کے بعد پڑھے تو بعد میں پڑھی جانے والی نماز قضا ہوگی۔

جمع تاخیر میں ترتیب شرط نہیں ہے، بلکہ جو چاہے نماز پہلے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح پے در پے پڑھنا بھی جمع کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، البتہ سنت ہے۔

قصر اور جمع جائز ہونے کی شرطیں:

۱۔ سفر طویل ہو یعنی ۸۱رکلومیٹر یا اس سے زیادہ ہو، اس سے کم سفر ہو تو جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے "**في كم تقصر الصلاة**" کے باب میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم چار برد یعنی ۱۶رفرسخ کا سفر ہو تو قصر کرتے تھے اور رمضان کے روزے چھوڑ دیتے تھے، یہ تقریبا ۸۱رکلومیٹر ہوتا ہے، دونوں نبی کریم ﷺ کی پیروی میں اس طرح کیا کرتے تھے۔

۲۔ کسی متعین جگہ کا سفر ہو، جو بذاتہ خود مقصود ہو، کیوں کہ اس شخص کے سفر کا کوئی شمار نہیں جس کے سفر کی منزل متعین نہ ہو، اسی طرح اس شخص کے سفر کا بھی اعتبار نہیں ہے جو اپنے قائد کے تابع ہو اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اس کو قائد کہاں لے جا رہا ہے۔

یہ شرط اس وقت ہے جب آدمی مسافتِ قصر تک نہ پہنچا ہو، اگر مسافتِ قصر طے ہو جائے تو قصر کر سکتا ہے، کیوں کہ اس صورت میں سفر کی طوالت کا یقین ہو جاتا ہے۔

۳۔ سفر کسی گناہ کے کام کے لیے نہ ہو، اگر گناہ کے کام کے لیے ہو تو وہ سفر شمار نہیں ہوگا، مثلاً شراب کی تجارت یا سودی کاروبار یا ڈاکہ ڈالنے کے لیے سفر کرے، کیوں کہ قصر رخصت ہے، اسی وجہ سے گناہ کے کام کے لیے قصر جائز نہیں ہے۔

بارش کی صورت میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

بارش کی صورت میں جمع تقدیم کرنا جائز ہے۔

امام بخاری (۵۱۸) اور امام مسلم (۷۰۵) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات آٹھ دن مدینہ میں ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی، امام مسلم کی روایت میں ہے: کسی خوف اور سفر کے بغیر۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ حدیث کے ایک راوی ایوب نے کہا: شاید بارش کی رات آپ نے جمع کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا: شاید، امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ اپنی امت کے کسی فرد کو تکلیف میں نہ رکھیں۔

جمع تاخیر جائز نہیں ہے، کیوں کہ بارش رُک بھی سکتی ہے، اس صورت میں کسی عذر کے بغیر نماز کو اپنے وقت سے موخر کر کے پڑھنا ہوگا۔

بارش کی صورت میں جمع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ نماز جماعت کے ساتھ دور والی مسجد میں پڑھی جا رہی ہو، جہاں پہنچنے میں بارش کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہو۔

۲۔ بارش پہلی نماز کے سلام پھیرنے تک جاری رہے۔

صلاۃ الخوف

خوف امن کا ضد ہے، اور صلاۃ الخوف سے مراد وہ نماز ہے جو دشمنوں کے خلاف جنگ کی حالت میں پڑھی جائے، اس نماز میں بہت سی رخصتیں اور آسانیاں ہیں، خصوصاً جماعت کے سلسلے میں، جو دوسری نمازوں میں پائی نہیں جاتیں۔

اس کی دلیل آیتیں اور احادیث ہیں، جو اس نماز کے حالات اور طریقے کے سلسلے میں آئی ہیں۔

صلاۃ الخوف کی حالتیں:

جنگ کے اعتبار سے صلاۃ الخوف کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ پہریداری کی حالت، جس میں جنگ جاری نہیں رہتی: اس حالت میں نماز کی متعین شکل ہے، جو عام نماز سے تھوڑی سی مختلف ہے، کیوں کہ مسلمان جنگ میں اپنے قائد اعلیٰ یا اس کے نائب کی امامت میں نماز با جماعت ادا کرنے کے حریص رہتے ہیں۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ،وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا"

اور جب آپ ان میں موجود ہوں، پھر آپ نماز کھڑی کریں تو ان میں سے ایک جماعت

آپ کے ساتھ کھڑی رہے اور وہ اپنے ساتھ اپنے ہتھیار لے لیں، جب وہ سجدہ کریں تو ہٹ جائیں اور وہ جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور وہ چوکنا رہیں اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں، کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ، تا کہ وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں، اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم کو بیماری لاحق ہو کہ تم اپنا ہتھیار اتار دو اور اپنا بچاؤ ساتھ لے لو، بے شک اللہ تعالی نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء ۱۰۲)

مذکورہ صلاۃ الخوف کی اس صورت کے دو طریقے ہیں، جن کو نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل میں پیش کیا ہے، جو دشمنوں کے قبلے کی سمت ہونے یا نہ ہونے پر موقوف ہے۔

پہلا طریقہ: جب دشمن قبلے کی سمت ہو اور جنگ گھمسان کی نہ ہو:

اس صورت میں اگر لشکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے اور ایک ہی بڑی جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے کئی جماعتوں کو قائم کرنا نہ چاہیں تو امام دو، چار یا اس سے زیادہ صفیں بنائے اور ان کی امامت کرے، جب امام سجدہ کرے تو صرف اس سے متصل صف سجدہ کرے اگر دو ہی صف ہوں، اگر چار صفیں ہوں تو پہلی دو صفیں سجدہ کریں اور باقی لوگ دشمنوں کے حملے سے اپنے بھائیوں کو بچانے کے لیے نگرانی کریں، جب امام اور اس کے ساتھ سجدے میں گئے ہوئے لوگ سجدے سے اٹھ جائیں تو باقی لوگ سجدہ کریں اور دوسری رکعت کے قیام میں اپنے امام کے ساتھ مل جائیں، جب امام دوسری رکعت میں سجدہ کرے تو پچھلی صف والے اس کے ساتھ سجدہ کریں، اس صورت میں پہلے امام کے ساتھ سجدہ کرنے والے پیچھے رہ جائیں گے، پھر سب لوگ تشہد میں ملیں اور ایک ساتھ سلام پھیریں۔

نبی کریم ﷺ نے غزوہ عسفان میں اسی طرح نماز پڑھی، چناں چہ اس طرح کی حالت میں اسی طرح نماز پڑھنا مسنون ہے۔

امام بخاری (۹۰۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ تمام لوگ بھی کھڑے

ہو گئے، پھر آپ نے تکبیر کہی اور سب لوگوں نے آپ کے ساتھ تکبیر کہی اور بعض لوگوں نے آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا اور لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے تو وہ لوگ بھی کھڑے ہو گئے جنھوں نے سجدہ کیا تھا اور اپنے بھائیوں کی نگرانی کی تھی اور دوسرا گروہ آیا اور اس نے آپ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا، سب لوگ نماز میں تھے اور ایک دوسرے کی نگرانی بھی کر رہے تھے۔

دوسرا طریقہ : جب دشمن قبلے کے علاوہ دوسری سمت میں پھیلے ہوئے ہوں اور گھمسان کی جنگ نہ ہو تو مندرجہ ذیل طریقہ مسنون ہے:

۱۔ نمازی دو گروہ میں تقسیم ہو جائیں، ایک دشمن کے مقابل میں نگرانی کرتے ہوئے کھڑے رہے اور دوسرا امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جائے۔

۲۔ امام دوسرے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائے، جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو وہ امام کو چھوڑ کر اپنی دوسری رکعت تنہا مکمل کریں اور دشمنوں کے مقابلے میں چلے جائیں۔

۳۔ پہلا گروہ آئے اور امام کی اقتدا کرے (امام دوسری رکعت میں قیام اتنا طویل کرے کہ پہلا گروہ آکر جماعت میں شامل ہو جائے) امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے جو ان کی پہلی رکعت ہوگی، جب امام تشہد کے لیے بیٹھے تو یہ کھڑے ہو کر دوسری رکعت مکمل کریں، پھر امام کے ساتھ تشہد میں ملیں اور امام کے ساتھ سلام پھیریں۔

نبی کریم ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع میں اسی طرح نماز پڑھی تھی۔

امام بخاری (۳۹۰۰) اور امام مسلم (۸۴۲) وغیرہ نے حضرت صلاح بن خوات رضی اللہ عنہ سے صلاۃ الخوف کے اس طریقہ کو روایت کیا ہے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں نماز پڑھی تھی: ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز میں اور دوسرا دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو گیا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلے گروہ نے ایک رکعت نماز پڑھی پھر آپ کھڑے رہے اور انھوں نے اپنی نماز مکمل کر لی، پھر چلے گئے اور دشمن کے مقابل

کھڑے ہوگئے، دوسرا گروہ آیا تو آپ نے اپنی بقیہ نماز ان کو پڑھائی، پھر بیٹھے رہے اور
انھوں نے اپنی نماز مکمل کیں پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

اس کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ایک ہی
جماعت کے ساتھ خلیفہ یا امام یا جنگ کے میدان میں قائد کی اقتدا میں تمام لوگوں کا ایک
ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا ہے۔

دوسری حالت : جب دشمن کے ساتھ گھمسان کی جنگ چل رہی ہو اور صفیں
گھتم گھتا ہوں اور خوف زیادہ ہو۔

اس صورت میں نماز کا کوئی طریقہ نہیں ہے، بلکہ ہر ایک جس طرح ہو سکے نماز
پڑھے، پیدل، سوار، چلتے، بیٹھے، قبلہ کی طرف رخ ہو یا نہ ہو، اس صورت میں اشارے سے
رکوع اور سجدے کرے، اگر ایک دوسرے کی اقتدا کرنا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا
ممکن ہو تو اقتدا کرنا افضل ہے، چاہے تمام لوگوں کی جہتیں مختلف ہوں یا مقتدی امام سے
آگے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا
لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ
مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ '' نمازوں کی پابندی کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی، اور اللہ کے لیے
خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاؤ، اگر تم کو خوف ہو (جنگ جاری ہو) تو پیدل
یا سوار (جس طرح چاہے نماز پڑھو)، جب تم کو امان حاصل ہو جائے تو اللہ کا ذکر اسی طرح
کرو، جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے، جس کو تم پہلے جانتے نہیں تھے (بقرہ ۲۳۸)

امام بخاری (۴۱۴۲) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صلاۃ الخوف کے
طریقوں کو روایت کیا ہے، پہلے والے دو طریقوں کے بیان کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا:
اگر اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو وہ کھڑے، پیدل یا سوار قبلے کی طرف رخ کر کے یا کسی
دوسری سمت رخ کر کے نماز پڑھے۔ امام مالک نے کہا کہ نافع نے فرمایا: میں یہی سمجھتا

ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ رسول اللہ ﷺ ہی سے نقل کیا ہے۔
مسلم (۸۳۹) کی روایت میں ہے: سوار ہو کر نماز پڑھو یا کھڑے ہو کر یا اشارہ سے۔

اس صورت میں جنگی حالت میں جو حرکات اور اعمال ہوتے ہیں سب معاف ہیں،
البتہ گفتگو کرنے اور چیخنے کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں پڑتی، اگر غیر
معفو عنہ نجاست مثلاً خون وغیرہ لگے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ بعد میں اس کا اعادہ
کرنا ضروری ہے۔

یہ نماز ہر شرعی جنگ میں جائز ہے اور ہر اس حالت میں بھی جائز ہے جس میں آدمی
سخت خوفزدہ ہو، مثلاً کسی دشمن یا کسی شکاری جانور وغیرہ سے بھاگ رہا ہو۔

نماز کے اس طریقے کو شروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ نماز کو اس کے متعین وقت
میں ادا کیا جائے اور شارع کے حکم کی اتباع کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوةَ
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا '' نماز مومنین کے لیے وقت مقررہ پر فرض
ہے۔ (نساء ۱۰۳)

صلاۃ الخوف مشروع کرنے کی حکمت :

نماز میں ان تمام طریقوں کو شروع کرنے کی حکمت مکلّف کے لیے آسانی پیدا کرنا
ہے، تا کہ اس کے لیے فریضے کی ادائیگی ممکن ہو، جنگ اور خوف کی حالت میں وہ اللہ عزوجل
کا زیادہ ضرورت مند رہتا ہے، تا کہ اللہ سے مدد حاصل کرے، کیوں کہ وہ جنگ کے میدان
میں کافروں کے خلاف برسرپیکار رہتا ہے، اس کا دل اللہ رب العزت کے ذکر سے مطمئن
ہو جاتا ہے اور اس کی مدد ونصرت اور تائید پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور جنگ کے میدان
میں اس کے قدم جم جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل کو شکست ہو جاتی ہے اور فتح ونصرت
اہل حق کے حق میں لکھ دی جاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ
آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ '' اے ایمان والو!
جب کسی گروہ سے تمہاری جنگ ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو،

شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ (انفال ۴۵)

صلاۃ الخوف کے مذکورہ تمام طریقوں میں مسلمان فوجی کسی پریشانی کے بغیر نماز ادا کرسکتا ہے، چاہے جنگ کے طریقے کچھ بھی ہوں اور جنگی وسائل جو بھی ہوں اور زمانہ اور جگہ جو بھی ہو، خصوصاً جب کہ فوجوں کے درمیان واضح مقابلہ نہ ہو، جیسا کہ موجودہ دور کی جنگوں میں ہوتا ہے۔

نماز کسی بھی حالت میں معاف نہیں:

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک آدمی مکلّف رہتا ہے اور زندگی باقی رہتی ہے، نماز کسی بھی صورت میں معاف نہیں، چاہے جتنا بھی بڑا اعذر پایا جائے ،لیکن حالات اور اسباب کی بنیاد پر اللہ عزوجل نے نماز کو مؤخر کرنے کی اجازت دی ہے، مثلاً مسافر کے لیے جمع اور قصر کی رخصت دی ہے، یا نماز کی ادائیگی کے طریقے میں آسانی کردی ہے، مثلاً صلاۃ الخوف اور بیمار کی نماز وغیرہ۔

جمعہ کی نماز

جمعہ کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے، اس امت کو اس دن کے فضائل اور عزت افزائیوں سے ہمکنار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

امام بخاری (۸۳۶) اور امام مسلم (۸۵۵) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ہم آخر میں بھیجے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں جانے والے ہیں، باوجودیہ کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے، پھر جمعہ کے سلسلے میں انھوں نے اختلاف کیا، جس میں ان پر عبادت فرض کی گئی تھی، پھر اللہ نے ہماری رہنمائی کی، چناں چہ لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں''۔

ہجرت سے تھوڑے عرصہ قبل جمعہ کی نماز فرض ہوئی، البتہ مسلمانوں کی کمزوری اور جمعہ قائم کرنے کے لیے جمع ہونے سے عاجزی کی وجہ سے مکہ میں جمعہ کی نماز قائم نہیں ہوئی۔

مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے پہلے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جمعہ کی نماز قائم کی۔ امام ابوداؤد (۱۰۶۹) نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کی ہے۔

جمعہ کی فرضیت کی دلیل:

جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑپڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ (جمعہ ۹)

امام ابوداؤد (۱۰۶۷) نے حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ ہر مسلمان پر واجبی حق ہے''۔

امام مسلم (۸۶۵) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: ''لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آئیں، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافل لوگوں میں ہو جائیں گے''۔

جمعہ کی نماز کی حکمت:

جمعہ کی نماز کی بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں، یہاں ان حکمتوں کو جمع کرنے کی گنجائش نہیں ہے، ان میں سے اہم یہ ہے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ ایک ہی جگہ شہر کے تمام مسلمان جمع ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لیے جمع ہوتے ہیں جس سے ان کے درمیان اتحاد واتفاق پیدا ہوتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح ان کے درمیان محبت والفت۔ تعارف اور تعاون میں اضافہ ہوتا ہے اور ہر ہفتہ ہونے والے حالات اور واقعات سے واقفیت ہوتی ہے، اس اعتبار سے یہ ہفتہ واری کانفرنس ہے، جس میں مسلمان ایک ہی صف میں اپنے امام اور خطیب کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو درحقیقت ان کا قائد ہوتا ہے، اسی وجہ سے شارع نے جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے کی بڑی ترغیب دی ہے اور جمعہ کی نماز چھوڑنے اور اس میں کوتاہی کرنے کے برے انجام سے ڈرایا ہے، اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: ''جو کوئی سستی اور کاہلی سے تین جمعہ چھوڑ دیتا ہے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے''۔

جمعہ کی نماز فرض ہونے کی شرطیں:

جس میں سات شرطیں پائی جائیں اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے:

۱۔ مسلمان ہو: دنیا میں کافر سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ تمام عبادتوں اور طاعتوں کے مطالبے کی بنیاد اسلام ہے، البتہ آخرت میں اس معنی میں اس سے مطالبہ کیا

جائے گا کہ اس کو عذاب اور سزا دی جائے گی۔

۲۔ بالغ ہو: بچے پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ مکلّف نہیں ہے۔

۳۔ عاقل ہو: کیوں کہ پاگل بھی مکلّف نہیں ہے۔

۴۔ کامل آزاد ہو: غلام پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ اپنے آقا کے حقوق میں مشغول رہتا ہے۔

۵۔ مرد ہو: عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ اپنی اولاد اور گھر کے کام کاج میں مشغول رہتی ہیں اور مخصوص وقت میں متعین جگہ پر حاضر ہونا ان کے لیے مشقت اور تکلیف کا باعث ہے۔

۶۔ جسمانی طور پر صحت مند ہو: ایسے مرض کی موجودگی میں جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے جس سے مسجد میں حاضر ہونے یا نماز مکمل ہونے تک مسجد میں رکے رہنے سے تکلیف ہوتی ہو یا اس کی بیماری بڑھنے یا شفا میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہو، مریض کی طرح تیماردار اور بیمار کے خادم پر بھی جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، جب کہ نماز میں حاضر ہونے کے لیے جانے اور آنے کے وقت کے دوران اس کی تیمارداری یا خدمت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ہو اور مریض کو اس کی ضرورت ہو، چاہے تیماردار قریبی رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔

۷۔ جمعہ قائم کی جانے والی جگہ پر مقیم ہو:

مباح سفر کرنے والے پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، چاہے سفر جتنا بھی مختصر ہو، جب کہ سفر جمعہ کے دن طلوع فجر سے پہلے شروع کر چکا ہو، اور وہ جہاں ہے وہاں پر اس کو اپنے شہر کی اذان سنائی نہ دیتی ہو، اسی طرح اس شخص پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے جو اُس جگہ کا باشندہ ہو جہاں جمعہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے، مثلاً ایسا گاؤں جہاں چالیس ایسے باشندے نہ ہوں جن پر جمع فرض ہو۔

ان تمام شرطوں کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا ہر مسلمان کا واجبی حق ہے، سوائے چار لوگوں کے: غلام، یا عورت، بچہ یا مریض'' (ابوداؤد: ۱۰۶۷)

امام دارقطنی (۳/۲) وغیرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے:"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے،سوائے عورت،مسافر،غلام اور مریض کے"۔

امام ابوداود (۱۰۵۶) کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"ہر اذان سننے والے پر جمعہ فرض ہے"۔

جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی شرطیں:

مندرجہ بالا سات شرطیں پائی جائیں تو جمعہ کی نماز فرض ہوجاتی ہے،البتہ نماز صحیح ہونے کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

پہلی شرط:عمارتوں والے علاقے میں جمعہ قائم کیا جائے،چاہے یہ عمارتیں شہر میں ہوں یا گاؤں میں،جہاں کم از کم ایسے چالیس افراد ہوں جن پر جمعہ کی نماز فرض ہو،شہر سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں ایک قاضی اور حاکم ہو اور وہاں خرید وفروخت کے لیے بازار ہوں،اور گاؤں سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں یہ چیزیں نہ پائی جائیں۔

چناں چہ صحراء اور خیموں کے درمیان میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے،اس گاؤں میں بھی جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی،جہاں ایسے چالیس آدمی نہ ہوں جن پر جمعہ کی نماز فرض ہو۔

اگر پڑوسی شہر یا گاؤں کی اذان سنائی دیتی ہو تو یہاں کے لوگوں کے لیے جمعہ کی نماز کے لیے پڑوسی گاؤں جانا ضروری ہے،ورنہ ان پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

اس شرط کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاے راشدین کے زمانے میں اس شرط کے پائے جانے کی صورت میں ہی جمعہ کی نماز قائم کی گئی،حالانکہ مدینہ کے اطراف میں ایسے دیہاتی قبیلے تھے جو جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور نبی کریم ﷺ ان کو جمعہ پڑھنے کا حکم بھی نہیں دیتے تھے۔

دوسری شرط:کم از کم ایسے چالیس مرد ہوں جن پر جمعہ فرض ہو،یعنی بالغ اور وہاں کے شہری ہوں۔

امام بیہقی نے (۱۷۷/۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:یہ سنت جاری ہے کہ چالیس یا اس سے زیادہ کی موجودگی میں جمعہ ہے۔

امام ابوداود نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:سب سے پہلے جمعہ قائم کرنے والے اسعد بن زرارہ ہیں،اس وقت مسلمان چالیس تھے۔

تیسری شرط:ظہر کے وقت میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے،اگر ظہر کا وقت جمعہ کی نماز کے لیے کافی نہ ہو،یعنی اتنا کم وقت ہو کہ اس میں جمعہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو ظہر کی نماز پڑھی جائے،اگر جمعہ کی نماز شروع کی جائے اور اس دوران ظہر کا وقت نکل جائے تو اس نماز کو ظہر کی نماز میں بدل کر چار رکعتیں مکمل کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ظہر کے وقت میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا عمل ہے۔

امام بخاری (۸۶۲) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سورج کے زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

امام بخاری (۳۹۳۵) اور امام مسلم (۸۶۰) نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس لوٹتے تھے تو دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا کہ ہم اس کے نیچے سایہ حاصل کرسکیں۔

حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے۔(بخاری ۸۹۷،مسلم ۸۵۹)

ان تمام حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کے اول وقت میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

چوتھی شرط:جب تک ممکن ہو ایک شہر میں متعدد جمعہ قائم نہ کیے جائیں،بلکہ پورے شہر والوں کو ایک ہی جگہ جمع ہونا ضروری ہے،اگر لوگ زیادہ ہوں اور ایک ہی جگہ ان کے جمع ہونے کی گنجائش نہ ہو تو متعدد جگہ صرف ضرورت کے بقدر جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔

اگر کسی ضرورت کے بغیر ایک ہی شہر میں متعدد جمعہ ہوں تو ان میں سے صرف وہ جمعہ صحیح ہوگا جو سب سے پہلے ہوا ہو، اس میں اعتبار ابتدا کا ہوگا، انتہا کا نہیں، وہ جمعہ جس کے امام نے نماز پہلے شروع کی ہو، وہی جمعہ صحیح ہوگا اور دوسرے تمام جمعے باطل ہو جائیں گے، اور ان کو جمعہ کے بدلے ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہوگا۔

اگر معلوم نہ ہو کہ پہلا جمعہ کون سا ہے تو تمام جمعے باطل ہو جائیں گے اور وقت ہو تو سب کو مل کر ایک ہی جگہ جمعہ قائم کرنا ضروری ہے، ورنہ سب لوگ ظہر کی نماز پڑھیں گے

امام بخاری (۸۶۰) اور امام مسلم (۸۴۷) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور عوالی سے آیا کرتے تھے''، عوالی: مدینہ کے مشرقی علاقے ہیں، جس کا قریبی علاقہ مدینہ سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر ہے۔

امام بخاری (۸۵۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجدِ عبد القیس میں قائم کیا گیا، جو بحرین کے جوائی علاقے میں ہے۔

اس شرط کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ ایک ہی جگہ میں محدود کرنے سے مقصد زیادہ حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ جمعہ کا مقصد اجتماع اور اتحاد بین المسلمین کے شعار کو اجاگر کرنا ہے، بلاضرورت بہت سی جگہوں پر جمعہ قائم کیے جانے سے اختلاف وانتشار کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

جمعہ کے فرائض:

جمعہ کے دو فرائض ہیں، جو اس عظیم اسلامی رکن کی بنیاد ہیں:

پہلا فرض: دو خطبے دیے جائیں، ان کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں؛

ا۔ خطیب دو خطبوں کے دوران کھڑا رہے، اگر ممکن ہو، اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

امام بخاری (۸۷۸) اور امام مسلم (۸۶۱) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے، جیسا کہ تم لوگ اب کر رہے ہو۔

۲۔ خطبہ نماز سے پہلے دیا جائے:

جمعہ کے سلسلے میں روایت کردہ حدیثوں اور اجماع کی وجہ سے یہ شرط ہے۔

۳۔ خطیب حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہو، اس کا جسم، کپڑا اور جگہ غیر معفو عنہ نجاست سے پاک ہو اور وہ ستر کیا ہوا ہو:

کیوں کہ خطبہ نماز ہی کی طرح ہے، اسی وجہ سے ظہر کی نماز کی دو رکعتوں کے بدلے دو خطبے فرض کیے گئے ہیں، چناں چہ نماز کے لیے جو شرطیں طہارت وغیرہ کی ہیں، اس کے لیے بھی ہیں۔

۴۔ خطبہ کے ارکان عربی زبان میں ادا کیے جائیں:

خطیب کے لیے عربی زبان میں خطبہ دینا ضروری ہے، چاہے سننے والے سمجھ نہ رہے ہوں، اگر وہاں عربی جاننے والے نہ ہوں اور اتنا وقت گزر جائے کہ عربی سیکھنا ممکن ہو اور کوئی بھی نہ سیکھے تو سب گنہ گار ہو جائیں گے، ان کے لیے جمعہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ ظہر کی نماز پڑھیں گے۔

اگر اتنی مدت نہ گزری ہو، جس کے دوران عربی سیکھنا ممکن ہو تو خطبے کے ارکان کسی بھی زبان میں ترجمہ کر کے ادا کیے جائیں، اس صورت میں ان کی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

۵۔ ارکانِ خطبہ، دو خطبوں اور نماز کے درمیان زیادہ فصل نہ کرنا:

اگر پہلے اور دوسرے خطبے کے دوران یا دونوں خطبوں اور نماز کے دوران اتنا طویل وقفہ ہو کہ عرف میں اس کو زیادہ وقفہ کہا جائے تو خطبہ صحیح نہیں ہوگا، اگر اس کا تدارک کرنا

ممکن ہوتو تدارک کرنا واجب ہے، ورنہ جمعہ کی نماز ظہر میں تبدیل ہوجائے گی۔

۶۔خطبہ کے ارکان کم از کم چالیس ایسے لوگ سنیں جن پر جمعہ فرض ہو۔

خطبوں کے ارکان:

دو خطبوں کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اللہ کی تعریف بیان کرنا، چاہے جس صیغے سے بھی ہو۔

۲۔نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا، چاہے جس صیغے سے بھی ہو: لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ﷺ کا واضح نام لیا جائے، مثلاً نبی، رسول یا محمد، صریح نام کے بدلے ضمیر کا استعمال کرنا کافی نہیں ہے۔

۳۔تقوی کی وصیت کرنا، چاہے کسی بھی طریقے سے ہو اور جو بھی الفاظ ادا کیے جائیں:

یہ تین ارکان دونوں خطبوں کے لیے ہیں، دونوں خطبوں میں ان ارکان کا پایا جانا ضروری ہے، ورنہ خطبہ صحیح نہیں ہوگا۔

۴۔کسی ایک خطبے میں قرآن کی کوئی آیت تلاوت کرنا:

آیت کے معنی واضح اور سمجھ میں آنے والے ہوں، صرف سورتوں کے شروع میں مذکور حروف مقطعات کا پڑھنا کافی نہیں ہے۔

۵۔دوسرے خطبے میں مسلمانوں کے لیے دعا کرنا۔

دوسرا فرض: دو رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا:

امام نسائی (۳/۱۱۱) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں۔

امام ابوداؤد کی مذکورہ روایت میں ہے: ''جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجبی حق ہے''، اس پر اجماع بھی ہے۔

جماعت ملنے کے لیے ایک رکعت ملنا ضروری ہے، اگر ایک رکعت مل جائے تو جمعہ کی نماز صحیح ہوگی، ورنہ اس کو ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے، کم از کم چالیس ایسے مقتدیوں کا

ہونا ضروری ہے جن پر جمعہ کی نماز فرض ہو۔

اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ جائے اور وہ دوسری رکعت میں امام کی اقتدا کرے تو اس کی جمعہ کی نماز صحیح ہوجائے گی اور وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری رکعت مکمل کرے گا، اگر امام کی دوسری رکعت کے رکوع سے اٹھنے کے بعد جماعت میں شامل ہوجائے تو اس کی جمعہ کی نماز نہیں ہوگی، بلکہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی نماز مکمل کرے گا۔

امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو جمعہ کی نماز کی ایک رکعت مل جائے تو وہ دوسری رکعت کا اضافہ کرے، اس طرح اس کی نماز مکمل ہوجائے گی''۔

جمعہ کے آداب اور سنتیں:

جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی چند سنتیں اور آداب ہیں جن کا اہتمام کرنا مستحب ہے، وہ آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔غسل کرنا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو وہ غسل کرے''۔ (بخاری ۸۷۷، مسلم ۸۴۴)

یہاں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس امر کے وجوب کو مستحب میں تبدیل کرنے والی دوسری روایت ہے، جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن جو وضو کرے تو ٹھیک ہے اور بہتر ہے (تو سنت پر عمل ہے، اور بہترین سنت ہے) اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے''۔

۲۔گندگیوں اور بدبو سے جسم کو صاف کرنا اور تیل اور خوشبو لگانا:

تاکہ کسی کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، بلکہ لوگ اس کو چاہنے لگیں اور اس کی ملاقات پر خوش ہوں، یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے کی رخصتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ کوئی ایسی بدبودار چیز کھائے جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو۔

امام بخاری (۸۴۳) نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور جتنا ممکن ہے طہارت حاصل کرتا ہے، تیل لگاتا ہے یا اپنے گھر میں موجود خوشبو لگاتا ہے، پھر نکلتا ہے تو دو کے درمیان تفرقہ نہیں ڈالتا، پھر جتنا مقدر ہو نماز پڑھتا ہے پھر امام خطبہ دیتے وقت خاموشی سے سنتا ہے تو اللہ اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے''۔

۳۔ سب سے بہتر کپڑے پہننا:

امام احمد (۳/۸۱) وغیرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو کوئی جمعہ کے دن غسل کرے پھر اپنے پاس موجود سب سے بہتر کپڑے پہنے، اگر اپنے پاس خوشبو موجود ہو تو لگائے، پھر سکون اور وقار کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے چلا جائے اور کسی کی گردن نہ پھاندے اور کسی کو تکلیف نہ دے، پھر جتنا مقدر میں ہے نماز پڑھے، پھر امام کے اٹھنے تک انتظار کرے تو دو جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے''۔

سفید کپڑے پہننا افضل ہے، امام ترمذی (۹۹۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سفید کپڑے پہنو، کیوں کہ یہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں اور اپنے مردوں کو اسی میں کفن دو''۔

۴۔ ناخن تراشنا اور بال درست کرنا:

امام بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن اپنے ناخن تراشتے تھے اور اپنی مونچھ کاٹتے تھے۔

۵۔ جلدی مسجد جانا:

امام بخاری (۸۴۱) اور امام مسلم (۸۵۰) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کرے، پھر چلا جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ صدقہ کیا، جو دوسرے وقت میں چلا جائے گویا اس نے گائے صدقہ کیا، جو تیسرے وقت میں چلا جائے تو گویا اس نے سینگھ والا

مینڈھا صدقہ کیا، جو کوئی چوتھے وقت میں چلا جائے تو گویا اس نے مرغی صدقہ کیا اور جو کوئی پانچویں وقت میں چلا جائے تو گویا اس نے ایک انڈا صدقہ کیا، جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں''۔

۶۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز پڑھنا:

امام مسلم (۸۷۵) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس کو مختصر کرے''، یعنی ارکان، سنن اور آداب کو کامل طور پر بجالاتے ہوئے مختصراً پڑھے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب خطیب اپنے خطبے کے اخیر میں نہ پہنچا ہو، ورنہ آنے والا فرض نماز کی اقامت کا انتظار کرے، کیوں کہ بیٹھنے سے یہ سنت نماز فوت ہو جاتی ہے، اگر بیٹھ جائے تو پھر اٹھ کر نفل نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ جمعہ کی اقامت تک خاموشی کے ساتھ امام کا خطبہ سنے۔

۷۔ دونوں خطبوں کو خاموشی کے ساتھ سننا:

امام بخاری (۸۹۲) اور امام مسلم (۸۵۱) وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے خطبہ کے دوران خاموش رہنے کے لیے کہا تو تم نے لغو اور بیکار کام کیا''۔ امام ابوداؤد (۵۱) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''اور جس نے لغو کام کیا، اس کے لیے جمعہ میں وہ چیز حاصل نہیں ہوتی''، یعنی اس کے لیے مطلوبہ فضیلت اور ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

لغو: بیکار کلام اور گفتگو کو کہتے ہیں۔

بروزِ جمعہ کے آداب:

جمعہ ہفتے کا سب سے افضل دن ہے، اس کے چند آداب اور سنتیں ہیں، ہر مسلمان کو اس سے واقف ہو کر ان پر عمل کرنا چاہیے، ان میں سے بعض آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جمعہ کے دن یا رات میں سورہ کہف پڑھنا مسنون ہے۔

امام نسائی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھتا ہے تو اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان ایک نور روشن ہو جاتا ہے''۔

۲۔ جمعہ کے دن اور رات میں کثرت سے دعا کرنا مسنون ہے:

امام بخاری (۸۹۳) اور امام مسلم (۸۵۲) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کا تذکرہ کیا تو فرمایا: ''اس میں ایک ایسا وقت ہے جو کسی مسلمان کو نماز کی حالت میں ملتا ہے تو اللہ اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کرتا ہے''، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ بہت ہی کم وقت ہے۔

۳۔ جمعہ کے دن اور رات میں نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا مسنون ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تمہارا سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، چناں چہ تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے'' (ابو داود ۱۰۴۷ وغیرہ نے صحیح سندوں سے یہ روایت کی ہے)۔

نفل نمازیں

نفل کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور اصطلاح میں فرض کے علاوہ دوسری تمام عبادتوں کو کہتے ہیں، اس کو نفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ عبادتوں کے علاوہ عبادتیں ہیں۔

نفل کو سنت، مندوب اور مستحب بھی کہا جاتا ہے۔

نفل نماز کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ جس کے لیے جماعت سنت نہیں ہے۔

۲۔ جس کے لیے جماعت سنت ہے۔

پہلی قسم: جس کے لیے جماعت سنت نہیں ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ نمازیں جو فرض نمازوں کے تابع ہیں، جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

ان نفل نمازوں کی تفصیلات ذیل میں الگ الگ بیان کی جارہی ہیں:

(الف) فرائض کے تابع نفل نمازیں: اس کی دو قسمیں ہیں: موکدہ اور غیر موکدہ

موکدہ نمازیں یہ ہیں: فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت۔

امام بخاری (۱۱۲۶) اور امام مسلم (۷۲۹) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں: ظہر سے پہلے دو، ظہر کے بعد دو، مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو، عشاء کے بعد اپنے گھر میں دو اور صبح سے پہلے دو، اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔

ان دس رکعتوں میں سب سے تاکیدی فجر کی دو رکعتیں ہیں، امام بخاری (۱۱۱۶) اور امام مسلم (۷۲۴) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ

نفل نمازوں میں فجر کی دو رکعت سے زیادہ کسی اور نماز کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔

سنت غیر مؤکدہ نمازیں مندرجہ ذیل ہیں: ظہر سے پہلے دو رکعت، امام بخاری (۱۱۲۷) نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت اور فجر سے پہلے دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے، مسلم کی روایت (۷۳۰) میں ہے: نبی کریم ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے، پھر نکل کر لوگوں کو نماز پڑھاتے، پھر واپس آکر دو رکعت نماز پڑھتے۔

ظہر کے بعد بھی دو رکعتیں، امام ترمذی (۴۲۷، ۴۲۸، انھوں نے اس کو صحیح کہا ہے) وغیرہ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت پڑھتا ہے اللہ اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے''۔

جمعہ ظہر ہی کی طرح ہے، کیوں کہ جمعہ ظہر کے بدلے ہے، اسی لیے جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعتیں پڑھنا مسنون ہے، ان میں سے پہلے دو اور بعد میں دو موکدہ ہیں۔

امام مسلم (۸۸۱) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت نماز پڑھے''۔

امام ترمذی (۵۲۳) نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے چار اور جمعہ کے بعد چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔

☆ عصر سے پہلے چار رکعت: امام ترمذی (۴۲۹) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے: نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور ان کے درمیان سلام کے ذریعے فصل کیا کرتے تھے۔

☆ مغرب سے پہلے دو مختصر رکعتیں: امام بخاری (۵۹۹) اور امام مسلم (۸۳۷ الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ہم مدینہ میں تھے، جب موذن مغرب کی نماز کے لیے اذان دیتا تو لوگ کھمبوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت ہلکی

نماز پڑھتے، کثرت سے نماز پڑھنے والوں کو دیکھ کر مسجد میں آنے والا مسافر سمجھتا کہ نماز ہو چکی ہے۔ (ہلکی سے مراد یہ کہ نماز کے ارکان اور کم از کم سنتیں ادا کی جائیں، ان پر اضافہ نہ کیا جائے)

☆ عشاء کی نماز سے پہلے بھی دو مختصر رکعتیں پڑھنا مستحب ہے: امام بخاری (۶۰۱) اور امام مسلم (۸۳۸) نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے''، آپ نے یہ بات تین مرتبہ کہی، پھر فرمایا: ''جس کے لیے چاہے''، ایک اور روایت میں ہے: ''ہر دو اذان (اقامت اور اذان) کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے''، پھر تیسری مرتبہ کہا: ''جس کے لیے چاہے''۔

(ب) وہ نمازیں جو فرائض کے تابع نہیں ہیں:

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ نفل نمازیں جن کا نام اور اوقات متعین ہیں۔

۲۔ وہ نفل نمازیں جن کا کوئی نام نہیں ہے اور وقت بھی متعین نہیں ہے۔

☆ وہ نفل نمازیں جن کا نام اور اوقات متعین ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تحیۃ المسجد: مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون ہے، امام بخاری (۴۳۳) اور امام مسلم (۷۱۴) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھے''۔

تحیۃ المسجد کی نماز فرض یا کسی بھی دوسری نفل نماز سے ادا ہو جاتی ہے، کیوں کہ مقصد یہ ہے کہ آدمی مسجد میں نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔

۲۔ وتر: وتر کی نماز سنت موکدہ ہے، اس کو وتر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ دوسری تمام نمازوں کے برخلاف یہ نماز ایک رکعت پر ختم ہوتی ہے۔

امام ترمذی (۴۵۳) وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں

نے فرمایا: وتر کی نماز دوسری فرض نمازوں کی طرح لازمی نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

امام ترمذی اور امام ابوداؤد (۱۴۱۶) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے قرآن والو! وتر کی نماز پڑھو، کیوں کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے''۔

وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان ہے، افضل یہ ہے کہ یہ نماز موخر کر کے رات کے آخری حصے میں پڑھی جائے۔ امام ابوداؤد (۱۴۱۸) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کے ذریعے تمہاری مدد کی ہے اور وہ تمہارے لیے سرخ اونٹنیوں سے بہتر ہے، وہ وتر کی نماز ہے، چناں چہ اللہ نے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان میں تمہارے لیے اس کو رکھا ہے''، امام بخاری (۹۵۳) اور امام مسلم (۷۴۹) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔

یہ حکم اس وقت ہے جب اس کو رات کے آخری حصے میں جاگنے کی امید ہو، اگر کسی کو جاگنے کی امید نہ ہو تو عشاء کی فرض اور سنت نمازوں کے بعد وتر کی نماز پڑھے۔

امام مسلم (۷۵۵) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھے گا تو رات کے شروع میں وتر کی نماز پڑھے، اگر کسی کو رات کے آخری پہر اٹھنے کی امید ہو تو رات کے آخری وقت میں وتر پڑھے، کیوں کہ رات کے آخری حصے کی نماز میں فرشتے حاضر رہتے ہیں اور یہ افضل ہے''۔

امام بخاری (۱۸۸۰) اور امام مسلم (۷۲۱) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی: ہر مہینے کے تین دن کے روزے رکھوں، چاشت کی دو رکعتیں پڑھوں اور سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھوں۔

کم سے کم وتر ایک رکعت ہے، لیکن ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے، اور اقل کمال تین رکعتیں ہیں، ایک سلام سے دو رکعت پھر ایک رکعت، زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ہیں، ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، پھر ایک رکعت پر وتر کی نماز ختم کرے۔

امام مسلم (۷۵۲) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وتر رات کے آخری حصے میں ایک رکعت ہے''۔

امام بخاری (۱۰۷۱) اور امام مسلم (۷۳۶ الفاظ ان ہی کے ہیں) وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے اور فجر کے وقت کے درمیان گیارہ رکعت پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے، جب موذن فجر کی اذان دیتا اور آپ کے پاس آجاتا تو آپ کھڑے ہوتے اور دو رکعت ہلکی نماز پڑھتے، پھر اپنے داہنے پہلو لیٹتے، یہاں تک کہ موذن اقامت کے لیے آتا'' یہاں دو رکعت سے مراد فجر کی سنت نماز ہے۔

امام ابوداؤد (۱۴۲۲) نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''وتر ہر مسلمان کا حق ہے، جو کوئی وتر کی پانچ رکعت پڑھنا چاہے تو پڑھے، جو کوئی وتر کی تین رکعت پڑھنا چاہے تو پڑھے اور جو کوئی ایک رکعت وتر کی پڑھنا چاہے تو پڑھے''، حق سے مراد یہ ہے کہ وتر کی نماز پڑھنا شریعت کی طرف سے مطلوب ہے۔

۳۔ قیام لیل (تہجد کی نماز):

اس کو تہجد بھی کہتے ہیں، اگر سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے۔

تہجد: نیند چھوڑنے کو کہتے ہیں۔

قیام لیل سنت ہے اور اس کی رکعتوں کی تعداد متعین نہیں ہے، یہ نماز سو کر اٹھنے کے بعد اذان فجر سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

قیام لیل کے مشروع ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' اور کچھ رات

قرآن کے ساتھ جاگتے رہو، یہ آپ کے لیے زیادتی ہے، تا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں کھڑا کردے (اسراء۷۹)

امام مسلم (۱۱۶۳) وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''آدھی رات کی نماز''۔

۴۔ چاشت کی نماز: کم سے کم دو رکعتیں اور مکمل آٹھ رکعتیں ہیں:

امام بخاری (۱۸۸۰) اور امام مسلم (۷۲۱) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی: ہر مہینے تین دن کے روزے رکھوں، چاشت کی دو رکعتیں پڑھوں اور سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھوں''۔

امام بخاری (۳۵۰) اور امام مسلم (۳۳۶، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: فتح مکہ کے سال وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جب کہ آپ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے، رسول اللہ ﷺ غسل کرنے کے لیے چلے گئے تو فاطمہ نے آپ کو ستر کیا، پھر آپ نے اپنا کپڑا لیا اور اس کو اوڑھ لیا، پھر چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی''۔

افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعتوں کے درمیان فصل کرے، امام ابوداؤد کی روایت (۱۲۹۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعتیں نماز پڑھی اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرا۔

اس کا وقت سورج بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال پر ختم ہوتا ہے، افضل یہ ہے کہ دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد پڑھے۔

امام مسلم (۷۴۸) وغیرہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ قباوالوں کے پاس آئے، جب کہ وہ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے

فرمایا: ''اللہ کی طرف رجوع ہونے والوں کی نماز اس وقت ہے جب اونٹ کے بچے سورج کی گرمی سے تپ جائیں'' یعنی سورج بلند ہو جائے۔

☆**استخارہ (خیر طلب کرنے) کی نماز:**

یہ غیر مکروہ اوقات میں دو رکعت ہے، جو کوئی مباح کام کرنا چاہے اور اس کو اس کام میں خیر کا پہلو معلوم نہ ہو تو استخارہ کی نماز پڑھنا مسنون ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ سے منقول دعا پڑھنا سنت ہے، اگر اس مباح کام کے لیے اس کا دل مطمئن ہو جائے تو وہ کام کرے، ورنہ نہ کرے۔

امام بخاری (۱۱۰۹) وغیرہ نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ہر معاملہ میں استخارہ کی دعا اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح ہم کو قرآن کی سورتیں سکھایا کرتے تھے، آپ فرماتے: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کو کرنا چاہے تو فرض کو چھوڑ کر دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا کرے اور اپنی ضرورت کا تذکرہ کرے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ، وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَاَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ، فَاقْدُرْہُ لِیْ، وَیَسِّرْہُ لِیْ، ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ، ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ''۔

اے اللہ! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں، اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے طاقت طلب کرتا ہوں، اور تیرے عظیم فضل کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، کیوں کہ تو قادر ہے، اور مجھ میں قدرت نہیں، تو جانتا ہے اور مجھے کچھ بھی علم نہیں، تو پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، میرے معاش اور میری آخرت میں بہتری کا باعث ہے تو اس کو میرے

لیے مقدر فرما، اور میرے لیے اس کو آسان فرما، پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، میرے معاش اور میری آخرت میں شر کا باعث ہے تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر دے، اور بھلائی جہاں کہیں بھی ہو اس کو میرے لیے مقدر فرما دے، پھر اس سے مجھ کو راضی فرما۔

☆ وہ نفل نمازیں جن کا کوئی نام نہیں ہے اور وقت بھی متعین نہیں ہے:

آدمی جب چاہے جتنی چاہے نفل نمازیں پڑھ سکتا ہے، البتہ مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، جس کی تفصیلات پیچھے گزر چکی ہیں۔

امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نماز سب سے بہتر عبادت ہے، چاہے تم زیادہ پڑھو یا کم"۔

نفل مطلق میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا مسنون ہے، چاہے دن کے وقت پڑھ رہا ہو یا رات کے وقت، اس کی دلیل امام بخاری (۹۴۶) اور امام مسلم (۷۴۹) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں" (ابو داؤد ۱۲۹۵)

دوسری قسم: وہ نمازیں جن کے لیے جماعت مسنون ہے:

اوپر بیان کی ہوئی تمام نفل نمازیں وہ ہیں جن کے لیے جماعت مسنون نہیں ہے، البتہ وہ نفل نمازیں جن کے لیے جماعت سنت ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

عیدین کی نماز، تراویح کی نماز، چاند گہن اور سورج گہن کی نماز، استسقا (پانی مانگنے) کی نماز۔

اگلے صفحات میں ان تمام نمازوں کی تفصیلات الگ الگ بیان کی جا رہی ہیں۔

عیدین کی نماز

عیدین کی نماز کی ابتدا کب ہوئی؟

ہجرت کے دوسرے سال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں مشروع ہوئیں، نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے سن دو ہجری کو عید الفطر کی نماز پڑھی۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" چناں چہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو (الکوثر ۲) یہاں نماز سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز ہے۔

امام بخاری (۹۱۳) اور امام مسلم (۸۸۹) نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے اور سب سے پہلے نماز پڑھتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے، جب کہ لوگ اپنی صفوں ہی میں بیٹھے رہتے پھر آپ لوگوں کو نصیحت کرتے اور احکام بتاتے، اگر جہاد کے لیے کوئی جماعت الگ کرنا چاہتے تو کرتے، یا کوئی حکم دینا چاہتے تو حکم دیتے، پھر گھر واپس ہوتے۔

عید کی نماز کا حکم:

عید کی نماز سنت موکدہ ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مشروع ہونے کے بعد سے وفات تک اس کو کبھی نہیں چھوڑا اور آپ کے صحابہ نے آپ کے بعد اس کی پابندی کی۔

اس نماز میں جماعت بھی مشروع ہے، اس کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ہے، البتہ یہ نماز تنہا پڑھنے سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔

ہر مکلّف مرد وعورت، مقیم ومسافر، آزاد وغلام کے لیے مسنون ہے، البتہ زیب وزینت اختیار کرنے والی عورت یا اس عورت کے لیے مسنون نہیں ہے جس سے فتنہ ہونے کا اندیشہ ہو، وہ اپنے گھر میں ہی نماز پڑھے گی۔

عید کی نماز واجب نہ ہونے کی دلیل آپ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے فرض نمازوں کے بارے میں پوچھنے والے سے فرمایا: ''رات اور دن میں پانچ نمازیں ہیں''۔ اسی شخص نے دریافت کیا: کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، البتہ تم نفل پڑھ لو''۔ (بخاری ۴۶، مسلم ۱۱)

امام ابوداؤد (۱۴۲۰) کی روایت میں ہے: ''اللہ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہے، جو کوئی ان کو ادا کرے اور ان میں سے کسی کو ان کے حق کو ہلکا سمجھتے ہوئے ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ جنت میں داخل کرے گا، جو کوئی ان کو نہ پڑھے تو اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے تو اس کو عذاب دے، چاہے تو اس کو جنت میں داخل کرے''۔

امام بخاری (۹۲۸) اور امام مسلم (۸۹۱) نے حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: ''ہم کو عید کے دن نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ باکرہ لڑکی بھی نکلتی، اس سے بھی بڑھ کر حائضہ عورتیں بھی نکلتیں اور لوگوں کے پیچھے کھڑی رہتیں اور تکبیر ودعا میں اس دن کی برکت کی امید کرتے ہوئے شامل ہوجاتیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس ستر چھپانے کے لیے چادر نہیں رہتی؟ آپ نے فرمایا: ''وہ اپنی بہن سے چادر لے کر پہنے''۔

عید کی نماز کے لیے اذان اور اقامت مسنون نہیں ہے، بلکہ ''**الصلاۃ جامعۃ**'' پکارا جائے گا، امام بخاری (۹۱۶) اور امام مسلم (۸۸۶) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ان کے ہاتھوں پر بیعت ہوتے ہی کہلا بھیجا کہ عید الفطر کی نماز کے لیے اذان نہیں ہے اور خطبہ نماز کے بعد ہے۔

امام بخاری (۹۱۷) اور امام مسلم (۸۸۶) نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: عید الفطر کے دن اذان نہیں دی جاتی تھی اور نہ عید الاضحیٰ کے دن۔

عید کی نماز کا وقت:

اس کا وقت سورج طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال تک رہتا ہے، اس کی دلیل امام بخاری (۹۰۸) کی حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: ''اس دن کی ابتدا ہم نماز سے کریں گے''، دن شروع ہوتا ہے طلوع فجر سے، یہ وقت سورج طلوع ہونے سے پہلے تک فجر کی نماز کا ہے اور زوال کے بعد کا وقت ظہر کی نماز کا ہے۔

عید کی نماز کا افضل وقت یہ ہے کہ سورج ایک نیزے کے بقدر بلند ہوجائے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز پابندی کے ساتھ اسی وقت میں پڑھی تھی۔

عید کی نماز کا طریقہ :

عید کی نماز دو رکعتیں ہیں، اس کی ابتدا تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، تو جیہ پڑھ کر سات تکبیریں کہی جائیں اور ہر تکبیر کے وقت تکبیر تحریمہ کی طرح اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے، ہر دو تکبیر کے درمیان ایک آیت کے بقدر فصل کرے، دونوں تکبیروں کے درمیان یہ دعا پڑھنا سنت ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ کی ذات پاک ہے، اور اللہ کے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے) پھر اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے، اس کے بعد کوئی سورہ پڑھے یا چند آیتوں کی تلاوت کرے، جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے تو تکبیر انتقالی کو چھوڑ کر پانچ تکبیرات سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کہے اور ہر دو تکبیرات کے درمیان فصل کرے۔

یہ زائد تکبیرات سنت ہیں، اگر تکبیرات کو بھول کر قرات شروع کردے تو یہ پھر

تکبیرات کہنا صحیح نہیں ہے،البتہ اس کی نماز صحیح ہوجائے گی کیوں کہ یہ سنت ہیں۔

امام نسائی (۳/۱۱۱) وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:عید الفطر کی نماز دو رکعت اور عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہے،پھر آپ نے فرمایا: یہ محمد کی زبانی ہے۔اس پر اجماع بھی ہے۔

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے پانچ تکبیریں کہی۔(ترمذی ۵۳۶ نے اس کو روایت کرنے کے بعد فرمایا: اس باب میں نبی کریم سے مروی یہ سب سے بہتر روایت ہے)

عید کے موقع پر خطبہ کا حکم:

عید کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو خطبے دینا مسنون ہے،ذیل میں مختصراً اس کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے:

۱۔جمعہ کے خطبوں کے برخلاف یہ خطبے عید کی نماز کے فوراً بعد دیے جائیں کیوں کہ یہی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

امام بخاری (۹۲۰) اور امام مسلم (۸۸۸) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ،ابوبکر اور عمر خطبہ سے پہلے عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

امام بخاری (۹۳۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلا تو آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا۔

اگر نماز سے پہلے خطبے دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۲۔عید کے خطبہ کے ارکان اور سنتیں جمعہ کے خطبے کی طرح ہی ہیں۔

امام شافعی نے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

سنت یہ ہے کہ امام عیدین میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔

۳۔پہلے خطبے کی ابتدا نو تکبیروں اور دوسرے خطبہ کی ابتدا سات تکبیروں سے کرنا مسنون ہے۔

امام بیہقی نے حضرت عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ خطبہ مسلسل نو تکبیروں سے شروع کیا جائے اور دوسرا خطبہ مسلسل سات تکبیروں سے۔

عید کی نماز کہاں پڑھی جائے؟

عید کی نماز مسجد یا کھلی جگہ پڑھی جائے،ان دونوں میں سے اس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے جہاں نمازیوں کے لیے زیادہ گنجائش ہو،اگر دونوں جگہیں یکساں ہوں تو مسجدوں میں نماز پڑھنا افضل ہے،کیوں کہ مسجد کو دوسری تمام جگہوں پر فضیلت حاصل ہے،کیوں کہ مسلمان اس میں نماز پڑھ کر عبادت کے ثواب کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے کا ثواب بھی حاصل کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کھلی جگہ عید کی نماز اس لیے پڑھی تھی کہ آپ کی مسجد اس وقت تمام نمازیوں کے لیے ناکافی تھی،یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ یہ نماز مردوں،عورتوں اور تمام مکلّف لوگوں کے لیے مشروع کی گئی ہے۔

اگر مسجد اتنی وسیع ہو کہ تمام نمازیوں کی اس میں آسانی کے ساتھ گنجائش ہو تو صحراء میں نماز پڑھنے میں افضلیت باقی رہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

عید کے موقع پر تکبیر کہنے کا حکم:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات سورج غروب ہونے سے عید کی نماز کی تکبیر تحریمہ شروع کرنے تک حاجی کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کے لیے گھروں میں،راستوں پر، مسجدوں اور بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے،کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:"وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَشْکُرُوْنَ ''تا کہ تم گنتی پورا کرو اور اللہ کی کبریائی بیان کرو، کیوں کہ اس نے تم کو ہدایت سے نوازا ہے، تا کہ تم احسان مانو (بقرہ ۱۸۵) علماء نے فرمایا ہے: یہ حکم عیدالفطر کی تکبیر کے سلسلے میں ہے اور اس پر عیدالاضحیٰ کو قیاس کیا گیا ہے۔

پھر عیدالاضحیٰ میں حاجی اور غیر حاجی تمام لوگوں کے لیے ہر نماز کے بعد عرفہ کے دن صبح کی نماز سے ایام تشریق یعنی عیدالاضحیٰ کے بعد تیسرے دن عصر کی نماز کے بعد تک تکبیر کہنا مسنون ہے۔

البتہ عیدالفطر میں نمازوں کے بعد تکبیر مسنون نہیں ہے، بلکہ عیدالفطر کی نماز کی تکبیر تحریمہ کہتے ہی تکبیر بند کرنا مسنون ہے۔

ان تمام امور کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کی طرف سے ان امور کی پابندی ہے، حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم ﷺ عرفہ کے دن صبح کی نماز کے بعد تکبیر شروع کرتے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز پر تکبیر پڑھنا بند کرتے''۔ (حاکم ۱/۲۹۹ نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اس کے راویوں میں سے کسی پر جرح کی گئی ہو)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منی میں اپنے خیمے میں تکبیر کہتے تھے تو مسجد والے بھی ان کی آواز سن کر تکبیر کہتے تھے اور بازاروں میں موجود لوگ بھی تکبیر کہتے، یہاں تک کہ منی کی وادی تکبیر سے گونج اٹھتی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دنوں منی میں تکبیر کہتے، نمازوں کے بعد تکبیر کہتے اور اپنے خیمہ میں، بستر پر، اپنی مجلس میں اور چلتے پھرتے ان تمام دنوں میں تکبیر کہتے تھے۔ (بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منی)

تکبیر کے الفاظ: اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ. اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

عید کے آداب:

۱۔ غسل کرے، خوشبو لگائے اور اپنے پاس موجود نئے کپڑے پہنے۔

۲۔ عید کی صبح لوگ مسجد میں صبح سویرے حاضر ہوں۔

۳۔ عیدالفطر میں نماز کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے اور عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مسنون ہے۔

۴۔ نمازی کے لیے عیدگاہ یا مسجد ایک راستے سے پیدل جانا اور دوسرے راستہ سے واپس ہونا مسنون ہے۔

امام بخاری (۹۴۳) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب عید کا دن ہوتا تو نبی کریم ﷺ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے۔

۵۔ امام کے لیے عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، دوسروں کے لیے سورج طلوع ہونے کے بعد نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

امام بخاری (۹۴۵) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے دن نکلتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، لیکن اس سے پہلے بھی کوئی نماز نہیں پڑھتے اور نہ اس کے بعد۔

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کی تعریف :یہ مال کی متعین مقدار ہے، جو رمضان کے آخری دن کا سورج غروب ہونے کے بعد متعین شرائط کے ساتھ ہر مکلّف پر اپنی طرف سے اور ہر اس شخص کی طرف سے نکالنا واجب ہے، جس کا نفقہ اس پر واجب ہے۔

مشہور یہ ہے کہ سن دو ہجری کو صدقۂ فطر فرض ہوا، جس سال رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

امام بخاری (۱۴۳۳) اور امام مسلم (۹۸۴، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر رمضان میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر مسلمان آزاد اور غلام، مرد اور عورت پر فرض ہے۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کی شرطیں :

تین شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔

۱۔مسلمان ہو: چناں چہ کافر پر اس اعتبار سے صدقۂ فطر واجب نہیں ہے کہ اس سے دنیا میں مطالبہ کیا جائے، اس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث ہے۔

۲۔رمضان کے آخری دن کا سورج غروب ہو:

جس شخص کا رمضان کے آخری دن کے غروب کے بعد انتقال ہو جائے، اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے، چاہے صدقۂ فطر نکالنے پر قدرت حاصل ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو جائے یا اس سے پہلے، برخلاف اس کے جو غروب کے بعد پیدا ہو، اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب نہیں ہے، اگر کسی کا انتقال سورج غروب ہونے سے پہلے ہو جائے تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب نہیں ہے، برخلاف سورج

غروب ہونے سے پہلے کوئی پیدا ہو جائے تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے۔

۳۔اس کے پاس زائد مال موجود ہو، جو اس کی اور اس کے اہل وعیال کے عید کے دن کی غذا، گھر اور ضرورت ہو تو خادم کی اجرت سے زیادہ ہو:

اگر اس کے پاس اپنے اور گھر والوں کے لیے عید کے دن اور رات کے کھانے پینے سے زیادہ مال نہ ہو تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، اگر اس کے پاس صرف عید کے بعد والے دن اور رات کے کھانے پینے کا سامان ہو، اس کے بعد کے لیے نہ ہو تو بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، کیوں کہ عید کے دن اور رات کے بعد کا اعتبار نہیں ہے۔

مکلّف پر کن لوگوں کا صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے:

جس شخص میں یہ تین شرطیں پائی جائیں، اس کے لیے اپنی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، مثلاً اس کے اصول یعنی باپ دادا، اور فروع مثلاً اس کی بچے اور بچوں کے بچے وغیرہ اور اس کی بیوی۔

اپنے ان بالغ بچوں کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب نہیں ہے جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں، اس قریبی رشتہ دار کی طرف سے بھی نکالنا واجب نہیں ہے، جس پر خرچ کرنے کا اس کو شریعت کی طرف سے مکلّف نہ بنایا گیا ہو، بلکہ اس کی طرف سے نکالے بھی تو صحیح نہیں ہوگا، البتہ اجازت ہو یا اس کو وکیل بنایا جائے تو صحیح ہے۔

اگر اس کے پاس صرف اتنا مال ہو جو ان تمام رشتہ داروں کی طرف سے ادا کرنے کے لیے کافی نہ ہو جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، اس صورت میں سب سے پہلے اپنی طرف سے نکالے پھر اپنی بیوی، پھر اپنے چھوٹے بچے، پھر اپنے والد پھر اپنی والدہ اور اخیر میں کمانے سے عاجز اپنی بڑی اولاد کی طرف سے نکالے۔

صدقۂ فطر میں کون سی چیز نکالی جائے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

صدقۂ فطر اپنے علاقہ میں کھائی جانے والی عام غذا ایک صاع نکالی جائے، اس کی

دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت ہے، امام بخاری (۱۴۳۹) نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ کے زمانے میں عیدالفطر کے دن ایک صاع غذا نکالتے تھے اور اس وقت ہماری غذا جو، کشمش، پنیر اور کھجور تھی

ایک صاع چار مد کے برابر ہے، چار مد تین لیٹر اور وزن میں تقریباً دو کلو چار سو گرام ہوتا ہے۔

اگر کسی شہر کی غذا گیہوں ہو تو ایک شخص کی طرف سے تین لیٹر یعنی دو کلو چار سو گرام گیہوں دیا جائے گا، امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ صدقۂ فطر قیمت دینے سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ اپنے شہر کی غذا دینا ضروری ہے، البتہ عصرِ حاضر میں اس مسئلے میں امام حنیفہ کے مسلک کی پیروی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ان کے نزدیک قیمت دینا بھی جائز ہے، کیوں کہ آج کے زمانے میں اناج کے مقابلے میں اس کی قیمت فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے اور اس سے مطلوبہ مقصد زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

صدقۂ فطر نکالنے کا وقت:

صدقۂ فطر نکالنا رمضان کے آخری دن کے سورج غروب ہونے کے بعد واجب ہے، البتہ پورے رمضان اور عید کے پہلے دن نکالنا جائز ہے۔

عید کی صبح عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے دینا مسنون ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کا تذکرہ ہے، امام بخاری (۱۴۳۲) کی روایت میں ہے: اور آپ نے نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا۔

عید کی نماز سے عید کا دن گزرنے تک موخر کرنا مکروہ ہے، اگر اس سے بھی موخر کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور صدقۂ فطر دینا بھی ضروری ہوگا۔

قربانی

اضحیة: وہ اونٹ، گائے، بکری یا مینڈھا جس کو عید کے دن اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے "**فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ**" "پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر (کوثر ۲) صحیح قول کے مطابق یہاں نحر سے مراد عیدالاضحیٰ کی قربانی ہے۔

امام بخاری (۵۲۴۵) اور امام مسلم (۱۹۶۶) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سینگ والے دو چکنے مینڈھوں کی قربانی کی، آپ نے اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا، اللہ کا نام لیا اور تکبیر پڑھ کر اپنا پاؤں گردن کے کنارے پر رکھا۔

قربانی کی حکمت:

قربانی عبادت ہے اور دوسرے تمام فائدوں اور حکمتوں سے بڑھ کر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں عبادت کا اصل مقصد خشوع وخضوع پایا جاتا ہے، جو تمام عبادتوں کی اصل اور جان ہے۔

قربانی کا سب سے بڑا مقصد عظیم قربانی کی یاد تازہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کرنے اور امتحان لینے کا ارادہ کیا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ نے ایک عظیم قربانی کے ذریعے اس کا بدلہ عطا فرمایا، ایک مینڈھے کو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھیجا اور اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا، جب کہ ابراہیم اور آپ کے فرزند اسماعیل علیہما السلام نے صدق دل کے ساتھ اپنے رب عزوجل کا حکم پورا کرنا شروع کر دیا تھا۔

قربانی میں فقراء اور تنگ دستوں کے لیے خیر خواہی بھی ہے اور یہ ان کی خوشی کا باعث بھی، اس سے مسلم معاشرے کے افراد کے درمیان بھائی چارگی اور تعلقات مضبوط ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں محبت پروان چڑھتی ہے اور اتحاد واتفاق کی روح بیدار ہوتی ہے۔

قربانی کا حکم:

قربانی سنت موکدہ ہے، البتہ دو میں سے کوئی ایک سبب پایا جائے تو قربانی کرنا واجب ہے:

۱۔ اپنی ملکیت میں موجود قربانی کے مناسب کسی جانور کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہ قربانی کا جانور ہے، یا یہ کہے کہ میں اس بکری کی قربانی کروں گا، اس صورت میں قربانی کرنا واجب ہے۔

۲۔ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے اوپر قربانی کو لازم کرے، مثلاً کہے: اللہ کے خاطر مجھ پر قربانی کرنا ضروری ہے، اس صورت میں اس پر قربانی کرنا واجب ہے جیسا کہ کسی بھی عبادت کو اپنے اوپر لازم کرنے کی صورت میں اس کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ نذر ہے۔

کس کے لیے قربانی کرنا سنت ہے؟

جس میں مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں اس کے لیے قربانی کرنا سنت ہے:

۱۔ مسلمان ہو: چناں چہ غیر مسلم اس کا مخاطب نہیں ہے۔

۲۔ بالغ اور عاقل ہو: کیوں کہ جو بالغ اور عاقل نہیں ہے وہ مکلّف نہیں ہے۔

۳۔ قربانی کرنے کی طاقت ہو: یعنی جس کے پاس اپنا اور ان لوگوں کا جن کا نفقہ اس پر واجب ہے عید اور تشریق کے تین دنوں کی غذا یعنی کھانے پینے کا سامان، کپڑا اور رہنے کے مکان سے زیادہ مال ہو۔

مندرجہ ذیل جانوروں کی قربانی جائز ہے:

اونٹ، گائے یا بکری (جس میں مینڈھا بھی ہے) کی قربانی جائز ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ”**وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ**“ اور ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا ایک وقت مقرر کیا ہے، تا کہ وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ چوپایوں پر اللہ کا نام لیں (انعام ۳۴)

انعام میں جانوروں کی یہی تین قسمیں ہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ اور کسی بھی صحابی سے ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی کا ثبوت نہیں ملتا۔

ان میں سب سے افضل اونٹ کی قربانی ہے پھر گائے پھر بکری کی۔

اونٹ اور گائے کی قربانی سات لوگوں کی طرف سے کرنا جائز ہے۔ امام مسلم (۱۳۱۸) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونٹ اور گائے کی قربانی سات لوگوں کی طرف سے کی۔

قربانی کی شرطیں:

اونٹ کی قربانی کے لیے پانچ سال مکمل ہونا شرط ہے۔

گائے اور بکری کی قربانی کے لیے دو سال مکمل ہونا شرط ہے۔

البتہ مینڈھے کے لیے صرف ایک سال مکمل ہونا یا اس کے سامنے کے دانت گرنا کافی ہے، چاہے اس کا ایک سال مکمل نہ ہوا ہو، میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”بہترین قربانی کا جانور مینڈھے کا بچہ ہے“۔

عیوب سے پاک ہو: تمام ایسے عیوب سے پاک ہونا شرط ہے جن سے گوشت کم ہوتا ہو، چناں چہ اس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا گودا کمزوری کی وجہ سے سوکھ گیا ہو، لنگڑے، کانے یا بیمار جانور کی قربانی بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح کان کٹے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں ہے۔

امام ترمذی (۱۴۹۷، اس روایت کو انھوں نے صحیح کہا ہے) اور امام ابو داؤد (۱۸۰۲) نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”چار

جانوروں کی قربانی صحیح نہیں ہے: ایسا کانا جانور جس کا کانا پن صاف معلوم ہوتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری صاف معلوم ہوتی ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن صاف معلوم ہوتا ہو اور ایسا کمزور جس میں گودا نہ ہو"۔

ان چار عیوب پر ان تمام عیوب کو قیاس کیا گیا ہے جن سے کمزوری آتی ہو اور گوشت کم ہوتا ہو۔

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت عیدالاضحیٰ کے دن سورج طلوع ہو کر اتنا وقت گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے جو دو رکعت اور دو خطبوں کے لیے کافی ہو، اور تیرہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔

قربانی کا سب سے افضل وقت عید کی نماز سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ہے، امام بخاری (۵۲۲۵) اور امام مسلم (۱۹۶۱) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس دن ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے، پھر لوٹ کر قربانی کریں گے، جو شخص اس طرح کرے اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے اس سے پہلے ذبح کیا، اس جانور کا گوشت اس کے گھر والوں کے لیے ہے، یہ عبادت نہیں ہے"، آپ ﷺ کے فرمان: "جس نے اس سے پہلے ذبح کیا" کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز شروع کرنے اور اتنا وقت گزرنے سے پہلے قربانی کرے جس میں عید کی نماز پڑھنا ممکن ہو، ابن حبان (۱۰۰۸) نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایام تشریق کے ہر دن قربانی ہے"، یعنی وہ قربانی کا وقت ہے۔

قربانی کے گوشت کا حکم:

اگر قربانی واجب ہو، یعنی نذر مانی ہوئی یا اپنے اوپر لازم کی ہوئی ہو تو قربانی کرنے والے اور جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، ان میں سے کسی کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز

نہیں ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی شخص یہ گوشت کھائے تو تاوان میں اس کا بدل یا قیمت دینا ضروری ہے۔

اگر قربانی سنت ہو تو تھوڑا سا صدقہ کر کے جتنا چاہے کھا سکتا ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ اس میں سے تھوڑا سا برکت کے لیے کھائے اور باقی صدقہ کرے، قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا جائز ہے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، دوسرا حصہ فقراء میں صدقہ کرے اور تیسرا حصہ اپنے مالدار دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں تقسیم کرے، البتہ جو مالدار کو دیا جاتا ہے وہ کھانے کے لیے ہدیہ ہے، ان کے لیے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، اور جو فقیر کو دیا جاتا ہے وہ اس کا مالک بنتا ہے، وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ**" اور قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے واسطے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے، اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے، چناں چہ تم قطار باندھ کر اس پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو اس میں سے کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بے قرار شخص کو کھلاؤ۔ (حج ۳۶)

قربانی کرنے والا اپنے قربانی کے جانور کا چمڑا صدقہ بھی کر سکتا ہے اور اپنے استعمال میں بھی لا سکتا ہے، البتہ اس کو بیچنا اور قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس سے قربانی میں کمی ہو جاتی ہے، جس سے قربانی باطل ہو جاتی ہے، امام بیہقی (۲۹۴/۹) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو اپنے قربانی کے جانور کے چمڑے کو بیچ دے تو اس کی قربانی نہیں"۔

قربانی کی سنتیں اور آداب:

۱۔ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور کوئی اس دوران قربانی کا ارادہ کرے تو اس کے لیے قربانی تک اپنے ناخن اور بال نہ نکالنا مستحب ہے، امام مسلم (۱۹۷۷) نے نبی

کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنا چاہے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے''۔

۲۔ خود سے ذبح کرنا مسنون ہے، اگر کسی عذر یا بلا عذر ذبح نہ کرے تو ذبح کرتے وقت موجود رہے، امام حاکم (۲۲۲/۴) نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اپنے قربانی کے جانور کے پاس جاؤ اور اس کو دیکھو، کیوں کہ اس کے خون کے پہلے قطرہ سے تمہارے سب پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں''، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: یہ صرف ہم اہل بیت کے ساتھ خاص ہے یا ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے''۔

۳۔ مسلمانوں کے حاکم یا امام کے لیے بیت المال سے مسلمانوں کی طرف سے قربانی کرنا مسنون ہے، امام مسلم (۱۹۶۷) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور اس کے ذبح کے وقت فرمایا: ''بِاسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ''اللہ کے نام سے میں ذبح کرتا ہوں، اے اللہ تو محمد، محمد کے گھر والوں اور محمد کی امت کی طرف سے قبول فرما''۔ حاکم اس کو عیدگاہ میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، امام بخاری (۵۳۳۲) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں ذبح اور نحر کیا کرتے تھے۔

تراویح کی نماز

تراویح کی نماز صرف رمضان میں مشروع ہے، اس کے لیے جماعت مسنون ہے، البتہ تنہا پڑھنا بھی صحیح ہے۔

تراویح کے معنی آرام کرنے کے ہیں، چوں کہ ہر چار رکعت کے بعد لوگ تھوڑا سا آرام لیتے ہیں، اس لیے اس نماز کو تراویح کا نام دیا گیا ہے، اس نماز کو قیام رمضان بھی کہا جاتا ہے۔

تراویح کی نماز رمضان کی ہر رات میں بیس رکعتیں ہیں، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا ہے، اس کا وقت عشاء اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے اور یہ نماز وتر سے پہلے پڑھی جاتی ہے

اگر کوئی ایک سلام سے چار رکعت پڑھ لے تو اس کی تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ نماز دو رکعت ہی مشروع ہے، اس کے خلاف کرنے سے یہ نماز ادا نہیں ہوگی۔

نیت میں اس نماز کی تعیین کرنا ضروری ہے، نفل مطلق کی نیت سے یہ نماز صحیح نہیں ہوتی۔

تراویح کی نماز مشروع ہونے کی دلیلیں:

امام بخاری (۳۷) اور امام مسلم (۷۵۹) وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو رمضان میں ایمان اور ثواب کی امید میں نماز پڑھے تو اس کے سب گناہ معاف کردیے جاتے ہیں''۔

امام بخاری (۸۸۲) اور امام مسلم (۷۶۱، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، چناں چہ آپ کے ساتھ چند لوگوں نے نماز پڑھی، پھر آپ نے دوسری رات نماز پڑھی تو بہت سے لوگ جمع ہوگئے، پھر تیسری رات بھی لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نہیں نکلے، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''جو تم نے کیا، میں نے دیکھ لیا (نماز پڑھنے کے لیے جمع ہونا اور

میرا انتظار کرنا) میں صرف اس خوف کی وجہ سے نہیں نکلا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کردی جائے"۔ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

امام بخاری(۹۰۶) نے عبدالرحمٰن بن عبدالقادر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان میں مسجد گیا تو لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور چند لوگ کسی کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے ہے کہ اگر یہ تمام لوگ ایک ہی قاری کے پیچھے جمع ہو جائیں تو بہتر ہے، پھر آپ نے ارادہ کیا اور ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا، پھر میں دوسری رات عمر کے ساتھ نکلا تو سب لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بہترین بدعت ہے۔

امام بیہقی وغیرہ (۴۹۶/۲) نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان کے مہینے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ امام مالک (۱۱۵/۱) نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان کے مہینے میں ۲۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ امام بیہقی نے دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں۔

سورج گہن اور چاند گہن کی نماز

کسوف: جزئی یا کلی سورج گہن کو کہتے ہیں اور خسوف: جزئی یا کلی چاند گہن کو کہتے ہیں، البتہ ایک کا استعمال دوسرے کے لیے ہوتا ہے۔

چاند گہن اور سورج گہن کی نمازیں گہن لگنے کی وجہ سے پڑھی جاتی ہیں، اس نماز میں مسلمان اللہ تعالی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اس مصیبت کو دور کر کے روشنی واپس لانے کی دعا کرتا ہے۔

سورج گہن کی نماز سن ۲ ہجری میں شروع ہوئی اور چاند گہن کی نماز سن ۵ ہجری میں

اس کا حکم: یہ نماز سنت موکدہ ہے، امام مسلم (۹۰۴) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ کسی کی موت پر ان کو گہن لگتا ہے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے، جب تم گہن دیکھو تو گہن ختم ہونے تک نماز پڑھو اور دعا کرو"، نبی کریم ﷺ نے خود یہ نماز پڑھی جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے، اس حدیث میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بدّو سے فرمایا جس نے پانچ نمازوں کے بارے میں آپ سے دریافت کیا تھا: کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں، البتہ تم نفل پڑھو تو الگ بات ہے" (بخاری۴۶، مسلم۱۱)

اس کے لیے جماعت مسنون ہے اور لوگوں کے جمع ہونے کے لیے "**الصلوۃ جامعة**" پکارا جائے گا۔

اس کا طریقہ: چاند گہن اور سورج گہن کی دو رکعتیں ہیں، نمازی چاند گہن یا سورج گہن کی نماز کی نیت کرے، اس نماز کے دو طریقے ہیں:

(۱) کم از کم طریقہ جس سے نماز صحیح ہوتی ہے۔ (۲) مکمل طریقہ

☆وہ طریقہ جس سے کم از کم نماز ادا ہوتی ہے:

ہر رکعت میں دو قیام، دو مرتبہ قرأت اور دو رکوع عام نمازوں کی طرح جس کو طویل نہ کیا جائے، جمعہ کی نماز کی طرح دو رکعتیں: دو قیام اور دو رکوع سے ادا کرنا بھی صحیح ہے، البتہ اس سے فضیلت چھوٹ جائے گی، کیوں کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے عمل کی مخالفت ہے۔

☆مکمل طریقہ: ہر رکعت میں دو قیام، جن میں لمبی قرأت کی جائے، پہلی رکعت کے پہلے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ یا اس کے بقدر دوسری سورتیں پڑھی جائیں اور دوسرے قیام میں دو سو آیتوں کے بقدر پڑھا جائے، اور دوسری رکعت کے پہلے قیام میں ۱۵۰ آیتوں کے بقدر پڑھا جائے اور دوسرے قیام میں سورہ بقرہ کی سو آیتوں کے بقدر پڑھا جائے، پھر جب رکوع کرے تو ایک سو آیتوں کے بقدر رکوع کو طویل کرے، جب دوسرا رکوع کرے تو ۸۰ آیتوں کے بقدر طویل کرے، تیسرے رکوع کو ۷۰ آیتوں کے بقدر اور چوتھے رکوع کو پچاس آیتوں کے بقدر طویل کرے۔

جب نماز مکمل ہو جائے تو خطیب جمعہ کے خطبوں کی طرح دو خطبے دے، ان میں لوگوں کو توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کی ترغیب دے اور ان کو غفلت میں پڑے رہنے سے ڈرائے۔

امام ترمذی (۵۶۲ اس کو حسن صحیح کہا ہے) نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے سورج گہن کے موقع پر ہم کو نماز پڑھائی، ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے۔

امام بخاری (۱۰۱۶) اور امام مسلم (۱۰۱) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چاند گہن میں بلند آواز سے قرات کی۔ چناں چہ پہلی حدیث سورج گہن پر محمول کی گئی ہے، کیوں کہ وہ دن کی نماز ہے اور دوسری حدیث چاند گہن پر، کیوں کہ یہ رات کی نماز ہے۔

امام بخاری (۹۴۷) اور امام مسلم (۹۰۱) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ مسجد

چلے گئے اور کھڑے ہو کر تکبیر کہی، لوگ آپ کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے، آپ نے طویل قرأت کی، پھر تکبیر کہی اور بہت طویل رکوع کیا، پھر رکوع سے اٹھے اور فرمایا: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' پھر کھڑے ہو گئے اور طویل قرأت کی، پہلی رکعت سے تھوڑا کم، پھر آپ نے تکبیر کہہ کر طویل رکوع کیا، جو پہلے رکوع سے تھوڑا مختصر تھا، پھر آپ نے فرمایا: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' پھر آپ نے سجدہ کیا (دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے سجدہ طویل کیا) پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا، یہاں تک کہ دو رکعتیں مکمل کی یعنی چار رکوع اور چار سجدے کیے، نماز سے فارغ ہونے سے پہلے سورج گہن ختم ہوا، پھر آپ نے کھڑے ہو کر لوگوں میں خطبہ دیا، اللہ کی اس کے مطابق تعریف کی، پھر فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو نہ کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش سے، جب تم ان کو دیکھو تو نماز کی طرف دوڑ پڑو''، دوسری روایت میں ہے: ''جب تم گہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو''۔

اگر سورج گہن کی نماز ہو تو قرأت آہستہ کرے اور لوگوں کو غفلت اور دھوکے میں پڑے رہنے سے ڈرائے۔

سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کی قضا نہیں ہے۔

اگر سورج گہن اور چاند گہن کی نماز چھوٹ جائے، مثلاً نماز پڑھنے سے پہلے گہن ختم ہو جائے تو اس کی قضا نہیں ہے، کیوں کہ یہ نمازیں اپنے اسباب سے جڑی ہوئی ہیں، جب سبب ختم ہو گیا تو اس کی وجہ سے شروع ہونے والی نماز بھی فوت ہو گئی۔

گہن کی نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم:

گہن کی نماز کے لیے غسل کرنا مسنون ہے، چناں چہ نماز سے پہلے غسل کیا جائے، جس طرح جمعہ کی نماز سے پہلے کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس نماز میں بھی لوگ جمع ہوتے ہیں اور اس کے لیے جماعت مسنون ہے۔

استسقا (پانی مانگنے) کی نماز

اس کی تعریف :یہ نماز بارش نہ ہونے یا چشمہ سوکھنے کی صورت میں پڑھی جاتی ہے،سبب پائے جانے کی صورت میں یہ نماز پڑھنا مسنون ہے،سبب ختم ہوجائے تو یہ نماز فوت ہوجاتی ہے،مثلاً بارش ہونے لگے یا چشمے میں پانی آجائے۔

اس نماز کا طریقہ:

اس کے تین طریقے ہیں:

کم از کم طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی وقت مطلق دعا کی جائے۔

درمیانی طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض اور نفل نماز کے آخری رکوع کے بعد دعا کی جائے۔

مکمل طریقہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل طریقے کے مطابق نماز ادا کی جائے:

۱۔امام یا نائب لوگوں کو مندرجہ ذیل چیزوں کا حکم دے:

(الف) سچی پکی توبہ کرنے کا حکم دے۔

(ب)فقراء میں صدقہ کرنے،اپنے آپسی مظالم کی معافی مانگنے اور آپس میں صلاح وصفائی کرنے کا حکم دے۔

(ج) چار دن مسلسل روزے رکھنے کا حکم دے۔

یہ تمام چیزیں مستحب ہیں،کیوں کہ دعا کے قبول ہونے میں ان چیزوں کا بڑا اثر پڑتا ہے،یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

۲۔امام روزوں کے چوتھے دن تمام لوگوں کو لے کر پھٹے پرانے کپڑوں میں خشوع وخضوع اور مسکنت و بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے جنگل یا میدان کی طرف نکلے اور امام

یا نائب عید کی نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے۔

امام ابن ماجہ (۱۲۶۶) وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ تواضع،خشوع وخضوع اور اپنی مسکنت و بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے پرانے کپڑوں میں نکلے اور عید کی نماز کی طرح دو رکعت نماز پڑھی۔

۳۔جب نماز مکمل ہوجائے تو امام دو خطبے عیدین کے خطبوں کی طرح دے،البتہ ان خطبوں کو تکبیر کے بجائے استغفار سے شروع کرے،پہلے خطبے میں نو اور دوسرے خطبے میں سات مرتبہ استغفار کرے،کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا'' اپنے رب سے مغفرت طلب کرو،بے شک وہ معاف کرنے والا ہے،وہ تم پر بہت زیادہ بارش نازل کرے گا(نوح ۱۰۔۱۱)

جب خطیب دوسرا خطبہ شروع کرے اور اس کا ایک تہائی حصہ ختم ہوجائے تو قبلہ کی طرف رخ کرکے نمازیوں کی طرف پیٹھ کرے،پھر اپنے چادر کو اس طرح بدلے کہ اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو اور داہنے طرف کا حصہ بائیں اور بائیں طرف کا حصہ داہنے طرف ہو،تا کہ اللہ عزوجل کے سامنے مزید مسکنت اور بے چارگی کا اظہار ہوجائے

امام ابن ماجہ (۱۲۶۸) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اللہ سے پانی طلب کرنے کے لیے نکلے تو ہم کو دو رکعت نماز پڑھائی،اس کے لیے نہ اذان کہی گئی اور نہ اقامت،پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ سے دعا کی اور ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا،پھر اپنی چادر پلٹ کر داہنے حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو داہنے طرف کیا۔

لوگوں کو بھی ایسا کرنا مسنون ہے۔

خطیب کے لیے یہ بھی سنت ہے کہ کثرت سے استغفار،دعا اور توبہ کرے اور خوب گڑگڑائے اور نیک وصالح لوگوں کے وسیلے سے دعا کرے۔

امام بخاری (۹۶۴) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب قحط

پڑتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے اللہ سے پانی طلب کرتے اور فرماتے: اے اللہ! ہم تیرے پاس اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، ہم اب اپنے نبی کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں، چناں چہ تو ہم کو پانی پلا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بارش ہوتی۔

۴۔ چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور چوپایوں کو اپنے ساتھ لے کر نکلے، کیوں کہ مصیبت ان تمام لوگوں اور جانوروں پر بھی آئی ہے، ذمیوں کو بھی شریک ہونے سے روکا نہ جائے۔

استقا کی دعا: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سُقْيَا رَحْمَةٍ، وَلَاتَجْعَلْهَا سُقْيَا عَذَابٍ، وَلَا مَحْقٍ وَلَا بَلَاءٍ، وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرَقٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَى الظِّرَابِ وَالْآكَامِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ، اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا، هَنِيْئًا مَّرِيْئًا مَّرِيْعًا، سَحَّاعًا مًّا طَبَقًا مُجَلَّلًا، دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَاتَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوْعِ وَالضَّنْكِ، مَا لَا نَشْكُوْ اِلَّا اِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ، وَاَنْزِلْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ، وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ، وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَكْشِفُهٗ غَيْرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا، فَاَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا''۔ (بخاری ۹۶۷، مسلم ۸۹۷، ابوداود ۱۱۶۹، الام ۱/۲۲۲)

ترجمہ: اے اللہ! تو اس کو رحمت کی بارش بنا، اور عذاب کی بارش نہ بنا، اور نہ ہلاکت کی، اور نہ مصیبت کی، اور اس کو انہدام کا سبب نہ بنا اور نہ غرق کا، اے اللہ! (اس طرح کی یعنی عذاب والی) بارش ٹیلوں، پہاڑوں، جنگلوں اور وادی کے اندرونی جگہوں پر نازل فرما، اے اللہ! یہ بارش ہمارے آس پاس نازل فرما، ہم پر نازل نہ فرما، اے اللہ! ہم کو سیراب کرنے والی بارش سے سیراب کردے، اور ہم کو مایوس ہونے والوں میں سے نہ بنا، اے اللہ! بندے اور علاقے تنگ حالی، بھوک اور خشک سالی کے شکار ہیں، جس کی شکایت ہم تجھ ہی سے کرتے ہیں، اے اللہ! ہمارے لیے کھیتی اُگا، اور تھنوں میں دودھ دے، اور ہم پر

آسمان کی برکتیں نازل فرما، اور زمین کی برکتیں ہمارے لیے اُگادے، اور ہم سے مصیبت کو دور فرما، جس کو تیرے علاوہ کوئی دور نہیں کرسکتا، اے اللہ! ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، تو بڑا ہی مغفرت فرمانے والا ہے، چناں چہ تو بہت برسنے والے بادل ہمارے پاس بھیج دے۔

جنازے کے احکام

موت کو یاد کرنے کا حکم:

ہر انسان کو موت کا ذکر کثرت سے کرنا مسنون ہے، حدیث میں آیا ہے: ''لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو'' (ابن حبان ۲۵۵۹) اسی طرح توبہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر کے موت کے لیے تیاری کرنا بھی مسنون ہے، چاہے جوان ہو یا بوڑھا، بیمار ہو یا صحت مند، کیوں کہ کسی کو اپنی موت کا پتہ نہیں اور یہ معلوم نہیں کہ بوڑھے کا پہلے انتقال ہوگا یا نوجوان کا، اسی طرح بیمار پہلے چلا جائے گا یا صحت مند، کیوں کہ بعض نوجوانوں کی اس حالت میں موت ہوتی ہے کہ وہ اپنی جوانی کے خوابوں میں غرق رہتے ہیں اور بعض بوڑھے ایسے ہیں جو ہر وقت موت کا انتظار کرتے ہیں، لیکن ان کی عمر میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جب کوئی انسان بیمار ہو جائے تو موت کو یاد کرنا اور موت کی تیاری کرنا یعنی نیک کاموں میں مشغول رہنا اور برے کاموں سے بچنا سنت موکدہ ہے۔

موت کے وقت کیا کیا جائے؟

جب موت کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں اور سکرات یعنی جسم سے روح نکلنے کا وقت آئے تو مندرجہ ذیل کام کرنے چاہیے:

۱۔ جب مریض سکرات کے عالم میں پہنچے تو گھر والوں کے لیے سنت ہے کہ اس کو داہنے پہلو قبلے کی طرف چہرہ کر کے لٹائے، اگر ایسا کرنا دشوار ہو تو اس کو چت لٹا کر اس کا چہرہ تھوڑا سا اوپر کرے، تا کہ اس کا رخ قبلے کی طرف ہو، اسی طرح پاؤں کے تلوے بھی قبلے کی طرف کرنا مسنون ہے۔

۲۔ کلمہ شہادت ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین نرمی کے ساتھ اصرار کے بغیر کرنا مسنون ہے، لا الـه الا اللّٰه کو اتنی آواز میں دہرایا جائے کہ وہ سن لے، اس کو کہنے کا حکم نہ دیا جائے، امام مسلم (۹۱۶، ۹۱۷) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو''۔

۳۔ اس کے پاس سورہ یٰس پڑھنا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مرنے والوں کے پاس سورہ یٰس پڑھو'' (ابو داؤد ۳۱۲۱، ابن حبان ۷۲۰، انھوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے)

۴۔ جس بیمار کو یہ احساس ہو جائے کہ اس کو جلد موت آنے والی ہے اور وہ سکرات کے عالم میں پہنچنے والا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنا اور اپنے گناہوں اور معاصی کو دل سے نکال کر یہ تصور کرنا مسنون ہے کہ رب کریم اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا، اگر وہ اپنے ایمان اور عقیدۂ توحید کی حفاظت کرے گا، صحیح حدیث میں آیا ہے: ''میں اپنے بندے کے ساتھ میرے بارے میں اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں''

(بخاری ۶۹۷۰، مسلم ۲۶۷۵)

موت کے بعد کیے جانے والے اعمال:

جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کی روح پرواز کر جائے تو مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی مستحب ہے:

۱۔ آنکھوں کو بند کرنا، ٹھڈی کو کسی پٹی سے باندھنا، تا کہ اس کا منھ کھلا نہ رہے، نبی کریم ﷺ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آئے جب آپ کی آنکھیں جھک رہی تھیں، آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دی۔ (مسلم ۹۲۰)

۲۔ جوڑوں کو نرم کرنا اور ہر ایک کو اس کی جگہ واپس کرنا، یعنی اس کے بازو کو نرم کرے پھر اس کو پھیلا کر کندھوں کی طرف لے جائے، اسی طرح پاؤں اور باقی اعضاء کے ساتھ کیا جائے۔

۳۔ کوئی بھاری چیز اس کے پیٹ پر رکھنا، تا کہ پھول کر اس کی شکل وصورت بگڑ نہ

جائے،اسی طرح پورے بدن کو کسی ہلکے کپڑے سے ڈھانکنا بھی مندوب ہے۔

۴۔سنت یہ ہے کہ اس کے تمام کپڑے اتارے جائیں اور اس کو تخت یا کسی بلند چیز پر رکھا جائے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کیا جائے،یہ کام اس کا سب سے قریبی محرم رشتہ دار کرے۔

جب انسان کی روح پرواز کر جائے اور اس کی موت کا یقین ہو جائے تو فوراً غسل دینا،کفن دینا اور نماز پڑھ کر تدفین کرنا مستحب ہے،یہ چار چیزیں فرض کفایہ ہیں،اس پر پوری امت کا اجماع ہے،اگر کوئی بھی یہ کام انجام نہ دے تو سب گنہ گار ہو جائیں گے۔

۱۔میت کو غسل دینا: سب سے پہلا کام غسل دینا ہے،اس کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: کم از کم غسل یہ ہے کہ اس کے بدن کی نجاست ختم کی جائے اور پورے جسم پر پانی بہایا جائے،اس سے فرض کفایہ ادا ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ: یہ کامل طریقہ ہے،جس سے سنت ادا ہو جاتی ہے،وہ طریقہ یہ ہے کہ غسل دینے والا مندرجہ ذیل کام انجام دے:

۱۔میت کو کھلی جگہ بلند چیز پر مثلاً تخت وغیرہ پر رکھے اور قمیص وغیرہ سے میت کے ستر کو ڈھانک دے۔

۲۔غسل دینے والا میت کو پیچھے کی طرف جھکا کر بٹھائے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اس کے سر کو ٹیک دے اور اپنے بائیں ہاتھ سے میت کے پیٹ کو دبائے،تاکہ اس کے پیٹ میں موجود گندگی نکل جائے،پھر اپنے بائیں ہاتھ پر کپڑا یا دستانہ وغیرہ لپیٹ کر دونوں شرمگاہوں کو دھوئے،پھر اس کا منھ اور ناک کے نتھنے صاف کرے،پھر اس کو وضو کرائے۔

۳۔میت کا سر اور چہرہ صابون یا کسی دوسری چیز سے دھوئے اور بالوں میں کنگھی کرے،اگر کوئی بال گر جائے تو اس کو واپس رکھے،تاکہ بال کو ساتھ میں دفن کیا جائے۔

۴۔میت کے چہرے سے متصل پورا داہنا حصہ دھوئے پھر اس کا بایاں حصہ دھوئے پھر ٹھڈی سے متصل داہنا حصہ دھوئے،پھر بایاں حصہ،اس طرح اس کے پورے جسم تک پانی پہنچائے،یہ پہلا غسل ہے،اسی طرح پھر دو مرتبہ غسل کرنا مسنون ہے،اس طرح تین

مرتبہ غسل مکمل ہو جائے گا،آخری غسل میں پانی کے ساتھ کچھ کافور ملایا جائے،جب میت غیر محرم (جس نے احرام نہ باندھا ہو) کی ہو۔

امام بخاری (۱۶۵) اور امام مسلم (۹۳۹) نے حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے،جب کہ ہم آپ کی بیٹی کو غسل دے رہے تھے،آپ نے فرمایا: ''اس کو تین یا پانچ مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اگر تم چاہو تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دو،اور اخیر میں کچھ کافور ڈالو،اس کے داہنے حصوں اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو''۔

اگر میت مُحرم (احرام باندھے ہوئے شخص) کی ہو تو کافور یا کوئی خوشبو والی چیز ملائی نہ جائے۔

امام بخاری (۱۲۰۸) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک شخص کو اونٹ نے روند دیا،جب کہ وہ حالت احرام میں تھا،نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے دھوؤ اور دو کپڑوں میں کفن دو،اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کے سر کو ڈھانکو،کیوں کہ اللہ قیامت کے دن اس کو تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھائے گا''۔

یہ ضروری ہے کہ مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے،اس کی دلیل سابقہ روایتیں ہیں،البتہ شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتے ہیں،اگر عورت کو غسل دینے کے لیے کوئی عورت یا محرم نہ ملے یا مرد کو غسل دینے کے لیے کوئی مرد یا محرم نہ ملے تو غسل نہیں دیا جائے گا،بلکہ اس کے بدلے تیمم کرایا جائے گا۔

میت کو غسل دینا اس کی عزت وتکریم اور صفائی کے لیے ہے،ہر مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے،البتہ جنگ میں شہید ہونے والا اس سے مستثنیٰ ہے،جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

۲۔ کفن دینا :

کم سے کم مطلوبہ کفن یہ ہے کہ میت کو ایک ایسے کپڑے میں لپیٹا جائے جس سے پورا بدن اور سر ڈھک جائے، اگر اس کا انتقال حالت احرام میں نہ ہوا ہو، صحیح قول کے مطابق واجب کفن وہ کپڑا ہے جس سے ستر چھپ جائے۔

مکمل کفن :اگر میت مرد کی ہو تو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے اور وہ سب کپڑے میت کی لمبائی کے بقدر لمبے اور چوڑے ہوں، ہر ایک کپڑا پورے بدن کو ڈھانکنے والا ہو، سفید کے علاوہ دوسرے رنگ کے کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے، اسی طرح اس کپڑے میں بھی کفن دینا مکروہ ہے، جو قمیص کی طرح ہو ، اس کی دلیل امام بخاری (۱۲۱۴) اور امام مسلم (۹۴۱) کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو تین سفید کاٹن کے کپڑوں میں کفن دیا گیا، جن میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔

امام ترمذی (۹۹۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے کپڑوں میں سفید کپڑے پہنا کرو، کیوں کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور اپنے جنازوں کو ان ہی میں کفن دو''۔

عورت ہو تو پانچ سفید کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے، وہ پانچ کپڑے یہ ہیں: ایک ازار جو ناف سے پورے پیروں کو ڈھانکے، ایک اوڑھنی جو سر ڈھانک دے، ایک قمیص جو جسم کے اوپری حصے کو ناف تک ڈھانکے اور دو چادریں جو پورے بدن کو ڈھانکیں۔

امام ابوداؤد (۳۱۵۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان ہی پانچ کپڑوں میں کفن دینے کا حکم دیا۔

یہ غیر محرم (جس کا حالت احرام میں انتقال نہ ہوا ہو) کے لیے ہے، اگر حالتِ احرام میں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا سر کھلا رکھنا ضروری ہے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے، جس میں تذکرہ ہے کہ ایک شخص کو اس کی اونٹنی نے حالت احرام میں روند دیا، اس حکم میں حالتِ احرام والی عورت کے چہرے کا حکم مرد کے سر کی طرح ہے، یعنی عورت کا چہرہ کھلا

رکھنا واجب ہے۔

کفن کا کپڑا وہی ہو جو میت کے لیے زندگی میں پہننا جائز ہے، چناں چہ مرد کو ریشم کے کپڑوں میں کفن دینا جائز نہیں ہے، جسم کے کھلے ہوئے اعضاء: ناک، کان اور شرمگاہ وغیرہ اور سجدوں کے اعضاء پر حنوط یا کافور ملی ہوئی روئی رکھی جائے، چادروں کو کپڑے کے ٹکڑوں سے باندھا جائے، پھر قبر میں اتارا جائے۔

۳۔ جنازے کی نماز :

اس کی مشروعیت کی دلیل امام بخاری (۱۱۸۸) اور امام مسلم (۹۵۱) کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی وفات کے دن ان کی موت کی خبر دی اور لوگوں کو لے کر مسجد چلے گئے اور ان کو صف میں کھڑا کر کے چار تکبیریں کہی۔

نماز غسل کے بعد صحیح ہوتی ہے، اس سے پہلے نماز صحیح نہیں ہوتی۔

نماز جنازہ کا طریقہ

۱۔ نماز جنازہ کی نیت کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہے، نیت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں کہے: میں اس جنازہ پر فرض کفایہ چار تکبیرات کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوں۔

۲۔ جب تکبیر کہے تو عام نمازوں کی طرح اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اور سورہ فاتحہ پڑھے۔

۳۔ جب سورہ فاتحہ مکمل کرے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھا کر دوسری تکبیر کہے، پھر دوبارہ اپنے ہاتھوں کو سینے پر باندھے اور نبی کریم ﷺ پر کوئی بھی درود پڑھے، افضل درود درودِ ابراہیمی ہے۔

۴۔ پھر تیسری تکبیر کہے اور اس کے بعد میت کے لیے دعا کرے، جنازہ کی نماز کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔

امام بخاری (۱۲۷۰) نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت

کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھا اور فرمایا: تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت طریقہ ہے۔

امام نسائی (۴/۷۵) نے صحیح سند سے حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کو کسی صحابی نے بتایا کہ نماز جنازہ کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر پہلی تکبیر کے بعد آہستہ سورہ فاتحہ پڑھے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور باقی تکبیرات میں جنازہ کے لیے مخصوص دعا کرے اور ان میں کچھ بھی بلند آواز سے نہ پڑھے پھر سلام پھیرے۔

کم از کم دعا یہ ہے: **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ** . اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما۔

نبی کریم ﷺ سے منقول مکمل دعا پڑھی جائے۔

سب سے پہلے یہ دعا پڑھے: "**اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ** (ترمذی ۱۰۲۴، ابوداؤد ۳۲۰۱)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے زندوں کی، ہمارے مردوں کی، ہم میں موجود لوگوں کی، اور ہم میں غیر حاضر لوگوں کی، ہمارے چھوٹوں کی اور ہمارے بڑوں کی، ہمارے مردوں کی اور ہماری عورتوں کی مغفرت فرما، اے اللہ! ہم میں سے جس کو بھی تو زندہ رکھ، اس کو اسلام کی حالت میں زندہ رکھ، اور ہم میں سے جس کو وفات دے تو ایمان کی حالت میں وفات دے۔

پھر یہ دعا کرے: **اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ خَرَجَ مِنْ رَوْحِ الدُّنْيَا وَسَعَتِهَا، وَمَحْبُوْبِهِ وَاَحِبَّائِهِ فِيْهِ، اِلٰى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَمَاهُوَ لَاقِيْهِ، كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ، وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنَّا، اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ نَزَلَ بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهِ، وَاَصْبَحَ فَقِيْرًا اِلٰى رَحْمَتِكَ، وَاَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهِ، وَقَدْ جِئْنَاكَ رَاغِبِيْنَ اِلَيْكَ شُفَعَاءَ لَهُ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهِ، وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، وَلَقِّهِ**

بِرَحْمَتِكَ رِضَاكَ، وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَهُ، وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ، وَجَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَلَقِّهِ بِرَحْمَتِكَ الْاَمْنَ مِنْ عَذَابِكَ، حَتّٰى تَبْعَثَهُ اِلٰى جَنَّتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بچہ ہے، دنیا کی زندگی اور اس کی وسعت، اپنے محبوب اور دنیا میں رہنے والے اپنے چاہنے والوں سے نکل کر قبر کی تاریکی اور وہاں کی تنہائیوں اور تکلیفوں کی طرف گیا ہے، وہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اور محمد آپ کے بندے اور رسول ہیں، تو اس کے بارے میں ہم سے زیادہ جانتا ہے، اے اللہ! وہ آپ کے پاس اترا ہے، اور آپ بہترین میزبان ہیں، اور وہ آپ کی رحمت کا فقیر بن گیا ہے، اور تو اس کو عذاب دینے سے بے نیاز ہے، ہم آپ کے پاس امید لیے اس کی سفارشی بن کر آئے ہیں، اے اللہ! اگر وہ نیکوکار تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما، وہ گنہ گار تھا تو اس کو درگذر فرما، اور اپنی رحمت سے اس کو اپنی رضامندی اور خوشنودی عطا فرما، اس کو قبر کے فتنے اور عذاب سے بچا، اور اس کے لیے قبر میں کشادگی فرما، اور اس کے پہلوؤں سے زمین کو دور رکھ، اور اپنی رحمت کے ذریعے اپنے عذاب سے اس کو امن عطا فرما، یہاں تک کہ تو اس کو اپنی جنت میں پہنچا دے، اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے!۔

اگر جنازہ بچے کا ہو تو دوسری دعا کے بدلے یہ دعا پڑھے: **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فَرَطًا لِّاَبَوَيْهِ وَسَلَفًا وَذُخْرًا وَعِظَةً وَاعْتِبَارًا وَشَفِيْعًا، وَثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمَا، وَاَفْرِغِ الصَّبْرَ عَلٰى قُلُوْبِهِمَا وَلَا تَفْتِنْهُمَا بَعْدَهُ وَلَا تَحْرِمْهُمَا اَجْرَهُ.**

ترجمہ: اے اللہ! اس بچے کو اس کے والدین کی نجات کے لیے آگے جانے والا اور پیشرو بنا، اور ذخیرۂ آخرت اور نصیحت وعبرت کا سامان بنا، اور سفارشی بنا، اور اس کے ذریعے ان کے پڑلے کو بھاری فرما، اور ان کے دلوں کو صبر سے بھر دے، اور اس کے بعد انھیں آزمائش میں مبتلا نہ فرما، اور نہ اس کے اجر سے محروم فرما۔

ان دعاؤں کا انتخاب امام شافعیؒ نے مجموعہ احادیث سے کیا ہے اور بعض دعاؤں کو بالمعنی بیان کیا ہے، ان دعاؤں کو شوافع نے پسند کیا ہے، اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث امام مسلم (۹۶۳) کی حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھی تو میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْ لَهُ دَاراً خَيْراً مِّنْ دَارِهِ وَاَهْلاً خَيْراً مِّنْ أَهْلِهِ وَزَوْجاً خَيْراً مِنْ زَوْجِهِ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ (اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما، اس کو عافیت نصیب فرما، اور اس سے درگذر فرما، اور اس کی بہترین مہمان نوازی فرما، اور اس کی قبر کو کشادہ فرما، اور اس کو پانی، برف اور اولے سے دھودے اور گناہوں سے اس کو اسی طرح پاک فرما، جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے، اس کو اس کے دنیا کے گھر سے بہتر گھر، اس کے گھر والوں سے بہتر گھر والے، اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما، اور اس کو جنت میں داخل فرما، اور قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ)
حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اس دعا سے مجھے تمنا ہوئی کہ کاش یہ جنازہ میرا ہی ہوتا۔

۵۔ پھر چوتھی تکبیر کہے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے ''اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ (ابوداؤد ۳۲۰۱) (اے اللہ! ہمیں اس کے اجر (اس کے انتقال پر صبر کرنے کے اجر) سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ فرما، ہماری اور اس کی مغفرت فرما)

۶۔ پھر دوسری نمازوں کی طرح دو سلام پھیرے، پہلا داہنے طرف اور دوسرا بائیں طرف

امام بیہقی (۴۳/۴) نے جید سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جنازہ کی نماز میں دوسری نمازوں کی طرح سلام پھیرتے تھے

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنازہ کی پوری نماز صرف قیام ہے، اس میں رکوع، سجدے اور جلوس وغیرہ نہیں ہے۔

٤۔ میت کو دفن کرنا :

میت کو دفن کرنے کا کم از کم طریقہ یہ ہے کہ میت کو ایسے گڑھے میں دفن کیا جائے جہاں سے بدبو اٹھنے اور جانوروں کے نکالنے کا اندیشہ نہ ہو اور میت کو قبلے کی طرف رخ کرکے دفن کیا جائے۔

میت کو دفن کرنے کا مکمل طریقہ :

۱۔ میت کو ایسی قبر میں دفن کیا جائے، جس کی گہرائی معتدل آدمی کی لمبائی اور ہاتھ اوپر اٹھانے کے بقدر ہو اور ایک گز چوڑی ہو۔

امام ابوداؤد (۳۲۱۵) اور امام ترمذی (۱۷۱۳) نے حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولین بدر کے بارے میں فرمایا: ''ایک گڑھا کھودو اور اس کو کشادہ کرکے بہتر بناؤ'' (امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

۲۔ داہنے پہلو لٹا کر قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اگر قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر میت پر مٹی ڈالی جائے اور میت میں تبدیلی نہ آئی ہو تو قبر کو دوبارہ کھول کر قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، میت کا گال زمین سے لگانا مندوب ہے۔

۳۔ اگر زمین سخت ہو تو قبر میں لحد بنانا سنت ہے، امام مسلم (۹۶۶) نے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنے مرض الموت میں کہا: میرے لیے لحد بناؤ اور مجھ پر اینٹ رکھو، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔

لحد یہ ہے کہ قبر کی قبلہ والی دیوار کو میت کی چوڑائی کے بقدر کھوکھلا کیا جائے اور اس میں رکھا جائے، پھر اس کو پتلے پتھروں سے بند کر دیا جائے، تا کہ اس پر مٹی نہ گرے۔

اگر زمین نرم ہو تو قبر میں شق بنانا مندوب ہے، شق یہ ہے کہ قبر کے سب سے نچلے حصے میں میت کی چوڑائی کے بقدر صندوق بنایا جائے اور اس کے دونوں طرف اینٹ وغیرہ

رکھی جائیں، پھر اس میں جنازہ اتارا جائے، پھر صندوق کو ہلکے پتھروں سے اوپر سے بند کردیا جائے پھر اس کے اوپر مٹی ڈالی جائے۔

۴۔قبر کے پاس میت رکھنے کے بعد میت کو سر کی طرف سے آہستہ آہستہ اتارا جائے

امام ابوداؤد (۳۲۱۱) نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہ نے حارث کو قبر میں پاؤں کی طرف سے اتارا اورانھوں نے کہا: یہ سنت ہے۔

قبر میں اس کا قریبی رشتہ دار اترے اورلحد لگاتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ '' کہے، امام ابوداؤد (۳۲۱۳) اورامام ترمذی (۱۰۴۶) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب جنازے کو قبر میں اتارتے تو فرماتے ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ''۔اللہ کے نام سے اوررسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق (اس میت کو قبر میں) اتارتا ہوں۔

جنازے کے ساتھ چلنے کے آداب اور بدعتیں

مردوں اور عورتوں کا جنازے کے ساتھ چلنا:

قبر تک جنازے کے ساتھ چلنا مردوں کے لیے مستحب ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کو رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کے ساتھ چلنے، مریض کی عیادت کرنے، چھینکنے والے کا جواب دینے، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا (بخاری ۱۱۸۲)، تدفین کے بعد ہی واپس لوٹنا مستحب ہے، امام بخاری (۱۲۶۱) اورامام مسلم (۹۴۵) نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو جنازہ کے ساتھ اس پر نماز پڑھنے تک شریک رہے تو اس کے لیے ایک قیراط ہے، اور جو دفن کرنے تک ساتھ رہے تو اس کے لیے دو قیراط ہیں''، دریافت کیا گیا: دو قیراط کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کی طرح''، یعنی اجر ملے گا۔

البتہ عورتوں کے لیے جنازہ کے ساتھ جانا مستحب نہیں ہے، بلکہ یہ سنت اور رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے خلاف ہے۔

امام بخاری (۱۲۱۹) اور امام مسلم (۹۳۸) نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا، لیکن سختی کے ساتھ نہیں، یعنی حرام نہیں ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نکلے تو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، آپ نے دریافت فرمایا: ''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو''؟ انھوں نے کہا: ہم جنازے کا انتظار کررہی ہیں، آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم غسل دوگی''؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تم جنازہ اٹھاؤ گی''؟ انھوں نے کہا:

نہیں، آپ نے پوچھا: ''کیا تم میت کو قبر میں اتاروگی''؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''تو تم گنہ گار ہو کر لوٹ جاؤ گی، نہ کہ اجر وثواب حاصل کروگی''۔ یعنی جنازے کے ساتھ چلنے اور تدفین میں شریک ہونے میں تمہارے لیے گناہ ہے، اجر نہیں ہے۔

جنازے کے ساتھ چلنے کے آداب:

۱۔ جنازے کے ساتھ پیدل چلے، البتہ سواری پر واپس ہوسکتا ہے۔

امام بخاری (۳۱۷۷) نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کے لیے ایک چوپایہ لایا گیا، جب کہ آپ جنازے کے ساتھ تھے، آپ نے سوار ہونے سے انکار کیا، جب آپ واپس ہونے لگے تو سواری لائی گئی تو آپ اس پر سوار ہوگئے، اس بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''فرشتے چل رہے تھے، میں اس وقت سوار ہوکر نہیں جاسکتا جب کہ وہ چل رہے ہوں، جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہوگیا''۔

اس کو سنت پر محمول کیا گیا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ بعض مرتبہ سوار ہوکر بھی گئے ہیں۔

امام مسلم (۹۶۵) نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن دحداح رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ کے پاس بغیر زین والا گھوڑا لایا گیا، ایک نے اس کو پکڑا اور آپ اس پر سوار ہوگئے تو وہ گھوڑا اچھلنے لگا اور ہم آپ کے پیچھے چلے گئے۔

۲۔ جنازے کو کسی ایسی چیز پر اٹھانا حرام ہے جس سے میت کے گرنے کا خطرہ ہو، تابوت میں رکھ کر لے جانا مسنون ہے، خصوصاً جب جنازہ عورت کا ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرافت سے سرفراز کیا ہے، اس لیے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

۳۔ جنازے کے ساتھ چلنے کے دوران شور کرنا مکروہ ہے، بلکہ سنت یہ ہے کہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھا جائے اور ذکر بھی نہ کیا جائے، اس کے بدلے موت کے بارے

میں سوچا جائے اور اپنے انجام کے بارے میں غور وخوض کیا جائے، امام ابوداؤد (۳۱۷۱) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنازے کے پیچھے نہ آواز کی جائے اور نہ آگ ساتھ لی جائے''۔

۴۔ افضل یہ ہے کہ جنازہ کے سامنے اس کے قریب چلیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شفیع اور سفارشی ہیں، چناں چہ مناسب یہ ہے کہ جنازہ کے سامنے چلا جائے، امام ابوداؤد (۳۱۷۹) وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ، ابوبکر اور عمر کو جنازہ کے سامنے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام ابوداؤد (۳۱۸۰) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: ''سوار جنازہ کے پیچھے چلتا ہے اور پیدل پیچھے، سامنے، داہنے اور بائیں اور اس کے قریب چلتا ہے''۔

۵۔ مسلمان اپنے قریبی رشتے دار کافر کے جنازہ کے ساتھ جاسکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۶۔ انتقال کے تین دنوں کے دوران میت کے گھر والوں کی تعزیت کرنا مسنون ہے، امام ابن ماجہ (۱۶۰۱) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو مسلمان بھی کسی مصیبت میں اپنے بھائی کی تعزیت (صبر کی تلقین کرنا اور دلاسہ دینا) کرے گا، اللہ اس کو قیامت کے دن عزت وشرافت کے جوڑے پہنائے گا''۔

تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے، البتہ کوئی سفر میں ہو تو اس کی تعزیت بعد میں بھی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ تین دن میں غم ختم ہوجاتا ہے، پھر اس غم کو تازہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

بار بار تعزیت کرنا بھی مکروہ ہے، افضل یہ ہے کہ تدفین کے بعد تعزیت کی جائے البتہ پہلے تعزیت کرنا ان سے خیر خواہی کے اظہار کے لیے ہو تو پہلے تعزیت کرنا افضل ہے۔

اس کا مستحب صیغہ یہ ہے: ''أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ وَأَحْسَنَ عَزَاءَكَ، وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ وَعَوَّضَكَ اللّٰهُ عَنْ مُصِيبَتِكَ خَيْرًا''۔ اللہ تمہارے اجر میں اضافہ فرمائے، اور تمہاری بہترین تعزیت فرمائے، اور تمہاری میت کی مغفرت فرمائے، اور تم پر

آئی ہوئی مصیبت کے بدلے تم کو اللہ بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

جنازے کی بدعتیں:

۱۔جن آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی مخالفت کرنا بدعت ہے، مثلاً سوار ہو کر یا آواز کرتے ہوئے جنازہ کے ساتھ چلنا۔

۲۔تاج اور پھول وغیرہ جنازہ کے ساتھ لے جانا، یہ حرام ہے، یہ بدعت کافروں کی تقلید میں مسلمانوں میں آئی ہے، اس میں مال کے ضیاع کے ساتھ فخر ومباہات بھی ہے۔

۳۔قبر کھودنے کا صحیح طریقہ چھوڑ کر دوسرے طریقے سے قبر کھودنا۔

۴۔قبروں کو ہر اس چیز سے پختہ کرنا مکروہ ہے جو آگ میں پکائی گئی ہو، مثلاً سمنٹ اور چونا وغیرہ، چاہے اندر سے پختہ کیا جائے یا باہر سے۔

امام مسلم (۹۷۰) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے سے منع فرمایا، اگر سنگ مرمر وغیرہ لگائے تو حرام ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ کی منع کردہ چیز کا ارتکاب ہے اور شرعاً ممنوع چیز میں مال کو ضائع کرنا ہے اور اس میں ناپسندیدہ فخر ومباہات ہے۔

۵۔قبروں کو اونچی کرنا اور اس پر تعمیر کرنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ آج بہت سے لوگ کرتے ہیں، سنت یہ ہے کہ قبر ایک گز سے زیادہ اونچی نہ کی جائے، کیوں کہ ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

امام مسلم (۹۶۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ھیاج اسدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تم کو وہی چیز دے کر روانہ نہ کروں، جس کو دے کر رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا تھا، وہ یہ ہے: "تم کوئی مجسمہ نہ چھوڑو، مگر اس کو مٹا دو اور کسی اونچی قبر کو نہ چھوڑو، مگر اس کو زمین کے برابر کردو"۔

۶۔میت کے کارناموں کو یاد کر کے نوحہ کرنا مکروہ ہے، نوحہ ہر وہ عمل یا قول ہے جس میں جزع فزع کا اظہار ہو، مثلاً سینہ کوبی کرنا، کپڑے پھاڑنا وغیرہ، یہ تمام چیزیں حرام ہیں،

رسول اللہ ﷺ نے واضح الفاظ میں اس سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالی کی قضا وقدر پر سر جھکانے اور ماننے کے بجائے اس کی مخالفت ہے۔

امام مسلم (۹۳۵) نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نوحہ کرنے والی عورت موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گی کہ اس کے جسم پر تارکول اور کھجلی کی قمیص ہوگی"، یعنی اس کے اعضاء پر خارش کی بیماری ہوگی، جو اس کے پورے بدن کو قمیص کی طرح گھیرے ہوئے ہوگی

امام بخاری (۱۲۳۲) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ ہم میں سے نہیں جو گالوں پر مارے، کپڑوں کو پھاڑے اور جاہلیت کا دعوی کرے"۔

غم اور رنج دلی کی وجہ سے اگر طبعی طور پر رونا آئے تو رونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام بخاری (۱۲۴۱) اور امام مسلم (۲۳۱۵، ۲۳۱۶) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بچے ابراہیم کی موت سے پہلے رو دیے، جب وہ اپنی آخری سانس لے رہے تھے، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "آنکھ آنسو بہا رہی ہے اور دل غمگین ہے، ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو، ابراہیم ہم آپ کی جدائی پر غمگین ہیں"۔

امام مسلم (۹۷۶) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی تو رو پڑے، آپ کے رونے نے وہاں موجود لوگوں کو بھی رلا دیا۔

۷۔میت کے گھر والوں کا کھانا پکانے اور لوگوں کو کھلانے میں مشغول رہنا، جیسا کہ آج بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے، یہ بدعت ہے اور سنت کی سخت ترین مخالفت ہے۔

سنت اس کے بالکل برعکس ہے، یعنی جنازے میں شریک ہونے والے بعض لوگ کھانا اپنے ساتھ لا کر میت کے گھر والوں کو دیں، یا ان کو اپنے گھر بلائے، کھانا اتنا زیادہ دینا مستحب ہے کہ پورے گھر والوں کو رات اور دن کافی ہو جائے، جب حضرت جعفر بن

ابو طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا بناؤ، کیوں کہ اس خبر نے ان کو مشغول کر دیا ہے'' (ترمذی ۹۹۸، ابو داؤد ۳۱۳۲)
نوحہ کرنے والی عورتوں کے لیے کھانا پکانا حرام ہے، چاہے میت کے گھر والے بنائیں یا دوسرے، کیوں کہ یہ گناہ پر تعاون اور ان کی ہمت افزائی کرنا ہے۔

بہت سی جگہوں پر تین دن یا چالیس دن گزرنے پر لوگوں کو کھانے کے لیے جمع کیا جاتا ہے، یہ بھی بدعت ہے، اگر ان کھانوں کا خرچ وراثت کے مال سے خرچ کیا جائے اور وارثین میں نابالغ بھی ہوں تو یہ بدترین حرام ہے، کیوں کہ اس میں یتیم کا مال کھانا اور غیر مفید کاموں میں ضائع کرنا ہے، حرام کے ارتکاب میں داعی کے ساتھ ساتھ دعوت کھانے والے بھی شریک ہیں۔

۸۔ تعزیت کی رسمی محفلوں میں قرآن کی تلاوت کرنا بھی بدعت ہے، جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے، اتفاقی تعزیت کرنا صرف تین دن کے دوران مسنون ہے، جب کہ رشتہ داروں کی طرف سے تعزیت کی تیاری اور مجلس قائم نہ کی جائے۔

نامکمل حمل اور شہید کے احکام:

نامکمل حمل: وہ بچہ جس کی خلقت مکمل نہ ہوئی ہو۔

شہید: وہ مقتول جو اسلام کا دفاع اور اسلام کا پرچم بلند کرتے ہوئے جنگ میں مارا جائے۔

☆ **نامکمل حمل کی دو حالتیں ہیں**:

۱۔ ولادت کے وقت بچے کی آواز نہ آئی ہو، اگر حمل چار ماہ کا ہو تو اس کو غسل دینا، کفن دینا، اور اس کی نماز پڑھنا واجب نہیں ہے، البتہ اس کو ایک کپڑے میں کفن دینا اور بغیر نماز کے دفن کرنا مستحب ہے۔

۲۔ ولادت کے وقت آواز آئی ہو یا سانس وغیرہ کی وجہ سے اس کی زندگی کا یقین ہو جائے تو اس کے حق میں چاروں چیزیں واجب ہیں، اس کے اور عام جنازہ کے درمیان

کوئی فرق نہیں ہے۔

امام ترمذی (۱۰۳۲) وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بچے کی اس وقت تک نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اس کی وراثت ہوگی، جب تک کہ وہ نہ چیخے''۔ (حدیث میں استھلال کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں چیخنا، چھینکنا یا کوئی ایسی حرکت کرنا جس سے بچے کی زندگی معلوم ہو جائے)

امام ابن ماجہ (۱۵۰۸) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گرے ہوئے حمل سے آواز آئے (یا اس کی زندگی کا کوئی اثر ظاہر ہو جائے) تو اس کی نماز پڑھی جائے گی اور وہ وارث ہوگا''۔

☆ **شہید کے احکام**:

شہید کو نہ غسل دیا جائے اور نہ اس کی نماز پڑھی جائے، جس کپڑے میں وہ شہید ہوا ہے، اسی میں کفن دینا مستحب ہے، امام بخاری (۱۲۷۸) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احد کے شہداء کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا، ان کو نہ غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

اگر جنگ میں زخمی ہو جائے اور جنگ کے ختم ہونے کے بعد بھی اس میں زندگی باقی رہے، پھر اس کا انتقال ہو جائے تو وہ دنیوی معاملات کے اعتبار سے شہید شمار نہیں کیا جائے گا یعنی اس کو عام میت کی طرح غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز پڑھی جائے گی، چاہے اس کی موت زخم سے خون رسنے کی وجہ سے ہوئی ہو۔

شہید کو غسل اور نماز کے بغیر دفن کرنے کی حکمت یہ ہے کہ شہادت کا اثر باقی رہے اور لوگوں کی دعاؤں سے بے نیاز کر کے اس کی تعظیم کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، زخم خوردہ آدمی اسی ہیئت میں قیامت کے دن اٹھے گا جس ہیئت میں اس کو زخم لگا ہے: رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی''
بخاری ۲۳۵، مسلم ۱۸۷۶)

قبروں کی زیارت:

مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مردوں کے لیے بالاجماع مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم کو قبروں کی زیارت سے روکا کرتا تھا، اب تم اس کی زیارت کرو'' (مسلم ۹۷۷)، امام ترمذی (۱۰۵۴) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' کیوں کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے''، اس کے لیے کوئی متعین وقت مستحب نہیں ہے۔

البتہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ نوحہ خوانی اور آوازوں کو بلند کرنے کا اندیشہ رہتا ہے، امام ابوداؤد (۳۲۳۶) وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کرے''، لیکن عورتوں کے لیے رسول اللہ کی قبر کی زیارت کرنا مسنون ہے، اسی طرح انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا بھی مستحسن ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط، اور بھیڑ نہ ہو، اور آوازیں بلند نہ کی جائیں، کیوں کہ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔

زیارتِ قبور کے آداب:

جب آدمی قبرستان میں داخل ہو تو مرے ہوئے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سلام کرنا مستحب ہے: '' **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ** ''، تم پر سلامتی ہو، اے مومن لوگوں کے گھر میں رہنے والو، ہم بھی انشاء اللہ تم سے آکر ملنے والے ہیں (مسلم ۲۴۹) قبرستان میں جتنا ممکن ہو قرآن پڑھے، کیوں کہ جہاں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، وہاں برکت نازل ہوتی ہے، پھر تلاوت کے بعد ان کے لیے دعا کرے اور اپنی تلاوت کا ثواب ان کی روحوں کو ہدیہ کرے، کیوں کہ دعا کے قبول ہونے کی امید ہے، جب دعا قبول ہوگی تو تلاوت کے ثواب سے میت کو فائدہ ہوگا۔

زکوٰۃ

تمہید

۱۔ اسلام ایک دوسرے کی کفالت اور تعاون کا دین ہے:

اسلام ایک مکمل اور ہر موضوع اور مسئلے کو شامل نظام زندگی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے انسان کو عزت اور شرافت سے سرفراز کیا ہے، تا کہ وہ دنیا میں اپنی زندگی سعادت اور خوشگواری کے ساتھ گذارے، یہ سعادت بندے کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب اس کو اپنے پروردگار کے راستے کی ہدایت ملے، یعنی وہ اس بات کو جان لے کہ وہ ایک ہی معبود کا بندہ اور غلام ہے، اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ معبود کمال کی تمام صفتوں سے متصف ہے، تا کہ اس میں اپنے رب کی عبادت کا جذبہ پیدا ہو، انسان کے لیے شریفانہ زندگی اسی وقت مہیا ہو سکتی ہے، جب معاشرہ میں ایک دوسرے کے تعاون کا جذبہ اور دین کی بنیاد پر کفالت کا ماحول پیدا ہو، اور کسی کو ظلم یا دوسروں کے مال سے غلط فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے۔

اسلام ہی ایک ایسا نظام زندگی ہے، جو انسان کی اس بنیادی اور اہم ضرورت کو اس کی فطرت کے مطابق اور اس کے امتیازات اور نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے پورا کرتا ہے، جب کہ دوسری شریعتوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

اسلام ایک مکمل نظام کے تحت اس ضرورت کو پورا کرتا ہے، جس کی ابتدا عقیدہ کی درستگی سے ہوتی ہے، پھر کائنات وحیات کے تئیں انسانی نظریے کو درست کیا جاتا ہے، پھر اخلاق کی اصلاح کی جاتی ہے، پھر سلوک کو مہذب اور منظم کرنے کے اصول وضوابط بنائے

جاتے ہیں، پھر قناعت اور اطاعت کی صفات پیدا کر کے اس کو شریعت کی سلطنت میں شامل کیا جاتا ہے اور شرعی احکام سے ان تمام امور کو غذا فراہم کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ اللہ کے مشروع کردہ منجملہ بہت سے اصول وضوابط میں سے ایک ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانیت کی سعادت کا خیال رکھتے ہوئے انسانی برتاؤ کو مستحکم اور مضبوط کیا جائے، تا کہ ہر فرد کو زندگی میں عزت وشرافت حاصل ہو۔

کامل اور شامل نظریے کے مطابق زکوۃ کا فریضہ فرد کی ذاتی آمدنی کی نگرانی کا دوسرا نام ہے، تا کہ مال کی ترقی اور بڑھوتری سے معاشرے کے افراد کے درمیان عدم توازن پیدا نہ ہو، یہ بات ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان میں ملتی ہے، جب آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہروں اور قبیلوں کی طرف بھیجتے تو فرماتے: ''ان کو سب سے پہلے اس بات کی دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی۔ (بخاری ۱۳۳۱، مسلم ۱۹)

اسلامی شریعت انسان کو اپنی زندگی کی گاڑی چلانے اور اپنے معاش کے اسباب کے حصول میں صرف اپنی ذاتی محنت وکوشش اور طاقت کے ہی حوالے نہیں کرتی، بلکہ ایک دوسرے کا تعاون کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

اسلامی شریعت آدمی کو نہ خود اس کے حوالے کرتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اپنا ہاتھ دوسروں کے سامنے پھیلائے اور اپنے عزت نفس کو مجروح کرے، بلکہ ایسے قواعد اور اصول متعین کرتا ہے جو انسان کی شخصی محنت اور کوشش کو ایسا تعاون فراہم کرتے ہیں، جس سے زندگی میں عزت حاصل ہوتی ہے اور معیشت کے معیار کی ضمانت ملتی ہے، اور انسانی ضمیر کی نگرانی کے لیے قوانین متعین کرتا ہے، تا کہ انسان سرکش نہ ہو اور اس میں بغاوت اور انانیت کے جذبات پروان نہ چڑھیں اور وہ دوسروں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کے ساتھ پیش آئے، انشاء اللہ زکوۃ کے احکام پڑھنے کے دوران یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۲۔ زکوۃ کے معنی

زکوۃ کالفظ زَکَا الشَّیُٔ یَزْکُوْ (یعنی زیادہ ہونا اور بڑھنا) سے ماخوذ ہے، عربی میں کہا جاتا ہے زَکَا الزَّرْعُ (کھیتی میں اضافہ ہوگیا یا کھیتی بڑھ گئی) اسی طرح زَکَتِ التِّجَارَۃُ (تجارت میں ترقی ہوئی) اسی طرح اس کا استعمال طہارت کے معنی میں بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" (الشمس۹) وہ شخص کامیاب ہوگیا، جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، یعنی برے اور گندے اخلاق سے صاف کیا۔

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں بعض قسم کے مال کے مخصوص حصے کے لیے لفظِ زکوۃ کا استعمال ہوتا ہے، جو مال چند شرائط کے پائے جانے کی صورت میں مخصوص لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس مال کو زکوۃ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کے نکالنے کی برکت سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مال شبہ سے پاک ہوجاتا ہے، زکوۃ دراصل ضرورت مندوں اور فقیروں کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ مخصوص کرنا ہے۔

۳۔ زکوۃ کی ابتدا کب ہوئی

صحیح قول یہ ہے کہ سن ۲ ہجری میں رمضان کے روزے فرض ہونے سے چند دن پہلے زکوۃ فرض ہوئی۔

۴۔ زکوۃ کا حکم

زکوۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اس سلسلے میں قرآن کریم اور حدیث نبوی میں قطعی اور یقینی دلیلیں پائی جاتی ہیں، اس لیے یہ دین کا ضروری علم اور اہم فریضہ ہے، جس کا انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "أَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُو الزَّكٰوةَ" (البقرۃ۴۳) نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر اس کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ لفظِ زکوۃ کا تذکرہ

قرآن کریم میں ۳۲ جگہوں پر آیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔ (بخاری:۸، مسلم:۱۶)

بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یمن روانہ کرتے وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: .... اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی"۔

۵۔ زکوۃ کی حکمتیں اور فائدے

زکوۃ کی بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں، جن کا اس چھوٹی سی کتاب میں احاطہ کرنا مشکل ہے، خلاصہ یہ کہ اس میں دینے والے اور لینے والے، فرد اور معاشرہ ہر ایک کا فائدہ ہے، بعض حکمتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زکوۃ دینے والے کو خرچ کرنے اور دوسروں پر احسان کرنے کی عادت پڑتی ہے اور اس کے دل سے کنجوسی کی جڑیں اور بخل کے اسباب و محرکات ختم ہوجاتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب خود اس کو زکوۃ کے ثمرات اور فائدوں کا احساس ہوتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مال گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے: "صدقے سے مال کم نہیں ہوتا" (مسلم ۲۵۸۸) بظاہر مال میں صدقے سے کمی ہوسکتی ہے؟ جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور لوگ بری نیت سے اس کے مال کی طرف نہیں دیکھتے، اور اللہ تعالیٰ اس کے مال سے فائدہ اٹھانے کے راستے پیدا کرتا ہے، اور اس میں اضافہ کرتا ہے، خرچ کرنے سے اجر عظیم کے علاوہ اللہ کی رضا و خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ اخوت و محبت اور تعلقات پروان چڑھتے ہیں، اگر معاشرے میں اس اسلامی

فریضے کو صحیح طریقے سے ادا کیا جائے اور ہر مسلمان کی طرف سے واجب زکوۃ مستحقین میں تقسیم کی جائے تو محبت والفت کا ایک کامل نمونہ سامنے آئے گا، مسلمانوں کے مختلف طبقات، جماعتوں اور افراد کے درمیان محبت کا دور دورہ ہوگا، اس طرح کی الفت ومحبت کے بغیر معاشرہ کی کڑیاں آپس میں جڑ نہیں سکتی، جب کہ معاشرے کی کڑیوں کا ایک مضبوط عمارت کی طرح جڑا رہنا ضروری ہے، بلکہ ایک جسم کے مانند آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور رحم کا جذبہ رہنا ضروری ہے۔

۳۔ زکوۃ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس سے معاشرے کے افراد کے درمیان معاش کے معیار میں توازن رہتا ہے، اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں معاشرتی اور معاشی توازن باقی نہیں رہتا اور مختلف طبقات میں خلیج بڑھ جاتی ہے، اور معاشرے میں فقر وفاقہ اور ضرورتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

زکوۃ ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں امت کے افراد کے درمیان معاشرتی اونچ نیچ اور فقر و فاقہ کے اسباب پیدا ہونے کی صورت میں وجود میں آنے والے خطرات سے حفاظت کی ضمانت اور گیارنٹی ہے۔

۴۔ زکوۃ سے بے روزگاری ختم ہوجاتی ہے، اس کا اہم سبب فقر وفاقہ ہے، کیوں کہ فقیر کے پاس اتنا مال نہیں رہتا، جس سے وہ کوئی کام یا صنعت شروع کرسکے، اگر زکوۃ صحیح طریقے سے ادا کی جائے تو فقیر کو زکوۃ کا اتنا مال مل سکتا ہے کہ وہ اپنے تجربات اور صلاحیت کے مناسب کوئی کام شروع کرسکے۔

۵۔ زکوۃ دلوں سے کینہ، حسد اور دشمنیوں کو پاک کرنے کا واحد ذریعہ ہے، یہ بہت خطرناک بیماریاں ہیں، یہ معاشرے میں اسی وقت پھیلتی ہیں جب دوسرے پر رحم کرنے کے جذبات ختم ہوجاتے ہیں، یہ ایسے حقائق ہیں جن کا احساس وشعور بیدار رہنا ضروری ہے، اگر زکوۃ صحیح طریقے سے ادا کی جائے تو اس کے اثرات اور فائدے واضح طور پر نظر آنے لگیں گے، حسد، کینہ اور دشمنی کو دلوں سے پاک کرنے میں عجیب وغریب اثرات نمودار ہوں گے، مالداری اور فقیری میں لوگوں کے درمیان تفاوت اور مختلف درجات رہنے

کے باوجود لوگوں میں محبت پروان چڑھتی ہے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا'' ان کے مال سے صدقہ لو، جس سے تم ان کو اس زکوۃ کے ذریعے پاک وصاف کرو۔ (توبہ:۱۰۳)

زکوۃ دینے سے انکار کرنے والے کا حکم

(الف) انکار کے ساتھ زکوۃ نہ دینے والے کا حکم: یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ زکوۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، شہادتین اور نماز کے بعد یہ تیسرا رکن ہے، اسی وجہ سے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے اور وہ اسلام سے نکل جاتا ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا خون حلال ہوجاتا ہے، کیوں کہ یہ دین کا ضروری علم ہے، یعنی اس کی فرضیت کو ہر مسلمان چاہے خاص ہو یا عام جانتا ہے اور اس کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہے۔

امام نوویؒ نے امام خطابیؒ سے نقل کیا ہے: ''اس زمانہ میں کوئی زکوۃ کی فرضیت کا انکار کرے تو مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ کافر ہے''...... انھوں نے آگے لکھا ہے: ''مسلمانوں میں زکوۃ کے واجب ہونے کا علم عام ہے، یہاں تک کہ ہر خاص وعام مسلمان اس بات کو جانتا ہے، اس میں عالم اور جاہل کا کوئی فرق نہیں، زکوۃ کی فرضیت کے انکار کرنے میں کسی تاویل کو نہیں مانا جائے گا، اسی طرح شریعت کے ہر اس حکم کے سلسلے میں بھی یہی فیصلہ ہے جس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے اور اس کا علم ہر ایک خاص وعام مسلمان کو ہے، مثلاً پانچ وقت کی نمازیں، رمضان کے روزے، غسل جنابت، حرمت زنا، محرم کے ساتھ نکاح کرنا اور اسی طرح دوسرے احکام''۔ (شرح مسلم ۱/۲۰۵)

حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: ''زکوۃ کی فرضیت اصل ہے، چناں چہ جو اس کا انکار کرے، وہ کافر ہے''۔ (فتح الباری ۳/۲۶۲)

(ب) بخل اور کنجوسی کی وجہ سے زکوۃ نہ دینے والے کا حکم:

اگر کوئی شخص زکوۃ کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے زکوۃ دینے سے انکار

کرے تو وہ فاسق اور گنہ گار ہے، اس کو آخرت میں سخت ترین عذاب ملے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ '' اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں اس کو خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے، اس دن جس دن ان کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، اس کے ذریعے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو سینکا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، یہ وہی ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، پس تم اس کا مزہ چکھو، جس کو تم جمع کر کے رکھا کرتے تھے (التوبۃ ۳۴، ۳۵)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ چیز جس کی زکوۃ ادا کی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز ہے''۔

امام بخاری (۱۳۳۸) نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس نے مال کی زکوۃ ادا نہ کی ہو تو وہ مال گنجے اژدھے کی شکل میں اس کے سامنے آئے گا، جس کے سر پر دو نقطے ہوں گے (یہ زہر کی زیادتی کی علامت ہے) قیامت کے دن وہ اژدھا اس کی گردن کا طوق بنے گا، پھر اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا: ''میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں''، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ، سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ'' اور جو لوگ بخل کرتے ہیں یہ خیال نہ کریں کہ جو چیز اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے، وہ مال جس میں ان لوگوں نے بخل کیا تھا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا، اور زمین وآسمان اللہ ہی کی میراث ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو (آل عمران ۱۸۰) اس معنی میں بہت سی دوسری آیتیں اور حدیثیں بھی ہیں۔

دنیا میں ایسے لوگوں سے زکوۃ زبردستی لی جائے گی، اگر بہت سے لوگ انکار کریں اور زکوۃ وصول کرنے والوں کے مقابلے میں آ جائیں تو حاکم ایسے لوگوں سے جنگ کرے گا

مندرجہ بالا احکام کے دلائل

بخاری (۱۳۳۵) اور مسلم (۲۰) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا گئے تو عرب کے بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ان لوگوں سے کیسے جنگ کرو گے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں، جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں اس شخص کے ساتھ جنگ کروں گا، جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیوں کہ زکوۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے بکری کا بچہ دینے سے منع کریں گے، جس کو وہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان لوگوں کے خلاف جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ نے ابو بکر کا شرح صدر کیا، میں نے جان لیا کہ وہ حق پر ہیں۔

زکوۃ کس پر واجب ہے؟

زکوۃ واجب ہونے کی شرطیں

اس شخص پر زکوۃ واجب ہے جس میں مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں:

۱۔ اسلام: دنیا میں کافر سے زکوۃ کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اس کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں...... اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے..........'' اسلام نے ترتیب رکھی ہے، اگر غیر مسلم مسلمانوں کی دعوت قبول کریں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان سے زکوۃ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''یہ فریضۂ زکوۃ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے'' (بخاری ۱۳۸۶) ''مسلمانوں پر فرض کیا ہے'' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں غیر مسلموں سے زکوۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، مالِ زکوۃ میں تو یہ مسئلہ ہے، البتہ صدقۂ فطر کافروں پر بھی اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب اس کے قریبی رشتہ دار مسلمان ہوں اور ان کا نفقہ اس پر واجب ہو، انشاء اللہ اس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

۲۔ نصاب کا مالک ہو: یہ مال کی کم سے کم مقدار ہے، جس کی تفصیلات اور دلائل آگے آ رہے ہیں۔

۳۔ نصاب پر مکمل ایک اسلامی یعنی قمری سال گذر جائے۔

مال جتنا بھی ہو، ایک سال مکمل ہونے کے بعد ہی اس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''مال میں اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک اس پر ایک سال نہ گذرے'' (ابو داؤد ۱۵۷۳) کھیتی، پھل اور خزانوں کی زکوۃ میں یہ شرط نہیں

ہے، ان مالوں پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے ایک سال کا گذرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کے حاصل ہوتے ہی زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ

سابقہ شرطوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مال میں زکوۃ واجب ہونے کے لیے صاحبِ مال کا بالغ ہونا اور عاقل ہونا شرط نہیں ہے۔

ان کے مال میں زکوۃ واجب ہونے کا مطلب:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچہ اور پاگل شرعی طور پر اپنے مال کی زکوۃ نکالنے کے مکلّف ہیں اور وہ زکوۃ نہ دیں تو قیامت کے دن ان کو سزا دی جائے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرائط پائے جانے کی صورت میں ان کے مال پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، چناں چہ ان کے ولی پر زکوۃ نکالنا واجب ہے، اگر ولی کوتاہی کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا، اگر بچے اور پاگل کے مال کی زکوۃ نکالی نہ گئی ہو تو بچہ بالغ ہونے اور پاگل صحیح ہونے کے بعد ان پر سابقہ تمام سالوں کی زکوۃ نکالنا واجب ہے، کیوں کہ زکوۃ ان کے ذمہ باقی ہے۔

بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ واجب ہونے کے دلائل:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''**خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا** '' ان کے مال میں سے صدقہ لو، تاکہ تم ان کو پاک اور صاف کرو (التوبہ ۱۰۳) دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**وَالَّذِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ**'' اور جن کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے متعین حق ہے (المعارج ۲۴، ۲۵) ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال کا مالک بنایا اور اس میں محروم لوگوں کے لیے ایک حق متعین کیا اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ مال کا یہ حق اس کے وقت پر لیں، تاکہ یہ مال اس کے لیے پاکی اور حفاظت کا ذریعہ بن جائے، اللہ عزوجل نے اس کے مال میں اور اُس

کے مال میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، اسی طرح اللہ نے کسی مال کی تخصیص نہیں کی ہے۔

لفظ ''مسلمون'' عام ہے، اس میں بالغ اور نابالغ، عقل منداور پاگل سب شامل ہیں اور اصول یہ ہے کہ جب تک شارع کی طرف سے کسی تخصیص کی دلیل نہ پائی جائے، عام کو عام ہی رکھا جائے گا۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص کسی مال دار یتیم کا ذمہ دار ہو تو اس کے مال میں تجارت کرے اور اس کو یوں ہی بیکار نہ چھوڑے کہ صدقہ یعنی زکوۃ سے اس کا مال ختم ہو جائے'' (۱۱۰/۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یتیموں کے مال میں تجارت کرو، تاکہ وہ یوں ہی رکھے رہنے کی وجہ سے زکوۃ سے ختم نہ ہو جائے'' (۲۳/۲-۲۴)

دونوں حدیثوں کا وجہ استدلال یہ ہے کہ تجارت کیے بغیر رکھے رہنے سے زکوۃ دیتے دیتے مال ختم ہو جاتا ہے، بچے کے مال سے صدقہ نکالنا اسی وقت جائز ہے جب زکوۃ واجب ہو، اس کے ذمہ دار کے لیے مال صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

پاگل کو بچے پر قیاس کیا جائے گا، کیوں کہ وہ بچے کے حکم میں ہے۔

۳۔ امام مالکؒ نے مؤطا (۲۵۱/۱) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''یتیموں کے مال میں تجارت کرو، کہیں زکوۃ اس کو کھا نہ لے''، امام شافعیؒ نے کتاب الام (۲۳/۲-۲۴) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص سے فرمایا: ''ہمارے پاس یتیم کا مال ہے جس کو زکوۃ نے ختم کر دیا ہے''، دونوں اقوال سے وجہ استدلال وہی ہے جو دونوں حدیثوں سے ہے، اس کی تائید امام مالکؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میری اور میرے بھائی کی ذمہ دار تھی، وہ ہمارے مال کی زکوۃ نکالا کرتی تھی۔ (الزرقانی علی المؤطا ۳۲۵/۲)

۴۔ اس کو صدقہ فطر پر قیاس کیا جائے گا، بچوں اور پاگلوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنے پر تمام علماء کا اجماع ہے، جس طرح بچپن اور پاگل پنہ، بچے اور پاگل پر صدقہ فطر واجب ہونے میں مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، اسی طرح یہ ان دونوں کے مال میں زکوۃ واجب ہونے میں بھی رکاوٹ نہیں ہے، جب اس میں زکوۃ کے واجب ہونے کے شرطیں پائی جائیں۔

۵۔ زکوۃ کا مقصد فقراء اور غریبوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور مال کو پاک کرنا ہے، مال کا ایک حصہ مستحقین میں تقسیم کرنے میں صاحب مال کی طرف دیکھا نہیں جائے گا، جب کہ وہ نظام اسلامی کے تابع مسلمان ہو، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ زکوۃ بچے اور مجنون دونوں کے مال پر بھی فرض ہو۔

۶۔ زکوۃ صرف بدنی عبادت نہیں ہے کہ اس پر مکلّف ہونے کی شرطیں منطبق ہوں گی، یا مکلّف کی صلاحیت میں کمی کی وجہ سے اس کے وجوب پر کوئی اثر پڑے گا، بلکہ اس عبادت میں مالی پہلو غالب ہے اور یہ دوسروں کی کفالت اور تعاون کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے اس کو ادا کرنے میں ہر مالک کا برابر رہنا ضروری ہے۔

کن چیزوں پرزکوۃ واجب ہے؟

زکوۃ واجب ہونے کا اصول

مال پرزکوۃ واجب ہونے کی بنیاد نمواور بڑھنے کی صلاحیت ہے، ہروہ چیز جس میں نمواور بڑھنے کی صلاحیت ہواس پرزکوۃ واجب ہوجاتی ہے، ہروہ چیز جس میں نمواور بڑھنے کی صلاحیت نہ ہواس پرزکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

یہ اصول مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر جامد مال پرزکوۃ واجب ہوتی تو تقریباً چالیس سال کے عرصے میں زکوۃ سے وہ مال ختم ہوجاتا اوراس سے مالک کونقصان ہوتا، جس مال میں نمواور بڑھنے کی صلاحیت رہتی ہے اس مال پرہونے والی ترقی اور بڑھوتری کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، اس صورت میں اصل مال پرکوئی خوف نہیں رہتا کہ زکوۃ سے وہ مال ختم ہوجائے گا، ذیل میں ان اشیاء کی تفصیلات بیان کی جارہی ہیں جن پرزکوۃ واجب ہے:

ا۔نقدی

نقدی سے مرادسونا اورچاندی ہے، چاہے وہ ڈھلے ہوئے ہوں یا خام، چاہے ملکیت میں حقیقتاً شامل ہوں یا ملکیت کا اعتبار کیا جائے، یعنی لین دین سونا اور چاندی سے کیا جائے یااس کے قائم مقام کرنسی سے، اسی طرح وہ کاغذات بھی اس میں شامل ہیں جن سے نقدی یعنی سونایا چاندی ملنے کی ضمانت وگیارنٹی ہو، مثلاً چیک وغیرہ۔

نقدی پرزکوۃ واجب ہونے کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

اَلِيْمٍ'' جوسونا اورچاندی خزانہ کیے رکھتے ہیں اوراس کواللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کودردناک عذاب کی خوش خبری سنادیجئے۔(التوبۃ۳۴،۳۵)

کنز(خزانہ) سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوۃ ادانہ کی گئی ہو، امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''جوسونا اورچاندی کوجمع کرکے رکھے اوراس کی زکوۃ ادانہ کرے تواس کے لیے ہلاکت ہے''۔(بخاری۱۳۳۹)

امام مسلم (۹۸۷) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہروہ سونے اور چاندی کا مالک جس نے اس کی زکوۃ ادانہ کی ہو، قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی پلیٹیں بچھائی جائیں گی اورجہنم کی آگ میں سونا چاندی جلایا جائے گااوراس سے اس آدمی کی پیشانی اور پیٹھ سینکھی جائے گی، جب بھی آگ ٹھنڈی پڑے گی دوبارہ اسی طرح گرم کیاجائے گا، وہاں کاایک دن پچاس ہزارسال کے برابرہوگا، یہاں تک کہ تمام بندوں کے درمیان فیصلہ کیاجائے گااورہرایک اپنا راستہ جان لے گا، جنت کاراستہ یاجہنم کاراستہ''۔

سونے اورچاندی کی وہ قسمیں جن پرزکوۃ واجب ہے:

نقدین کی مندرجہ بالاتعریف اورتفصیلات کے مطابق زکوۃ سونے اور چاندی کی مختلف قسموں پرواجب ہوتی ہے، جومندرجہ ذیل ہیں:

۱۔چاندی کے درہم اورسونے کے دیناراوران کے علاوہ لین دین کے لیے ڈھلے ہوئے سونے اورچاندی کے دوسرے سکے جودرہم اوردینار کے قائم مقام ہوں۔

۲۔سونے اورچاندی کی ڈھلی ہوئی ہرچیز۔

۳۔چاندی یاسونے کے برتن اورٹکڑے، چاہے استعمال کے لیے ہوں یازینت کے لیے۔

زیورات پر زکوۃ نہیں ہے:

تیسری قسم سے جائز زیورات مستثنیٰ ہیں، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح سونے یا چاندی کے زیورات پر اس وقت زکوۃ واجب نہیں ہے جب کہ عرفِ عام میں اسراف کی حد تک نہ پہنچے ہوں، اسی طرح مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس میں نمو اور بڑھوتری کی صلاحیت نہیں پائی جاتی اور شارع کی اجازت سے اس کو مال جامد میں تبدیل کیا جاتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''زیورات میں زکوۃ نہیں ہے'' (بیہقی ۱۳۸/۴، دار قطنی ۱۰۷/۲)

اس سلسلے میں صحابہ کے آثار بھی منقول ہیں، جن سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے، امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی لڑکیوں کی ذمہ دار تھیں، وہ لڑکیاں یتیم تھیں، ان کے پاس زیورات تھے، حضرت عائشہ ان کے زیورات کی زکوۃ نہیں نکالتی تھیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بچیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے، اور ان زیورات کی زکوۃ نہیں نکالتے تھے۔ (موطا ۲۵۰/۱)

امام شافعیؒ نے کتاب الام میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیورات کے بارے میں پوچھا کہ کیا ان پر زکوۃ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ (۳۴/۲-۳۵)

اس میں وہ زیورات شامل نہیں ہیں جن کا استعمال حرام ہو، مثلاً مرد کے زیورات (اس میں چاندی کی انگوٹھی نہیں ہے) اسی طرح استعمال یا زیب وزینت کے لیے سونے چاندی کے گھریلو ساز وسامان، اگر چہ اس میں بھی نمو کی صفت نہیں پائی جاتی، لیکن شریعت کی طرف سے اس کا استعمال حرام ہے، اس لیے ان سے زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔

حرمت کی دلیل

امام بخاری (۵۱۱۰) اور امام مسلم (۲۰۶۷) نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی

اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: ''سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور اس کی پلیٹوں میں نہ کھاؤ، کیوں کہ یہ چیزیں دنیا میں ان (کافروں) کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے'' (بخاری ۵۱۱۰، مسلم ۲۰۶۷)

کھانے پینے پر استعمال کے دوسرے طریقوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے، اسی طرح زینت کے لیے استعمال کو بھی قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ ان سب چیزوں میں استعمال کی علت پائی جاتی ہے، یہ اس لیے بھی حرام ہے کہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اصلاً سونا اور چاندی استعمال کرنے کی حرمت ہے، اس میں عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ ہر ایک کے لیے حرام ہے۔

۲۔ چوپائے

یہ اونٹ، گائے اور بکری ہے، بکری کے ساتھ بھیڑ بھی ہے۔

امام بخاری (۱۳۸۶) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھا اور اس کو بحرین روانہ کیا، اس کے شروع میں لکھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ صدقہ کا فریضہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے، جو کوئی صحیح طریقہ پر مسلمانوں سے اس کا مطالبہ کرے تو دینا چاہیے، اگر کوئی زیادہ مطالبہ کرے تو نہیں دینا چاہیے.........''۔

یہ روایت بڑی طویل ہے، اس میں تمام قسموں اور ان کے نصاب اور ان پر واجب زکوۃ کا تذکرہ ہے، ان شاء اللہ نصاب کے مسائل میں الگ الگ اس کا تذکرہ آئے گا۔

۳۔ کھیتی اور پھل

کھیتی اور پھل پر اسی صورت میں زکوۃ واجب ہوتی ہے جب کہ لوگ اس کو عام طور پر ذخیرہ کر کے رکھتے ہوں اور ذخیرہ بنا کر رکھنے میں وہ خراب نہ ہوتا ہو، پھلوں میں سے کھجور اور انگور اور زرعی پیداوار میں سے گیہوں، جو، چاول، دال، چنا اور بھٹہ وغیرہ ہیں، قحط کے زمانے میں جو مال ذخیرہ کیا جاتا ہے، اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ''اس کے پھلوں کو کھاؤ، جب وہ پختہ ہو جائیں اور توڑتے وقت اس کا حق ادا کرو (الانعام ۱۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ اس کے حق سے مراد اس کی زکوۃ نکالنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ''اپنی پاک کمائی اور جو زمین میں سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے خرچ کرو (بقرۃ ۲۶۷) ان کے علاوہ بھی دوسری دلیلیں ہیں جو انشاء اللہ اپنی جگہوں پر بیان کی جائیں گی، آیات میں عمومیت ہے، ہمارے بیان کردہ قسموں کی تخصیص کی دلیل امام ابو داود کی روایت ہے، جس کو امام ترمذی نے حسن کا درجہ دیا ہے، حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس طرح کھجور کے درختوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اسی طرح انگور کا بھی اندازہ لگایا جائے اور جس طرح اس کی زکوۃ میں کھجور لیے جاتے ہیں، اسی طرح انگور کی زکوۃ میں کشمش لیا جائے'' (ابو داؤد ۱۶۰۳، ترمذی ۶۴۴)

خرص یعنی تر کھجور کو دیکھ کر اندازہ لگانا کہ یہ سوکھنے کے بعد کتنا ہوگا اور انگور کو دیکھ کر اندازہ لگانا کہ یہ سوکھنے کے بعد کتنا کشمش ہوگا۔

امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو یمن بھیجا کہ وہاں جا کر وہ لوگوں کو دین سکھائیں، اس وقت آپ نے ان سے کہا: ''صرف ان چار چیزوں کی ہی زکوۃ لی جائے: جو، گیہوں، کشمش اور کھجور''۔

امام حاکم نے معاذ بن جبل سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھیرا، امرود اور گنے کی زکوۃ نہ لی جائے''، رسول اللہ نے ان چیزوں کو زکوۃ سے مستثنیٰ کیا ہے۔ (حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، اسی طرح حافظ ذھبی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے: مستدرک ۱/۴۰۱)

گیہوں اور جو پر ان تمام نباتات کو قیاس کیا گیا ہے جن کو عام طور پر ذخیرہ کر کے رکھا

جاتا ہے، کیوں کہ ذخیرہ کر کے رکھنا زندگی کے لیے ضروری ہے، اسی لیے اس میں ضرورت مندوں کا حق بھی بنتا ہے۔

۴۔ مالِ تجارت

تجارت سے مراد فائدہ کی غرض سے مال کو معاوضے کے بدلے دینا، اس میں کسی مال کی تخصیص نہیں ہے، مال تجارت وہ مال ہے جو فائدے کی غرض سے ہاتھوں میں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

مالِ تجارت میں زکوۃ کے واجب ہونے کے دلائل:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ''اے ایمان والو! جو تم نے پاک مال کمایا ہے، اس میں سے خرچ کرو (بقرۃ ۲۶۷) امام مجاہدؒ نے فرمایا: ''یہ آیت تجارت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے''، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''اونٹ میں زکوۃ ہے، گائے میں زکوۃ ہے، بکری میں زکوۃ ہے اور تجارت کے کپڑوں میں زکوۃ ہے''۔ (حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط والی صحیح سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ مستدرک ۱/۳۸۸)

تجارت کے کپڑوں پر تجارت کے لیے بنائے جانے والے تمام قسم کے مال کو قیاس کیا گیا ہے۔

امام ابو داؤد (۱۵۶۲) نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''امابعد! نبی کریم ﷺ ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم مالِ تجارت کی زکوۃ نکالیں''۔

مالِ تجارت میں زکوۃ فرض ہونے کی شرطیں

ملکیت کا مال اس وقت تک زکوۃ فرض ہونے والے مالِ تجارت میں تبدیل نہیں ہوتا، جب تک اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں:

(۱) کسی ایسے عقد کے ذریعے مال کا مالک ہو جس میں عوض پایا جاتا ہے، مثلاً خرید و فروخت، کرایہ اور مہر وغیرہ، اگر وراثت، وصیت یا ھبہ کے ذریعے اس کا مالک ہو جائے تو

وہ مال تجارت نہیں ہے۔

(۲) مالک ہوتے وقت اس میں تجارت کی نیت کرے اور یہ نیت باقی رہے، اگر مالک ہوتے وقت تجارت کی نیت نہ کرے تو وہ مال تجارت نہیں ہوتا، چاہے اس کے بعد تجارت کی نیت کرے، اسی طرح اگر کوئی تجارت کی نیت سے کچھ مال خریدے، پھر اپنی ملکیت میں اس کو باقی رکھے اور اس کی تجارت نہ کرے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

معادن اور رکاز پر زکوۃ

اس سے مراد زمین کے اندر سے نکالا جانے والا سونا اور چاندی ہے، اگر کان سے نکالا جائے تو اس کو معادن کہتے ہیں، اگر اسلام سے پہلے کا مدفون خزانہ نکالا جائے تو اس کو رکاز کہتے ہیں۔

جس چیز کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ عہدِ اسلام میں دفن کیا ہوا ہے تو مال ضائع کہلاتا ہے، اس کے الگ احکام ہیں، جو تفصیل کے ساتھ "لقطہ" کے باب میں بیان کیے جائیں گے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ "قُبل" جگہ کے معادن سے زکوۃ وصول کی، "قبل" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے جس کا نام "فُرق" ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا: "ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ معادن پر زکوۃ واجب ہونے پر امت کا اجماع ہے"۔ (المجموع: ۶/۷۳-۷۴)

امام بخاری (۱۴۲۸) اور امام مسلم (۱۷۱۰) نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رکاز میں خمس یعنی بیس فیصد زکوۃ ہے"۔

رکاز اور معادن، سونا اور چاندی ہی ہیں، اس کے باوجود ہم نے اس کو اموالِ زکوۃ کی ایک الگ قسم شمار کیا ہے، کیوں کہ اس کے الگ احکام ہیں، جو بعد میں تفصیل سے آگے آرہے ہیں، اگر چہ کہ یہ سونے اور چاندی میں شامل ہے۔

نصاب

اس کے شرائط اور ارکان

زکوۃ کی ہر قسم کا الگ نصاب ہے، ہر ایک کے نصاب کو ہم ذیل میں علیحدہ علیحدہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ سونے اور چاندی کا نصاب:

جب سونا ۲۰ ر مثقال ہو جائے تو زکوۃ فرض ہو جاتی ہے، اور چاندی پر اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب دوسو درہم کے بقدر ہو جائے۔

امام ابوداؤدؒ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر پانچ درہم زکوۃ ہے، سونے پر کچھ بھی نہیں ہے، یہاں تک کہ بیس دینار کو پہنچ جائے، اگر بیس دینار ہوں اور اس پر ایک سال گزر جائے تو آدھا دینار زکوۃ ہے، اگر زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکوۃ ہے"۔ (ابوداؤد: ۱۵۷۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر زکوۃ نہیں ہے" (بخاری ۱۴۱۳، مسلم ۹۸۰) پانچ اوقیہ دوسو درہم ہے۔

مثقال کا مطلب:

مثقال کی دو قسمیں ہیں: ایک عجمی مثقال، یہ ایک مثقال ۴ء۸ گرام ہے، اس اعتبار سے ۲۰ مثقال ۹۶ گرام ہوتا ہے، دوسرا عراقی مثقال ہے: یہ ایک مثقال ۵ گرام کا ہوتا ہے،

اس اعتبار سے بیس مثقال ایک سو گرام ہوتے ہیں۔

احتیاط اس میں ہے کہ کم کو مان لیں اور وہ پہلی مقدار ہے، تاکہ فقیروں کا فائدہ ہو، اس اعتبار سے سونے کا نصاب ۹۶ گرام ہوتا ہے، اگر آج کے اعتبار سے ایک گرام سونے کی قیمت ۵۰۰ روپے ہوں تو سونے کی زکوۃ کا نصاب ۴۸ ہزار روپے ہوتا ہے۔

سونے کی قیمت میں عام طور پر کمی بیشی ہوتی ہو تو اس کی عام قیمت کو دیکھا جائے گا، غیر عادی حالات کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

درہم کیا ہے؟

اس بات پر اتفاق ہے کہ دس درہم وزن میں سات مثقال کے برابر ہوتا ہے اور گرام کے اعتبار سے ۳۳ء۶ گرام کے برابر ہوتا ہے، اس طرح دوسو درہم ۶۷۲ گرام چاندی کے برابر ہوئے۔

تحقیق یہ ہے کہ شروع اسلام میں ۲۰۰ درہم چاندی ۲۰/مثقال سونے کے برابر تھی، اسی بنیاد پر دونوں میں سے ہر ایک زکوۃ واجب ہونے کا نصاب تھا۔

اس کے بعد سونے کی قیمتوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہوا، جس کے نتیجے میں ۲۰/مثقال سونے کی قیمت ۲۰۰ درہم چاندی کی قیمت کے مقابلے میں بہت بڑھ گئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس کے پاس نقدی کرنسی ہو تو وہ سونے کی قیمت کا اعتبار کرسکتا ہے، اس صورت میں ۹۶ گرام سونے کے بقدر روپے ہونے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی، چاہے تو وہ چاندی کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوۃ دے سکتا ہے۔

دین میں احتیاط یہ ہے کہ جس میں فقیروں کا فائدہ اور کم مقدار ہو، اس کا اعتبار کیا جائے، تاکہ اللہ کے نزدیک اپنے حق سے بری ہونے کا یقین ہو جائے، اگر چاندی کا اعتبار کرنے پر کم روپیوں کی موجودگی میں زکوۃ واجب ہوتی ہو تو چاندی کی قیمت کا اعتبار کر کے زکوۃ دی جائے، نقدی کے نصاب پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس پر ایک سال گزر جائے۔

جب چاندی اور سونے کا نصاب مکمل ہو جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے ملکیت کے بعد مکمل ایک قمری یعنی اسلامی سال کا گزرنا شرط ہے، درمیانی سال میں سونا یا چاندی نصاب سے کم ہو جائے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مال پر اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک اس پر ایک سال نہ گزرے'' (ابوداؤد:۱۵۷۳) یعنی ملکیت میں آنے کے بعد ایک قمری سال گزر جائے۔

اگر پورے سال میں ایک دن یا ایک گھنٹہ کے لیے بھی نصاب کی مقدار میں کمی ہو جائے، پھر دوسری مرتبہ نصاب کو پہنچ جائے تو نصاب کی ملکیت کی سابقہ تاریخ کالعدم ہوگی اور نصاب کی نئی تاریخ کا اعتبار ہوگا اور دوبارہ نصاب مکمل ہونے کے وقت سے سال کی ابتدا ہوگی۔

سونے اور چاندی پر واجب زکوۃ کی مقدار

اگر کوئی شخص سونے اور چاندی کے نصاب کا یا نصاب سے زیادہ کا مالک ہو جائے اور اس پر ایک مکمل قمری سال گزر جائے تو اس مجموعی مال میں سے چالیسواں حصہ نکالے گا، چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد۔

دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گزری ہوئی حدیث۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خط میں آیا ہے کہ چاندی میں چالیسواں حصہ ہے۔

زکوۃ کے مال میں تبدیلی یا تصرف کرنے کے احکام

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نقدی کی زکوۃ نقدی ہی سے نکالی جائے گی، مالک کے لیے اس کے بدلے دوسرا سامان نکالنا صحیح نہیں ہے۔

اگر مالک حاکم، وکیل یا کسی دوسرے شخص کے حوالے زکوۃ کا مال کرے تو ان لوگوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مستحقین کو دینے سے پہلے ایسا کوئی تصرف کریں جس سے اس کی اصلیت میں تبدیلی ہو جائے، امام نوویؒ نے فرمایا: ''ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ امام اور زکوۃ کا مال وصول کر کے تقسیم کرنے والے کے لیے بلا ضرورت زکوۃ کا مال بیچنا جائز نہیں

ہے، بلکہ زکوۃ میں جو مال لیا ہے وہی مال مستحقین کو پہنچانا ضروری ہے، کیوں کہ زکوۃ لینے والے عاقل اور بالغ ہوتے ہیں، ان کی ولایت صحیح نہیں ہے، اسی لیے ان کے مال کو بغیر ان کی اجازت کے بیچنا جائز نہیں ہے" ۔(المجموع ۶/۱۷۸)

امام نووی نے ضرورت کا تذکرہ کیا ہے، وہ ضرورت یہ ہے کہ مثلاً زکوۃ کا مال مستحقین تک پہنچانے سے پہلے خراب یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو، یا اس کے منتقل کرنے میں خرچ آتا ہو تو خرچ کے بقدر مال کا ایک حصہ بیچنا جائز ہے۔

ہم یہاں خیراتی اداروں کے مخلص ذمہ داروں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے پاس آئے ہوئے زکوۃ کے مال میں تصرف کر کے غذائی مواد وغیرہ خریدیں اور مستحقین میں اس دلیل کے ساتھ تقسیم کریں کہ اس میں ان کا مفاد اور فائدہ ہے، ہم ان مخلص حضرات کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر وہ واقعی اجر وثواب کے طالب ہیں تو وہ خود کو شارع نہ بنائیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں اپنی عقل کے مطابق غریبوں کے فائدوں کا تصور نہ کریں اور خود کو ان لوگوں کا ولی اور ذمہ دار نہ بنائیں، جس کی ولایت اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں دی ہے، امام نووی کے علماء کی طرف سے نقل کردہ قول: ''زکوۃ لینے والے عاقل اور بالغ ہیں، ان پر کسی کی ولایت نہیں ہے'' کی پیروی کریں، چناں چہ جس زکوۃ کی ادائیگی کا ہم کو وکیل بنایا گیا ہے اس میں ان فقراء ومساکین کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور ان کی اجازت کا اعتبار ان کو مال کا مالک بنانے کے بعد ہوگا۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے: ''ہمارے ائمہ نے کہا ہے: اگر ایک اونٹ یا ایک گائے یا ایک بکری زکوۃ میں واجب ہو تو مالک کے لیے اس کو بیچ کر مختلف مستحقین کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ وہ سب جمع کرے گا اور مستحقین کو دے گا، جمہور کے نزدیک حاکم کے لیے بھی یہی حکم ہے'' (المجموع ۶/۱۷۸) اس لیے یہ بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہیے کہ زکوۃ عبادت ہے اور عبادت میں رائے اور اجتہاد صرف محدود دائرے میں ہی کیا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام عبادت میں نصوص پر اکتفا

کرتے ہیں اور اس کی مخالفت میں ذہن میں آنے والی کسی بھی مصلحت اور مفاد کی طرف نہیں دیکھتے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''امام الحرمینؒ نے فرمایا ہے: ہمارے ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ اللہ کی عبادت ہے، اور جو بھی عبادت ہو، اس میں اللہ کے حکم کی اتباع کرنا صحیح طریقہ ہے، اگر کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے: ایک کپڑا خریدو اور وکیل کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد تجارت ہے، اگر وکیل کو اپنے مؤکل کے لیے زیادہ نفع بخش کوئی دوسری چیز نظر آئے تو بھی اپنے مؤکل کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اس میں بہت زیادہ نفع ملنے کی توقع ہو، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرنا زیادہ اولیٰ ہے'' (المجموع ۵/۴۰۳) یعنی فائدہ اور نفع کی دلیل دے کر اللہ کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جانوروں کا نصاب اور اس میں زکوۃ کی واجب مقدار

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جانوروں میں اونٹ، گائے اور بکری پر زکوۃ واجب ہے، کم سے کم پانچ اونٹ ہوں تو زکوۃ واجب ہوتی ہے، اس سے کم پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اونٹوں کی تعداد میں جتنا اضافہ ہوگا، زکوۃ کی مقدار میں بھی اضافہ ہوگا، اس کی تفصیلات ذیل میں پیش ہیں:

اونٹ کا نصاب

نصاب	زکوۃ کی مقدار	
۵ سے ۹	ایک بکری	مینڈھا ہو تو ایک سال، اور بکری دو سال
۱۰ سے ۱۴	دو بکریاں	
۱۵ سے ۱۹	تین بکریاں	
۲۰ سے ۲۴	چار بکریاں	
۲۵ سے ۳۵	ایک ایسی اونٹنی جس کا	ایک سال مکمل ہو چکا ہو
۳۶ سے ۴۵	ایک ایسی اونٹنی جس کا	دو سال مکمل ہو چکا ہو
۴۶ سے ۶۰	ایک ایسی اونٹنی جس کا	تین سال مکمل ہو چکا ہو
۶۱ سے ۷۵	ایک ایسی اونٹنی جس کا	چار سال مکمل ہو چکا ہو
۷۶ سے ۹۰	دو ایسی اونٹنیاں جن کے	دو سال مکمل ہو چکے ہوں
۹۱ سے ۱۲۰	تین ایسی اونٹنیاں جن	کے تین سال مکمل ہو چکے ہوں

اگر اونٹنیاں ۱۲۰ سے زیادہ ہوجائیں تو ہر چالیس اونٹنیوں پر ایک دوسالہ اونٹنی زکوۃ میں دی جائے اور ہر پچاس پر ایک تین سالہ اونٹنی ، اگر اونٹنیوں کی تعداد ایک سوستر ہوجائے تو ایک سال کے گزرنے کے بعد تین دوسالہ اور ایک تین سالہ اونٹنی زکوۃ میں دی جائے ، کیوں کہ ایک سوستر میں تین چالیس اور ایک پچاس آتا ہے ۔

امام بخاری (۱۳۸۶) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مجھے زکوۃ وصول کرنے کے لیے بحرین روانہ کیا تو یہ لکھ کر دیا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسلمانوں پر فرض کی ہوئی زکوۃ ہے، جس کا حکم اللہ نے اپنے رسول کو دیا ہے، اگر کوئی مسلمانوں سے صحیح طریقہ پر اس کا مطالبہ کرے تو دینا چاہیے، اگر زیادہ کا مطالبہ کرے تو نہیں دینا چاہیے: ۲۵ رسے کم اونٹوں میں ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے، اگر اونٹنیوں کی تعداد پچیس سے ۳۵ ہو تو ایک سالہ مادہ اونٹنی، اگر مادہ اونٹنی ایک سالہ نہ ہو تو ایک سالہ نر اونٹ، اگر اونٹنیوں کی تعداد ۳۶ سے ۴۵ ہو تو اس میں دوسالہ اونٹنی، اگر ۴۶ سے ۶۰ ہو تو ایک ایسی اونٹنی جس پر نر اونٹ چڑھ سکے، اگر ۶۱ سے ۷۵ ہو تو چار سالہ اونٹنی، ۷۶ سے ۹۰ ہو تو دو سالہ دو اونٹنیاں، اگر ۹۱ سے ۱۲۰ ہو تو تین سالہ دو اونٹنیاں جن پر اونٹ چڑھ سکے، اگر ایک سو بیس سے زیادہ ہو تو ہر چالیس پر ایک دوسالہ اونٹنی اور ہر پچاس پر ایک تین سالہ اونٹنی'' (بخاری ۱۳۸۶)

گائے کا نصاب

کم از کم تیس گائے ہوں تو زکوۃ واجب ہوتی ہے، اس سے کم ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہے، اگر اس سے زیادہ ہو تو متعین ضابطہ کے مطابق زکوۃ میں بھی اضافہ ہوگا، تفصیلات ذیل میں درج ہیں:

نصاب	زکوۃ کی واجب مقدار
۳۰ سے ۳۹ پر	ایک سال کا بچھڑا
۴۰ سے ۵۹ پر	دوسال کی گائے
۶۰ سے ۶۹ پر	ایک سال کے دو بچھڑے
۷۰ سے ۷۹ پر	ایک سال کا ایک بچھڑا اور دوسال کی ایک گائے
۸۰ سے ۸۹ پر	دوسال کی دو گائے
۹۰ سے ۹۹ پر	ایک سال کے تین بچھڑے
۱۰۰ سے ۱۰۹ پر	دوسال کی ایک گائے اور ایک سال کے دو بچھڑے
۱۱۰ سے ۱۱۹ پر	دوسال کی دو گائے اور ایک سال کا ایک بچھڑا

اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو ہر تیس پر ایک سال کا بچھڑا، اور ہر چالیس پر دوسال کی گائے زکوۃ میں دی جائے ۔

دلیل: امام ترمذی (۶۲۳) اور امام ابوداود (۱۵۷۶) وغیرہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں ہر تیس گائے پر ایک نر یا مادہ ایک سال کا بچھڑا اور ہر چالیس پر ایک دوسالہ گائے لوں''۔

بکریوں کا نصاب

چالیس سے کم بکریوں پر زکوۃ نہیں ہے، اگر بکریاں چالیس ہوجائیں تو اس پر ایک بکری واجب ہے، پھر بکریوں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے متعین اصولوں کے مطابق اس کی زکوۃ کی مقدار میں بھی اضافہ ہوتا ہے، جو ذیل میں پیش ہیں ۔

نصاب	زکوۃ کی واجب مقدار
۴۰ سے ۱۲۰ پر	ایک سالہ ایک مینڈھا یا دوسالہ ایک بکری
۱۲۱ سے ۲۰۰ پر	دو بکریاں
۲۰۱ سے ۳۰۰ پر	تین بکریاں

اگر بکریوں کی تعداد تین سو سے زیادہ ہو تو ہر سو بکریوں پر ایک بکری زکوۃ دی جائے گی ۔

دلیل: امام بخاری (۱۳۸۶) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور

حضرت ابوبکر کے خط کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے، اس میں یہ بھی ہے: ''جب بکریاں چالیس سے ۱۲۰ تک ہوں تو اس پر ایک بکری زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، اگر ایک سو بیس سے دو سو تک ہوں تو دو بکریاں، اگر ۲۰۱ سے ۳۰۰ تک ہوں تو تین بکریاں، اگر تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سو پر ایک بکری، اگر ریوڑ میں چالیس سے ایک بکری بھی کم ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے، البتہ بکریوں کا مالک دے تو لینے میں کوئی حرج نہیں''۔

جانوروں میں زکوۃ واجب ہونے کی مخصوص شرطیں

زکوۃ فرض ہونے کی عام شرطوں کا بیان کی جا چکیں، لیکن جانوروں پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے چند زائد شرطیں ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ چرنے والے ہوں، یعنی سال کا اکثر حصہ گھاس چرتے ہوں، اور ان کی زندگی اور صحت اس کے علاوہ کسی دوسری چیز پر موقوف نہ ہو (مالک جانوروں کو خرید کر چارہ نہ کھلاتا ہو، بلکہ وہ چراگاہ یا جنگل وغیرہ میں چرتے ہوں)۔

۲۔ جانوروں کو دودھ یا نسل بڑھانے، گھی وغیرہ حاصل کرنے کے لیے پالا جائے نہ کہ اس سے کام لینے کے لیے پالا جائے، اگر ان جانوروں کو کھیتی یا مال ڈھونے یا پانی نکالنے کے لیے رکھا جائے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: '' کام کرنے والی گایوں پر کچھ بھی زکوۃ نہیں ہے'' (یہ روایت صحیح ہے، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے) گائے پر دوسرے جانوروں کو بھی قیاس کیا گیا ہے۔

۳۔ اس میں سال کے دوران ہونے والی بکری، گائے اور اونٹ کے بچوں پر ایک سال گزرنے کی شرط نہیں ہے (البتہ عمومی طور پر یہ شرط ہے)، زکوۃ واجب ہونے کے لیے ولادت پر مکمل سال گزرنا شرط نہیں ہے، بلکہ تمام جانوروں پر سال گزرنے کے ساتھ زکوۃ کے نصاب میں اس کو بھی شامل کیا جائے گا، کیوں کہ یہ اصل کے تابع ہے اور تابع متبوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

۳۔ زرعی پیداوار اور پھلوں کا نصاب اور اس پر زکوۃ کی واجب مقدار

پھل اور کھیتی وزن میں چھلکے اور مٹی وغیرہ صاف کرنے اور پھل کے سوکھنے کے بعد پانچ وسق سے کم نہ ہوں، اگر پیداوار پانچ وسق یا اس سے زائد ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ وسق سے کم پر زکوۃ نہیں ہے''۔ (بخاری ۱۳۴۰، مسلم ۹۷۹)

''دانے اور کھجور پر زکوۃ نہیں ہے، جب تک اس کا وزن پانچ وسق نہ ہو'' دوسری روایت میں کھجور کے بجائے پھل کا تذکرہ آیا ہے، اس صورت میں اس میں کھجور اور انگور دونوں شامل ہوں گے۔

وسق کیا ہے؟

وسق ایک وزن ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو ۶۰ مدنی صاع کے برابر قرار دیا ہے، امام ابن حبان نے سابقہ حدیث میں روایت کیا ہے کہ ایک وسق ۶۰ صاع ہے، اور ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' نے ایک صاع تین لیٹر کے برابر قرار دیا ہے (ج ۱۴، ص ۱۰۵) اس طرح ایک وسق ۱۸۰ لیٹر کا ہوگا اور زرعی پیداوار اور پھلوں کا نصاب ۹۰۰ لیٹر ہوگا یا سات سو بیس کلو۔

اس نصاب پر زکوۃ کی واجب مقدار

ہر زرعی پیداوار اور پھل جو بارش یا نہر کے پانی سے سیراب کیے گئے ہوں اور اس میں مالک کو محنت اور خرچ کی ضرورت نہ پڑی ہو، یا ایسے درخت ہوں جو از خود سیراب ہوتے ہوں تو ان پر عشر یعنی پیداوار کی دس فیصد زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً تین سو صاع پیداوار ہو تو ۳۰ صاع زکوۃ واجب ہوگی، اس طرح ۹۰۰ لیٹر میں ۹۰ لیٹر زکوۃ واجب ہوگی۔

اگر کنویں یا پمپ سیٹ وغیرہ سے سیراب کیا جائے، جس میں محنت اور خرچ آتا ہو تو

اس وقت نصف العشر یعنی پانچ فیصد زکوۃ واجب ہوتی ہے،مثلاً اگر تین سو صاع پیداوار ہوتو ۱۵ صاع زکوۃ فرض ہوگی اور ۹۰۰ لیٹر پر ۴۵ لیٹر۔

امام بخاری (۱۴۱۲) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا عشری ہو یعنی وہ درخت جو آسمان کے پانی سے سیراب ہو یا اپنی جڑوں سے سیراب ہوں تو عشر ہے اور کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے تو نصف عشر ہے''۔

امام مسلم (۹۸۱) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو کھیت نہروں اور بارش کے پانی سے سیراب ہوئے ہوں، ان پر عشر ہے اور جن کو سیراب کیا گیا ہو اس پر نصف عشر ہے''، ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی جملہ ہے کہ ''یا ایسے درخت ہوں جو اپنی جڑوں سے پانی حاصل کرتے ہوں تو ان پر عشر ہے''۔

زرعی پیداوار اور پھلوں میں زکوۃ کب واجب ہوتی ہے؟

زرعی پیداوار (سابقہ تفصیلات کے مطابق صرف مذکورہ اجناس پر) زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب دانے پختہ ہو جائیں، تمام دانوں کا پختہ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ بعض دانوں کا پختہ ہونا کافی ہے، کیوں کہ بعض دانے پختہ ہوں گے تو سبھی دانے پختہ ہوں گے۔

پھلوں میں زکوۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ پختہ ہو جائیں اور اس میں پیلا پن یا سرخی یا پختہ ہونے کی کوئی دوسری علامت ظاہر ہو جائے، اگر بعض پھل پختہ ہو جائیں تو سب پھلوں کی زکوۃ نکالی جائے، سب پھلوں کا پختہ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ چند پھلوں کا پختہ ہونا کافی ہے۔

پختہ ہونے کی شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ اس سے پہلے وہ قوت میں شمار نہیں ہوتا اور اس کو ذخیرہ کر کے رکھنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

جب زرعی پیداوار یا پھل پختہ ہو جائیں تو اسی وقت زکوۃ نکالنا ضروری نہیں ہے

بلکہ انگور اور کھجور سوکھنے کے بعد زکوۃ نکالنا فرض ہے، اس کی دلیل حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ سوکھنے کے بعد کتنا ہوگا، اسی طرح انگور کا بھی اندازہ لگایا جائے اور اس کی زکوۃ میں کشمش لیا جائے، جس طرح کھجور کی زکوۃ میں سوکھا کھجور لیا جاتا ہے۔ (ترمذی ۶۴۴)

زرعی پیداوار کی زکوۃ کٹائی اور چھلکوں وغیرہ سے اس کی صفائی کے بعد واجب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ'' اور کٹائی کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ (الانعام ۱۴۱)

زکوۃ واجب ہونے سے پہلے پھلوں اور زرعی پیداوار کو بیچنے کا حکم

اگر زرعی پیداوار یا پھل زکوۃ واجب ہونے کے بعد بیچ دے تو اتنی مقدار کی بیع صحیح نہیں ہے جس کو بطور زکوۃ نکالنا ضروری ہے، اور مالک مقدار زکوۃ کا ضامن ہو جاتا ہے۔

فروخت کرنے کی طرح تمام تصرفات: کھانا، ہدیہ دینا یا ضائع کرنا بھی ہے، اگر کوئی تصرف کرے تو تصرف کردہ مال میں جتنی زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی کے بقدر تاوان دینا ضروری ہے، اگر حرمت کو جانتے ہوئے کرے تو گنہ گار ہوگا، ورنہ نہیں۔

حاکم کے لیے زکوۃ واجب ہوتے وقت پھلوں اور کھیتی کا اندازہ لگانے کے لیے کسی شخص کو بھیجنا سنت ہے، کیوں کہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں اس کا تذکرہ ہے، اگر حاکم کسی کو نہ بھیجے تو مالک دو عادل اور باخبر لوگوں کے ذریعے اپنے مال اور اس کی واجب مقدار زکوۃ کا اندازہ لگا سکتا ہے، اس کے بعد اس کو مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

عین مال کے بدلے زکوۃ میں اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ چوپایوں کی زکوۃ میں شارع کی طرف سے متعین کردہ چوپایوں کا نکالنا ہی واجب ہے، زکوۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جس کو اس کی طرف سے بیان کردہ مستحقین میں تقسیم کرنا ضروری ہے، جب شارع نے اسی چیز سے حق متعلق کیا ہے تو دوسرے اصناف میں اس کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے، اسی بنیاد پر چوپایوں کی زکوۃ

میں چوپایوں کا دینا واجب ہے، جیسا کہ دلائل کے ساتھ یہ بات گزر چکی ہے، اس کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

یہی حکم پھلوں اور زرعی پیداوار میں ہے، کیوں کہ شارع نے اسی چیز سے حق متعلق کیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اس میں عشر ہے جو بارش سے سیراب ہوا ہو''۔

ضرورت کے وقت بعض حالات اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہے، اگر تلاش کرنے پر بکری نہ ملے اور بکری ملنے تک زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر سے فقراء اور مساکین کا نقصان ہو، اسی طرح اگر مالک فرض زکوۃ ادا کرنے سے انکار کردے اور اپنا تمام مال چھپا کر رکھ دے اور حاکم کو دوسرا مال نظر آئے تو جو مال ملے، لے سکتا ہے۔

۴۔ مالِ تجارت کا نصاب اور اس پر واجب مقدار

یہ بات گزر چکی ہے کہ مالِ تجارت وہ چیز ہے جس کو فائدہ کے مقصد سے معاوضہ لے کر دیا اور لیا جائے، یہ مال کوئی بھی ہو، اس کو مالِ تجارت کہا جاتا ہے، ہر وہ مال جس سے انسان تجارت کرتا ہے، چاہے وہ ایسے اصناف زکوۃ میں سے ہو، جن کی زکوۃ اصلاً نکالی جاتی ہو، مثلاً سونا، چاندی، پھل، دانے اور چوپائے، یا ان کی زکوۃ اصلاً نکالی نہ جاتی ہو، مثلاً کپڑے، مصنوعات، زمین وجائیداد اور ہتھیار وغیرہ، ان پر زکوۃ چند شرطوں کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ مال تجارت کے نصاب، اس پر سال گزرنے اور اس مال کی واجب مقدار زکوۃ میں سونے اور چاندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی مال تجارت کی اپنے علاقہ کی کرنسی سے قیمت لگائی جائے گی، اگر اس کی قیمت ۹۶ گرام سونا یا ۲۰۰ درہم چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی، تاجر کو اختیار ہے کہ سونے کی قیمت کا اعتبار کرے یا چاندی کی قیمت کا، البتہ اگر سونے یا چاندی کے بدلے مال خریدا ہو تو جس سے خریدا ہے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

مال تجارت کو سال کے اخیر میں دیکھا جائے گا کہ نصاب کو پہنچا ہے یا نہیں، اس میں

یہ شرط نہیں ہے کہ تجارت شروع کرتے وقت نصاب کے بقدر ہو، اسی طرح پورا سال نصاب کے بقدر رہنا بھی ضروری نہیں ہے، مالِ تجارت کی زکوۃ میں ایک سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کی نیت سے مال پر قبضہ کرنے کے بعد ایک قمری یعنی اسلامی سال گزر جائے، البتہ اگر مال کا نقدی کے بدلے مالک ہو جائے اور نقدی نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو تو سال کا اعتبار اس نقدی کے نصاب تک پہنچنے کے وقت سے کیا جائے گا، نہ کہ تجارت کے وقت سے۔

گذشتہ تفصیلات کے مطابق تاجر سال کے اخیر میں اپنے پاس موجود مالِ تجارت کا اسٹاک نکالے گا اور سونے یا چاندی کے مطابق اس کی قیمت لگائے گا، اگر وہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو مالِ تجارت کی زکوۃ چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اگر نصاب کو نہ پہنچے تو کچھ بھی واجب نہیں، اسٹاک نکالتے وقت مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھا جائے:

(۱) مالِ تجارت میں فرنیچر اور دوسرے وہ سامان شامل نہیں ہیں جو تجارت کے لیے نہ ہوں، بلکہ تجارت میں تعاون کے لیے ہوں، اس کی قیمت چاہے جتنی بھی ہو، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

(۲) اس میں مالِ تجارت کا راس المال اور فائدہ دونوں شامل کیے جائیں گے اور سب کی زکوۃ نکالی جائے گی، اگر کسی نے تجارت ایک ہزار روپے سے شروع کی ہو اور سال کے آخر میں پانچ ہزار روپے جمع ہو گئے ہوں تو پانچ ہزار روپے کی زکوۃ نکالنا واجب ہے۔

مالِ تجارت میں زکوۃ کی واجب مقدار

جب تجارت شروع کر کے ایک سال ہو جائے تو اپنے علاقے کی کرنسی سے اس کی قیمت لگائی جائے گی، اگر سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو ڈھائی فیصد کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی۔

تجارت کے مال میں سے زکوۃ ادا کی جائے گی یا قیمت دی جائے گی، اس میں تین اقوال ہیں:

(الف) مال تجارت کی قیمت جس سے لگائی جائے، وہی چیز یعنی سونا یا چاندی زکوۃ میں نکالی جائے گی، جس چیز کی تجارت ہے، اس کو زکوۃ میں دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ مالِ تجارت اصل میں اموال زکوۃ نہیں ہے، بلکہ تجارت کی نیت سے وہ مال مالِ زکوۃ میں شامل ہوا ہے، اس لیے جس سے مالِ تجارت کی قیمت لگائی جاتی ہے، اُس کی وجہ سے زکوۃ مالِ تجارت پر واجب ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے وہی چیز زکوۃ میں نکالنا واجب ہے۔

یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(ب) جس چیز کی تجارت ہے، وہی مال تجارت میں دینا ضروری ہے، اس کی قیمت دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیوں کہ مال تجارت ہی زکوۃ کے واجب ہونے کا سبب ہے۔

(ج) مالک کو اختیار ہے کہ قیمت بھی دے سکتا ہے یا مال تجارت بھی، کیوں کہ زکوۃ ان دونوں سے متعلق ہے اور یہ دونوں زکوۃ واجب ہونے کے اسباب ہیں۔

تنبیہ: زکوۃ مالِ تجارت سے نکالنا جائز کہا جائے تو جتنی چیزوں کی تجارت ہے، سب کی الگ الگ ڈھائی فیصد زکوۃ نکالنا واجب ہے، کوئی ایک ہی مال زکوۃ میں دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح ہر قسم کا درمیانی مال نکالنا واجب ہے، کم قیمت یا عیب دار مال نکالنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اسی طرح جس مال کی کساد بازاری ہو، اس کو بھی زکوۃ میں دینا جائز نہیں ہے

۵۔ معادن اور رکاز کا نصاب اور اس کی زکوۃ

معادن کا نصاب سونے او چاندی کا ہی نصاب ہے، لیکن اس پر ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے، بلکہ کان سے مال نکالتے ہی زکوۃ واجب ہوگی، اگر کوئی شخص کان سے سونا یا چاندی نکالے اور اس کی مقدار نصاب کے برابر ہو تو اس کو اسی وقت ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ نکالنا واجب ہے۔

رکاز کا نصاب بھی سونے او چاندی کا نصاب ہے، لیکن اس میں زکوۃ نکالنے کے لیے ایک سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، بلکہ اس کی زکوۃ فوراً نکالنا ضروری ہے اور اس پر خمس

یعنی ۲۰ فیصد زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

امام بخاری (۱۴۲۸) اور امام مسلم (۱۷۱۰) نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: ''رکاز میں پانچواں حصہ ہے''۔

یہ زکوۃ کی دوسری تمام قسموں سے الگ ہے، کیوں کہ اس مال کی ملکیت بغیر کسی زیادہ خرچ اور تکلیف کے حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس میں فقراء کا حق زیادہ ہے، معادن اور رکاز میں ایک سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں چیزیں زمین سے نکالی جاتی ہیں، اس اعتبار سے یہ زرعی پیداوار کی طرح ہیں، اس لیے ملتے ہی زائد چیزوں سے صاف کرنے کے فوراً بعد اس کی زکوۃ نکالی جائے گی، جس طرح زرعی پیداوار کا حکم ہے۔

تجارتی پارٹنروں (خلیطین) کی زکوۃ

زکوۃ کے باب میں خلیطین سے مراد دوافراد کا ایسا الگ الگ مال ہے، جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہو اوران دونوں کو پاٹنر شپ یا کسی دوسرے مقصد سے ملا دیا گیا ہو۔

اس کی قسمیں:

اس مال کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک کو خلطتِ ابدان یا خلطتِ شیوع کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہونے والے دوافراد کے پاس زکوۃ کے نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ مال ہو، جس کے وہ خریدنے یا وراثت میں ملنے کے بعد ایک مکمل سال تک مالک رہے ہوں اور دونوں کا مال ایک ہی قسم کا ہو۔

اس قسم میں ایک دوسرے کا مال آپس میں ملا ہوا ہوتا ہے، یعنی ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے الگ نہیں رہتی اور معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا مال کس کا ہے، بلکہ ہر ایک اپنی ملکیت کے بقدر غیر متعین حصے کا مالک رہتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ دو بھائی چالیس بکریوں کے وارث ہوجائیں یا دوافراد مل کر چالیس بکریاں خریدیں تو ان میں سے ہر ایک ہر بکری کے نصف حصہ کا مالک ہوگا، اسی طرح مال وراثت یا خریدے گئے سامان یا زمین کے ہر جزء کے نصف حصے کا بغیر کسی تعین کے مالک ہوگا۔

(۲) خلطتِ مجاورہ یا خلطتِ اوصاف: اس کا مطلب یہ ہے کہ دوافراد کے پاس غیر مشترک مال کا نصاب پایا جائے اوران دونوں کے درمیان صرف مجاورۃ ہو تو اس قسم میں دونوں کا مال ملا ہوا نہیں ہوگا، بلکہ دونوں کا مال الگ ہوگا اور ممتاز رہے گا۔

پارٹنروں کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

دونوں قسموں میں خلیطین کا مال ایک ہی مانا جائے گا اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یعنی اگر خلیطین کا مجموعی مال نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے اور دوران سال کمی نہ ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، چاہے دونوں کا مال الگ کرنے پر نصاب کو نہ پہنچتا ہو۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: (اس حدیث کے چند جملے پیچھے گزر چکے ہیں) "متفرق مال کو جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ زکوۃ کے خوف سے مجتمع مال کو الگ کیا جائے گا"، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہر مالک کا حصہ الگ الگ ہو تو اس کو جمع نہیں کیا جائے گا کہ کل ملا کر نصاب کو پہنچ جائے، اسی طرح اگر دوافراد کا مال ملا ہوا ہو تو اس کو الگ نہیں کیا جائے گا، تا کہ اس پر زکوۃ واجب نہ ہو، کیوں کہ اس صورت میں مال نصاب سے کم ہوجائے گا۔

یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ کبھی دوافراد کا مال مل کر رہنے کی صورت میں زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، جب کہ اسی کو الگ کردیا جائے تو زکوۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح کبھی کبھار ملا کر نکالنے میں زکوۃ کی مقدار میں کمی آجاتی ہے، اگر الگ کر کے زکوۃ نکالی جائے تو زیادہ زکوۃ دینا پڑتا ہے۔

پہلی صورت کی مثال: دوافراد مکمل ایک سال تک چالیس بکریوں کے مالک رہیں تو اس پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، باوجود یہ کہ اگر ان دونوں میں سے ہر ایک اپنا حصہ الگ کرلے تو کسی پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، کیوں کہ کسی کا مال نصاب تک نہیں پہنچے گا۔

دوسری صورت کی مثال: دوافراد ایک سو بکریوں کے مالک ہوں تو ایک سال گزرنے پر صرف ایک بکری زکوۃ واجب ہوگی، باوجود یہ کہ اگر ان دونوں میں سے ہر ایک اپنا حصہ الگ کرلے تو ہر ایک پر ایک ایک بکری زکوۃ واجب ہوگی۔

خلیطین کا مال ایک شمار کرنے کی شرطیں

خلیطین کا مال ایک ہی آدمی کا مال شمار کرنے کے لیے دوطرح کی شرطیں ہیں:

(الف) یہ شرطیں ہر قسم کے خلیطین کے لیے ہیں چاہے خلطتِ شیوع ہو یا خلطتِ مجاورہ۔

۱۔دونوں کا مال ایک ہی قسم کا ہو، اگر ایک کے پاس بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس گائے تو ہر ایک کا مال الگ ہی رہے گا، چاہے دونوں میں شرکت (پاٹنر شب) ہو۔

۲۔دونوں کا مال مل کر نصاب کے بقدر یا نصاب سے زیادہ ہو، اگر دونوں کی بکریاں ملا کر ۳۵ ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اگر ہر ایک کے پاس یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس دوسری بکریاں ہوں اور اس کو ان بکریوں سے ملانے پر نصاب مکمل ہوجاتا ہو تو تب بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

۳۔پاٹنر شپ ایک سال باقی رہے، جب کہ مال ایسا ہو جس پر ایک سال گزرنا شرط ہو، اگر دو افراد الگ الگ چالیس چالیس بکریوں کے محرم کے شروع میں مالک ہوں اور دونوں صفر کے شروع میں اپنی بکریاں ملا دیں تو سال گزرنے یعنی محرم کا مہینہ آنے پر دونوں کو ایک ایک بکری زکوۃ دینا واجب ہے، یعنی ملانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اگر مال ایسا ہو جس میں ایک سال گزرنا شرط نہ ہو مثلاً زرعی پیداوار اور پھل، تو اس میں پاٹنر شپ کے لیے پھلوں کے نمودار ہونے اور دانوں کے پختہ ہونے کی شرط ہے

شرطوں کی دوسری قسم

یہ شرط صرف خلطتِ جوار یعنی پارٹنر شپ کی دوسری قسم کے لیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔جانوروں میں شرکت ہو تو یہ شرط ہے کہ رات گزارنے، اور جمع ہونے، اور دودھ دوھنے کی جگہ اور چراگاہ الگ الگ نہ ہوں۔ اگر دونوں اپنی بکریاں لے کر الگ الگ چراگاہ جاتے ہوں یا دونوں کی بکریاں الگ الگ جگہ رات گزارتی ہوں یا دونوں کی بکریاں ایک ہی جگہ جمع ہو کر چراگاہ کی طرف نہ جاتی ہوں یا بکریوں کا دودھ الگ الگ جگہ دوھیا جاتا ہو تو اس پارٹنر شپ کا کوئی اثر اور اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ دونوں اپنی زکوۃ الگ الگ نکالیں گے۔

۲۔دونوں کا چرواہا اور سانڈھ ایک ہی ہو، اگر دونوں کا چرواہا یا سانڈھ الگ الگ ہو تو مال مشترک نہیں مانا جائے گا۔

۳۔اگر مال زرعی پیداوار کی شکل میں ہو تو چوکیدار اور دانے یا پھل سکھائے جانے کی جگہ ایک ہی ہو، سامان تجارت ہو تو دکان، گودام اور خرید وفروخت کے وسائل الگ الگ نہ ہوں۔

اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو خلیطین کا مال ایک ہی سمجھا جائے گا،، اگر ان میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے تو ہر مالک اپنے مال کا الگ حساب لگائے گا اور اپنی زکوۃ الگ ادا کرے گا۔

اگر پارٹنروں کے مال میں سے زکوۃ نکالی جائے تو ہر پاٹنر پر اپنی ملکیت کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی، اگر اس کے عین مال میں سے اس پر واجب مقدارِ زکوۃ سے زیادہ لیا جائے تو وہ اپنے دوسرے پاٹنروں سے واپس لے گا، اگر کم لیا جائے تو واپس کرے گا، مثلاً اگر ملی ہوئی بکریاں ایک سو ہوں تو اس پر ایک بکری واجب ہے، اگر یہ بکریاں تین پاٹنروں کی ہو اور ان میں سے ایک پارٹنر پچاس بکریوں کا مالک ہو تو اس پر آدھی بکری زکوۃ واجب ہوگی، دوسرا پچیس بکریوں کا مالک ہو تو اس پر پاؤ بکری زکوۃ ہوگی، اسی طرح تیسرا۔

حضرت انس کی سابقہ روایت میں یہ بھی تذکرہ ہے: ''جو مال دو پاٹنروں کا ہو تو دونوں پر اپنے مال کے بقدر زکوۃ واجب ہوگی''۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرنے کا حکم

مال نصاب کے بقدر یا زائد ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے اور کل مال میں سے زکوۃ کی مقدار اس کے مستحقین کا حق ہو جاتا ہے، جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں تو مالک کے لیے مقدارِ زکوۃ کو فوراً نکالنا واجب ہے:

۱۔ زکوۃ نکالنے پر قادر ہو، یعنی اس کے پاس مال موجود ہو، اگر وہ دوسرے شہر میں ہو یا بعض لوگوں کے پاس بطور قرض دیا ہوا ہو تو فوراً اس مال کی زکوۃ نکالنا واجب نہیں ہے، اگر قرض دیا ہوا مال واپس مل جائے تو ملتے ہی فوراً زکوۃ نکالنا واجب ہے۔

۲۔ زکوۃ کے مستحقین موجود ہوں یا مسلمانوں کا حاکم یا زکوۃ جمع کرنے والا اس کا نائب موجود ہو، اگر قرآن میں مذکور مستحقینِ زکوۃ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو یا ان کا کوئی نائب بھی نہ ہو تو بعد میں زکوۃ ادا کرنا جائز ہے، بلکہ مستحقین کے ملنے تک زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا ضروری ہے۔

بلا وجہ تاخیر سے گناہ ہوتا ہے

جب یہ دو شرطیں پائی جائیں اور مالک زکوۃ نکالنے میں تاخیر کرے تو وہ گنہ گار اور ضامن ہوگا:

(۱) وہ گنہ گار ہوگا، کیوں کہ کسی ضرورت کے بغیر اس نے فقیروں کا مال روکے رکھا، اور یہ حرام ہے، البتہ کسی قریبی رشتے دار یا پڑوسی یا موجود لوگوں میں زیادہ مستحق کے انتظار میں تاخیر کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس تاخیر کی وجہ سے موجود لوگوں کا نقصان نہ ہوتا ہو اور ان کی ضرورتوں کے بڑھنے کا اندیشہ نہ ہو، اس صورت میں تاخیر کرنے کی صورت میں مالک مطلقاً گنہ گار

ہوگا، پھر کسی کا انتظار جائز نہیں ہے۔

(۲) وہ ضامن ہوگا، یعنی فقراء اور مساکین کا حق عینِ مال سے متعلق ہو جاتا ہے، اور ان کا حق اس کے ذمے واجب ہو جاتا ہے، چاہے اس کا پورا مال ضائع ہو جائے، کیوں کہ اس نے زکوۃ نکالنے میں کسی عذر کے بغیر تاخیر کر کے کوتاہی کی ہے، اسی وجہ سے وہ اپنی کوتاہی کا ذمے دار رہوگا۔

وکیل کی طرف سے زکوٰۃ کی تقسیم میں تاخیر کا حکم

گذشتہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی دوسرے کو مال کی زکوۃ تقسیم کرنے کا وکیل بنائے اور زکوۃ اس کے حوالے کرے اور مستحقین پائے جائیں تو وکیل کے لیے دینے میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے، اگر وہ تاخیر کرے تو گنہ گار ہوگا اور ضامن بھی ہوگا

ہم خیراتی اداروں کے ذمہ داروں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں اور وضاحت کے ساتھ ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ زکوۃ کا مال جمعیت کے حساب میں یا بنک میں رکھنا، اسی طرح مستحقین کو ماہانہ قسطوں پر دینے کے لیے پورا سال اپنے پاس رکھنا غیر شرعی عمل ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی شریعت میں ثابت حکم کے خلاف ہے، کیوں کہ مالک کو زکوۃ واجب ہونے کے فوراً بعد ادا کرنا ضروری ہے اور یہ زکوۃ کی حکمت کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ زکوۃ کا مقصد فقیروں اور دوسرے مستحقین کو مال کی اچھی خاصی مقدار دے کے بے نیاز کرنا ہے، تاکہ وہ اپنے لائق کوئی اچھا کام شروع کرے، جس سے اس کو روزی کا ذریعے حاصل ہو اور فقراء اور ضرورت مندوں کی فہرست سے اس کا نام نکل کر خرچ کرنے اور صدقہ واحسان کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے، ہم صاحب حق مکلّف کے مال میں تصرف کرنے کے ذمے دار نہیں ہیں، جب تک وہ ظاہری طور پر عاقل، بالغ اور باشعور ہو

اسی بنیاد پر ہم اداروں کے مخلص ذمہ داروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ شریعت کی مخالفت نہ کریں، تاکہ ان کے اعمال ضائع نہ ہوں اور ضرورت مندوں کے خاطر کی جانے والی ان کی کوششیں رائیگاں نہ ہو جائیں۔

زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

اگر زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کوئی زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی، جو مندرجہ ذیل ہیں:

اگر کوئی نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوۃ نکالے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور دیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا، یعنی اگر بعد میں مال کا نصاب مکمل ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اور پہلے دیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا، کیوں کہ زکوٰۃ واجب ہونے کا سبب ہی اصلاً مفقود ہے، اس مسئلہ کو سامانِ تجارت کو خریدنے سے پہلے قیمت کی ادائیگی پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ قیمت شمار نہیں ہوگی اور عقدِ بیع کے بعد قیمت کی ادائیگی کے لیے یہ کافی نہیں ہوگا۔

اگر نصاب کا مالک ہونے کے بعد ایک سال گزرنے سے پہلے زکوۃ نکالے تو زکوٰۃ ادا ہوگی اور دیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار ہوگا، یعنی ایک سال گزرنے کے بعد پھر دوبارہ اس مال کی زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں ہے۔

اس کی دلیل امام ابو داود (۱۶۲۴)، امام ترمذی (۶۷۸) اور امام ابن ماجہ (۱۷۹۵) کی روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سال گزرنے سے پہلے مال کی زکوٰۃ دینے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کی اجازت دی۔

وقت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کی شرطیں

اگر کوئی شخص سال گزرنے سے پہلے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو مندرجہ ذیل شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں ہی سال گزرنے پر دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے:

(۱) سال کے آخر تک مال کے مالک پر زکوٰۃ واجب ہو، اگر واجب نہ ہو، مثلاً سال گزرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو پہلے دیا ہوا مال زکوٰۃ نہیں ہوگا، اس صورت میں ورثاء کے لیے جائز ہے کہ متوفی کی طرف سے دیے گئے مال کو واپس لیں، لیکن شرط یہ ہے کہ لینے والے کو معلوم ہو کہ یہ وقت سے پہلے دی ہوئی زکوٰۃ ہے۔

(۲) پورا سال گزرنے تک اس کا مال اسی طرح ملکیت میں باقی رہے، جس طرح زکوٰۃ دیتے وقت تھی، اگر اس کا مال ضائع ہو جائے یا اس کو بیچ دے، تجارت کی غرض سے نہ بیچے تو پہلے دیا ہوا مال زکوٰۃ نہیں ہوگی، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مال واپس لے، لیکن شرط یہ ہے کہ لینے والے کو معلوم ہو کہ یہ وقت سے پہلے دی ہوئی زکوٰۃ ہے۔

(۳) زکوٰۃ لینے والا سال کے آخر تک زکوٰۃ کا مستحق رہے، اگر اس پر ایسے حالات آئیں جس کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کی مستحقین کی فہرست سے نکل جائے، مثلاً اس زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال کی وجہ سے وہ مال دار ہو جائے یا مرتد ہو جائے وغیرہ، کیوں کہ دراصل اعتبار سال کے آخر کا ہوتا ہے، اور اسی وقت فوراً زکوٰۃ نکالنا واجب ہوتا ہے۔

اگر کوئی وقت سے پہلے دی ہوئی زکوٰۃ لینے والا شخص سال کے آخر میں غیر مستحقین کی فہرست میں آ جائے تو یہ دیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا اور مالک کے لیے دوبارہ زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا، اگر مالک دیتے وقت یہ کہہ کر دے کہ یہ میری زکوٰۃ ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ میں دیا ہوا مال اس سے واپس لے، اگر دیتے وقت کچھ نہ کہے تو واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

امام یا حاکم کے توسط سے زکوٰۃ دینے کا حکم

اس مسئلے میں زکوٰۃ کے مال کی دو قسمیں ہیں: (۱) باطنی اموال (۲) ظاہری اموال

باطنی اموال میں نقدی، سونا، چاندی، تجارتی مال اور رکاز شامل ہیں۔

مالک اگر چاہے تو ان اموال کی زکوٰۃ نکال کر مستحقین میں خود تقسیم کر سکتا ہے، حاکم کو واسطہ بنانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ حاکم کی طرف سے مطالبے پر بھی ان اموال کی زکوٰۃ اس کے حوالے نہ کرے، بلکہ حاکم کے لیے اس کا مطالبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ باطنی اموال ہیں اور مالک ہی اس کی مقدار سے زیادہ واقف رہتا ہے

اموال ظاہرہ میں چوپائے، زرعی پیداوار، پھل اور معادن ہیں، اگر حاکم ان مالوں کی زکوٰۃ طلب کرے تو مالک کے لیے زکوٰۃ کا مال اس کے حوالے کرنا ضروری ہے، اللہ

تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی بات معلوم ہوتی ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا'' ان کے مال کا صدقہ لو، تا کہ تم ان کو پاک وصاف کرو اور ان کا تزکیہ کرو۔ (توبہ:۱۰۳)

اگر حاکم طلب نہ کرے تو مالک کو اختیار ہے کہ خود سے مستحقین میں تقسیم کرے یا حاکم کے حوالے کرے، لیکن افضل یہی ہے کہ حاکم کے حوالے کرے، کیوں کہ حاکم مستحقین کے بارے میں زیادہ واقف رہتا ہے، اور حاکم کے توسط سے دینے میں مستحقین پر احسان جتانے یا ان میں اپنے بڑے پن کا اظہار کر کے ان کو تکلیف پہنچانے کا خطرہ نہیں رہتا، کیوں کہ حاکم کا عوام سے تعلق باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ تعلق کی طرح ہے اور زکوۃ کی ادائیگی کا یہی طریقہ مستحقین کو بے نیاز کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جس سے وہ اپنے لیے رزق اور محنت کے ذرائع تلاش کر کے اپنے اوپر اعتماد کی خوش گوار زندگی بحال کر سکتے ہیں۔

اگر حاکم مال کی تقسیم اور مستحقین تک پہنچانے میں عادل ہو تو یہ حکم ہے، اگر حاکم ظالم ہو یا اس بات کا غالب گمان ہو کہ وہ مستحقین میں مال کی تقسیم نہیں کرے گا تو افضل یہ ہے کہ وہ خود سے زکوۃ تقسیم کرے، البتہ حاکم ہر ایک کے لیے زکوۃ اپنے پاس جمع کرنا ضروری قرار دے اور ظاہری اموال ہوں تو حاکم کے حوالے کرنا ضروری ہے، چاہے حاکم ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل بنانے کا حکم

افضل یہ ہے کہ مالک اپنے مال کی زکوۃ نکالے اور خود سے مستحقین میں تقسیم کرے
زکوۃ کے مال کی تقسیم کے لیے دوسروں کو وکیل بھی بنایا جا سکتا ہے، کیوں کہ زکوۃ مالی حق ہے اور مالی حقوق کی ادائیگی میں دوسروں کو وکیل بنانا جائز ہے، مثلاً قرض اور قیمت کی ادائیگی کا وکیل بنانا، اسی طرح امانتوں کو لوٹانے کا وکیل بنانا۔

مالک کے لیے جائز ہے کہ ہر اس شخص کو زکوۃ کی ادائیگی کا وکیل بنائے جو خود اپنی زکوۃ ادا کر سکتا ہو، اس میں کافر اور ممیز بچہ بھی شامل ہے، لیکن کافر اور بچے کو وکیل بنانے

میں شرط یہ ہے کہ جس شخص کو زکوۃ کا مال دیا جانا ہے، اس کی تعیین بھی کی جائے۔

زکوۃ نکالتے وقت نیت کرنا

زکوۃ نکالتے وقت مال کو کفارہ اور صدقات کی دوسری قسموں سے ممتاز کرنے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے، اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (مسلم ۱۹۰۷، بخاری ۱)

اگر خود سے زکوۃ نکال رہا ہو تو مستحقین کو دیتے وقت یا مجملہ مال میں سے زکوۃ کی مقدار کو الگ کرتے وقت نیت کرنا ضروری ہے، اگر زکوۃ کی مقدار کو الگ کرتے وقت نیت کرے کہ یہ زکوۃ کا مال ہے تو کافی ہے، پھر دوبارہ دیتے وقت نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

اگر کسی کو وکیل بنائے تو وکیل کے حوالے کرتے وقت زکوۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، پھر اس کے وکیل کے لیے مستحقین کو دیتے وقت نیت کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وکیل بھی زکوۃ کا مال مستحقین کو دیتے وقت نیت کرے، اگر مالک زکوۃ کا مال وکیل کے حوالہ کرتے وقت نیت نہ کرے اور وکیل تقسیم کے وقت نیت کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

حاکم کے حوالے کرتے وقت نیت کرنا کافی ہے، کیوں کہ حاکم مستحقین زکوۃ کا نائب ہے، چناں چہ حاکم کے حوالے کرتے وقت نیت کرنا خود مستحقین کو دیتے وقت نیت کرنے کی طرح ہے۔

اگر مالک حاکم کو دیتے وقت نیت نہ کرے اور حاکم نیت کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیوں کہ امام مستحقین کا نائب ہے اور حاکم مالک کا نائب نہیں ہے، جیسا کہ وکیل اس کا نائب ہوتا ہے، اسی وجہ سے مالک کی طرف سے اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، اسی طرح اگر مالک نیت نہ کرے تو وکیل کی نیت بھی کافی نہیں ہوگی۔

زکوۃ کے مصارف

زکوۃ کے مستحقین

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوۃ کے مستحقین کا تذکرہ کیا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ، فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ''زکوۃ فقراء،مسکینوں،زکوۃ وصول کرنے والوں،تالیف قلوب کیے جانے والوں،غلاموں،قرض داروں،اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہے،یہ اللہ کی طرف سے فرض کیا ہوا ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔(توبہ:۶۰)

مستحقین زکوۃ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔فقراء:وہ ہیں جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جو ان کے کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کے لیے کافی ہو،مثلاً کسی کو دس روپیوں کی ضرورت ہو اور اس میں صرف تین روپے کمانے کی طاقت ہو۔

۲۔مساکین:وہ ہیں جن کے پاس اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے لیے مال موجود ہو، لیکن وہ مال ان کے لیے کافی نہ ہو،مثلاً کسی کو دس روپیوں کی ضرورت ہو لیکن اس کو صرف آٹھ ہی روپے ملتے ہوں، صحیح قول کے مطابق فقراء اور مساکین کو اتنا مال زکوۃ میں دیا جائے جو ان کی پوری زندگی کے لیے کافی ہو۔

نکاح کی ضرورت بھی اس میں شامل ہے،اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، دیکھا جائے کہ اس کے پاس کتنا مال ہے اور اس کو نکاح کے لیے مزید کتنے مال کی ضرورت ہے۔

۳۔زکوۃ وصول کرنے والے:یہ وہ لوگ ہیں جن کو حاکم زکوۃ جمع اور تقسیم کرنے کے لیے مقرر کرتا ہے،ان کو زکوۃ کے مال میں سے ان کی محنت کے بقدر صرف اجرت دی جائے گی،اجرت سے زیادہ دینا صحیح نہیں ہے۔اسی طرح وصول کردہ مال میں سے فیصد مقرر کر کے دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں اس کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملتی، وہ مزدور ہیں،اس لیے ان کے عمل کے بقدر ان کی مزدوری دی جائے گی، مزدوری سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

۴۔مؤلفۃ القلوب:یہ وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں،اور ان کے اسلام میں پختگی آنے کی توقع ہو،یا وہ باعزت اور اپنی قوم ومعاشرے میں بلند مقام اور مرتبے والے مسلمان ہوں،جن کو دینے سے ان کے مقام اور مرتبے والے دوسرے غیر مسلموں کے اسلام میں داخل ہونے کی امید ہو،یا وہ مسلمان ہیں جو سرحدوں پر قیام پذیر ہوں اور کافروں کے حملوں اور باغیوں کے شرور وفتن سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوں یا ایسی قوموں سے زکوۃ وصول کرتے ہوں،جہاں حکومت کو اپنا گورنر مقرر کرنا مشکل ہو۔

اگر یہ مسلمان ضرورت مند ہوں تو ان کو زکوۃ دی جائے گی،ورنہ نہیں۔

۵۔وفی الرقاب:یعنی مسلمانوں کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے،اس سے مراد مکاتب غلام ہیں،جنھوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہو کہ وہ ان کو قسطوں میں مال کی ایک مقدار دیں گے،اگر وہ ان قسطوں کو ادا کریں تو آزاد ہیں،جو غلام ان قسطوں کو ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ان کو زکوۃ دی جائے گی۔

۶۔قرض دار:یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرضوں نے بوجھل کر دیا ہو،وہ قرض ادا کرنے سے قاصر ہوں،اور اس کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہو، چاہے ان کے پاس کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کے لیے مال بھی ہو،ایسے لوگوں کو اتنی مقدار میں زکوۃ دینا صحیح ہے جس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکیں،لیکن ایک شرط یہ ہے کہ قرض کسی شرعی مباح کام کے لیے لیا گیا ہو،اگر غیر شرعی کاموں کے لیے لیا گیا ہو تو ان کو زکوۃ نہیں دی جائے گی،البتہ وہ گناہ سے توبہ کر لیں اور اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ انھوں نے سچی توبہ کی ہے تو ان کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔

اس میں وہ بھی شامل ہے جس نے دوفریقوں کے درمیان فتنہ اور جھگڑا ختم کرنے کے لیے قرض لیا ہو، ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے، چاہے وہ مالدار رہو اور اس کے پاس اتنا مال کیوں نہ ہو کہ وہ اس سے قرض ادا کر سکے۔

۷۔اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے دفاع کے لیے رضا کارانہ طور پر جہاد میں شامل ہوں اور ان کی کوئی تنخواہ بیت المال سے مقرر نہ ہو، ایسے مجاہدین کو واپس آنے تک اور ان تمام افراد کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے جو اس کی کفالت میں ہوں اور جن کا نفقہ اس پر واجب ہو، چاہے یہ مدت کتنی ہی طویل ہو یا وہ مالدار ہوں، اسی طرح زکوٰۃ کے مال سے جنگی سازوسامان اور جنگ کے لیے ضروری وسائلِ حمل ونقل بھی فراہم کیے جاسکتے ہیں۔

۸۔مسافر: وہ مسافر جو کسی مباح کام کے لیے سفر کررہا ہو، یا کسی مباح سفر کا ارادہ ہو یعنی سفر کسی معصیت اور گناہ کے کام کے لیے نہ ہو، تفریح کے لیے سفر ہو تو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے، ایسے مسافر کو پورے سفر کے اخراجات دیے جائیں گے اور سواری فراہم کی جائے گی، اگر واپس آنے کا بھی ارادہ ہو تو آنے اور جانے کے اخراجات دیے جائیں گے، اگر سامان اٹھانے سے عاجز ہو تو قلی کے بھی اخراجات دیے جائیں گے، اگر کسی گناہ کا سفر ہو تو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر توبہ کرے اور غالب گمان ہو جائے کہ اس نے سچی توبہ کی ہے تو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

یہ آٹھ قسم کے لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس میں ان ہی آٹھ لوگوں کو زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے، آیت میں صدقات سے مراد فرض زکوٰۃ ہے، اس کی دلیل آیت کا آخری جزء: فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ (اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا) ہے، البتہ زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی دینا جائز ہے۔

مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرنے کا طریقہ

مستحقین زکوٰۃ میں سے جو موجود ہوں ان میں زکوٰۃ تقسیم کی جائے گی اور زکوٰۃ اپنے علاقے ہی میں تقسیم کی جائے گی۔

اگر مستحقین زکوٰۃ کی سب قسمیں موجود ہوں تو سب قسموں میں تقسیم کرنا واجب ہے، ان میں سے کسی قسم کے لوگوں کو محروم کرنا جائز نہیں ہے۔ (شوافع کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک کسی ایک قسم کو دینا جائز ہے، اسی طرح کسی ایک شخص کو بھی دینا جائز ہے، امام مالک نے فرمایا کہ ان میں سب سے زیادہ ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے)۔

کسی ایک قسم کے لوگ نہ پائے جائیں تو ان کا حصہ دوسری قسموں کے لوگوں کو دیا جائے، اگر کسی ایک قسم میں مستحقین کم ہوں تو موجود لوگوں کو دے کر زکوٰۃ کا بچا ہوا مال دوسروں کو دیا جائے۔

موجودہ قسموں میں زکوٰۃ برابر تقسیم کی جائے گی، چاہے ان کی ضرورتیں کم یا زیادہ ہوں، البتہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے درمیان برابری کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ دینا جائز ہے، اگر مالک زکوٰۃ خود سے تقسیم کرے یا کسی کو وکیل بنائے تو ہر قسم میں سے کم از کم تین کو دینا واجب ہے، چاہے ان کی تعداد بے شمار ہو، کیوں کہ آیت کریمہ میں ہر صنف کو جمع کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے اور کم سے کم جمع تین ہے (عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق)، اگر ان کی تعداد شمار کی جاسکتی ہوں اور عام طور پر ان کو پہچاننا اور ان کی فہرست بنانا آسان ہو تو تمام افراد کو دینا واجب ہے۔

زکوٰۃ دوسرے علاقوں میں منتقل کرنے کا حکم

اُس علاقے سے زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے، جہاں زکوٰۃ کے مستحقین موجود ہوں، چاہے وہ جگہ قریب ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس سے اپنے شہر کے مستحقین کو نقصان ہوتا ہے، کیوں کہ فقراء کو اپنے علاقے کی زکوٰۃ سے امید رہتی ہے اور اس وجہ سے بھی منتقل کرنا جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یمن روانہ کرتے وقت حضرت معاذ بن

جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی''۔

اگر شہر میں مندرجہ بالا قسموں میں سے کوئی قسم نہ پائی جائے یا ایک قسم کے افراد کی ضرورتوں سے زیادہ ہو تو اس قسم کا حصہ یا اس قسم کے افراد کی ضرورتوں سے زائد حصے دوسری جگہ کے اسی قسم کے فقیروں میں منتقل کرنا جائز ہے۔

زکوۃ کے مستحق ہونے کی شرطیں

زکوۃ کا مستحق بننے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔مسلمان ہو: غیر مسلم کو زکوۃ دینا صحیح نہیں ہے، اس کی دلیل نبی کریم کا یہ فرمان ہے: ''ان کو دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں...... اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی''۔(بخاری ۱۳۳۱، مسلم ۱۹)

یہ بات واضح ہے کہ زکوۃ مالدار مسلمانوں سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی، جس طرح غیر مسلم مالداروں سے زکوۃ نہیں لی جاتی، اسی طرح غیر مسلموں کو زکوۃ دی بھی نہیں جائے گی، البتہ غیر مسلموں کو زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات دیے جاسکتے ہیں۔

۲۔کمانے کی قدرت نہ ہو: اگر فقیر یا مسکین کوئی ایسا ہنر جانتا ہو، جس سے وہ روزی کما سکتا ہو تو اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کو لینا بھی جائز نہیں ہے، اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مال داروں کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے اور نہ کمانے کی قدرت رکھنے والے کو دینا جائز ہے'' (ترمذی ۶۵۲، ابوداؤد ۱۶۳۴) ابو داؤد کی دوسری روایت (۱۶۳۳) میں ہے: ''طاقت ور کمانے والے کو دینا جائز نہیں ہے''۔

۳۔اس کا نفقہ زکوۃ دینے والے پر واجب نہ ہو، کیوں کہ جس کا نفقہ زکوۃ دینے

والے پر واجب ہے، وہ اس کی طرف سے دیے جانے والے نفقے کی وجہ اس کی زکوۃ سے بے نیاز ہے، اس کو اپنی زکوۃ دینا خود کو زکوۃ دینے کی طرح ہے، کیوں کہ اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے، اور وہ زکوۃ دے کر اپنے نفقہ کو بچاتا ہے یا اس کو کم کرتا ہے۔

اسی بنیاد پر والدین یا دادا، دادی وغیرہ کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان لوگوں کا نفقہ بچوں پر واجب ہے، اسی طرح زکوۃ بچوں اور ان کی اولاد کو دینا جائز نہیں ہے، چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے یا پاگل ہوں یا صاحب فراش مریض، کیوں کہ ان کا نفقہ والدین پر واجب ہے۔

اسی طرح بیوی کو زکوۃ دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے، یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان لوگوں کو فقیر یا مسکین ہونے کی وجہ سے زکوۃ نہیں دی جائے گی، اگر ان میں سے کوئی فقراء اور مساکین کو چھوڑ کر دوسری اصناف میں سے ہوں، مثلاً قرض دار یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو تو زکوۃ دینا جائز ہے، چاہے ان کا نفقہ زکوۃ دینے والے کے ذمے واجب ہو۔

شوہر کو زکوۃ دینے کا حکم

اگر بیوی مال دار ہو اور اس کے مال پر زکوۃ واجب ہو تو اپنے فقیر شوہر کو اپنے مال کی زکوۃ دینا مستحب ہے، اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ اپنی فقیر اولاد پر خرچ کرے، کیوں کہ شوہر اور اولاد کا نفقہ بیوی اور ماں پر واجب نہیں ہے۔

امام بخاری (۱۳۹۷) اور امام مسلم (۱۰۰۰) نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''اگر میں اپنی زکوۃ شوہر اور میری کفالت میں موجود یتیم بچوں پر خرچ کروں تو کیا میری زکوۃ ادا ہوگی؟ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سوال پہنچانے والے سے فرمایا: ''جی ہاں، اس کے لیے دو اجر ہیں، ایک قرابت اور رشتہ داری کا اجر اور دوسرا زکوۃ ادا کرنے کا اجر''، امام بخاری (۱۳۹۸) اور امام مسلم (۱۰۰۱) نے حضرت ام سلمہ رضی

اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا مجھے اجر ملے گا، اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر خرچ کروں، حالاں کہ وہ میرے ہی بچے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان پر خرچ کرو، تم کو ان پر خرچ کرنے کا ثواب ملے گا''۔

اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو زکوۃ دینے کا حکم جن کا نفقہ واجب نہ ہو

اگر کسی پر زکوۃ واجب ہو اور اس کے ایسے قریبی رشتہ دار ہوں جن کا نفقہ اس پر واجب نہ ہو مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ان کی اولاد وغیرہ، اگر یہ فقیر، مسکین یا زکوۃ کے دوسرے مستحقین میں شامل ہوں تو ان کو اپنی زکوۃ دینا جائز ہے، بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں یہی لوگ زیادہ مستحق ہیں، اسی طرح کمانے والی بڑی اولاد کو دینا بھی جائز ہے، جن کی کمائی ان کو کافی نہ ہوتی ہو۔

امام ترمذی (۶۵۸) امام نسائی (۹۲/۵) اور امام ابن ماجہ (۱۸۴۴) نے حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور قریبی رشتہ دار کو صدقہ دینے سے دو اجر ملتے ہیں، ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا''۔

۴) ہاشمی اور مطلبی نہ ہو: جس کا نسب بنو ھاشم یا بنو مطلب سے جا کر ملتا ہو، ان کو زکوۃ نہیں دی جائے گی، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''یہ زکوۃ کا مال لوگوں کی گندگیاں ہیں، یہ محمد اور آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے'' (مسلم ۱۰۷۲)

امام بخاری (۱۴۲۰) اور امام مسلم (۱۰۶۹) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حسن بن علی نے زکوۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منھ میں ڈال دی، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھی چھی (تا کہ وہ اس کھجور کو پھینک دے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم زکوۃ نہیں کھاتے''۔

آل محمد سے مراد بنو ھاشم اور بنو مطلب ہیں۔

ایک رائے اور اجتہاد

ہماری رائے اور اجتہاد یہ ہے کہ موجودہ دنوں میں ان لوگوں کو بھی زکوۃ کا مال دیا جائے، اگر ان کا شمار بھی مستحقین زکوۃ میں ہوتا ہو، کیوں کہ نہ دینے میں ان کا نقصان اور ضیاع ہے، جب تک ان کو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ مالِ غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ نہ ملتا ہو تو زکوۃ دی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' یہ بات جان لو کہ جو تم کو غنیمت کا مال ملتا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، ان کے رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر کا ہے (انفال ۴۱) رشتہ دار سے مراد بنو ھاشم اور بنو مطلب ہیں، امام بخاریؒ (۲۹۷۱) نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں اور عثمان بن عفان رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا: اللہ کے رسول! آپ نے بنو مطلب کو دیا اور ہم کو نہیں دیا جب کہ ہم اور وہ آپ کے نزدیک ایک ہی مرتبہ کے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنو مطلب اور بنو ھاشم ایک ہی ہیں''۔

''ایک ہی مرتبے کے ہیں'' کا مطلب قرابت اور رشتہ داری کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، کیوں کہ عثمانؓ بنو عبد شمس سے اور جبیر بنو نوفل سے ہیں، اور عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم چاروں عبد مناف کی اولاد ہیں، ''ایک ہی ہیں'' کا مطلب اسلام میں مرتبے کے لحاظ سے ایک ہی ہیں، کیوں کہ انھوں نے اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی آپ ﷺ کی مدد کی تھی۔

قرض کی زکوٰۃ

قرض پر زکوٰۃ واجب ہے

جس طرح نصاب پر ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسی طرح اگر کسی نے قرض دیا ہو اور وہ قرض نصاب کو پہنچ جائے یا اس کے پاس موجود نقدی اور قرض ملا کر نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس کے پاس نہ رہنا زکوٰۃ کے واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے، وہ مال امانت میں رکھی ہوئی چیزوں کی طرح ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، حالانکہ اس کے ہاتھوں میں مال نہیں رہتا۔

قرض کی زکوٰۃ کب نکالی جائے؟

(الف) جب قرض واپس ہونے کا وقت آئے اور قرض خواہ کو قرض دار سے قرض لینے کی قدرت ہو، یعنی قرض دار کے پاس اتنا مال موجود ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکتا ہو تو قرض خواہ کو اس مال کی زکوٰۃ فوراً نکالنا واجب ہے، چاہے قرض اس کے قبضے میں ابھی آیا نہ ہو، کیوں کہ وہ اس کے قبضہ میں موجود مال کے حکم میں ہے، وہ مال قرض دار کے پاس بطور امانت ہے، جس کو لے کر وہ تصرف کر سکتا ہے۔

(ب) اگر قرض واپس لینے کا وقت آئے اور قرض خواہ قرض دار کی تنگ دامانی یا اس کے انکار اور اس کے خلاف قرض خواہ کے پاس کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے قرض واپس لینے کی قدرت نہ ہو تو اسی وقت زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ وہ اس قرض کو واپس لینے اور اس میں تصرف کرنے پر قادر نہیں ہے، قرض دار کے پاس جتنی مدت بطور قرض یہ

مال رہے گا اس کا حساب رکھا جائے گا، جب یہ قرض واپس مل جائے گا تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالے گا، کیوں کہ ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اس کے ذمے رہتی ہے، اس کا حکم غائب مال کی طرح ہے، اسی وجہ سے قرض واپس آنے کے بعد اپنے اس ذمے سے بری ہونا ضروری ہے۔

(ج) اگر قرض ادا کرنے کا وقت نہ آیا ہو تو وقت آنے تک زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں ہے، اگر قرض کا وقت پورا ہو جائے اور قرض کا مال اس کے قبضے میں آ جائے یا قبضے میں نہ آئے، لیکن اس کو قبضے میں لینے کی قدرت ہو تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالے گا، اگر وقت آ جائے لیکن قرض واپس نہ دیا جائے یا اس پر قبضہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو انتظار کرے گا، جب قرض واپس ہو تو اس وقت گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

قرض دار کے مال کی زکوٰۃ

اگر کوئی اموال زکوٰۃ میں سے کسی صنف کے نصاب کا مالک ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ نکالنا گذشتہ تفصیلات کے مطابق ضروری ہے، چاہے اس پر اتنا زیادہ قرض ہو جو اس کے پاس موجود مال کے برابر ہو یا قرض نکالنے پر نصاب سے کم ہوتا ہو، اسی طرح تجارتی سامان کا بھی مسئلہ ہے، اگر کوئی تجارتی سامان کا مالک ہو اور وہ ملکیت میں آنے کے بعد ایک سال کے دوران میں نصاب کو پہنچ جائے تو اس کے قرض سے اس کے قبضے میں موجود تجارتی اور غیر تجارتی مال کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، کیوں کہ قرض کا تعلق ذمے سے ہے اور زکوٰۃ کا تعلق اس کے پاس موجود مال سے ہے، جب مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ کی مقدار مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت ہو جاتا ہے، چاہے وہ مال مالک کے پاس ہی کیوں نہ ہو، اسی لیے مستحقین تک اس کو پہنچانا واجب ہے۔

روزہ

روزے کی تعریف

عربی میں روزے کو"صوم" کہتے ہیں،صوم کے لغوی معنی کسی چیز سے رُکنا اور باز رہنا ہے، چاہے کلام ہو یا کھانا پینا، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے، اللہ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا ہے:"اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا "میں نے رحمٰن کے لیے صوم (گفتگو نہ کرنے) کی نذر مانی ہے۔

شریعت میں "صوم" کہتے ہیں: نیت کے ساتھ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ توڑنے والی چیزوں سے رُکنا۔

روزے کی ابتدا کب ہوئی؟

رمضان کے روزے شعبان ۲ھ میں فرض ہوئے، اس سے پہلے بھی سابقہ امتوں میں اور نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہود ونصاریٰ میں بھی روزے کا رواج تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ "اے ایمان والو!تم پر روزے فرض کردیے گئے،جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کردیے گئے تھے،تا کہ تم میں اللہ کا تقویٰ اور خشیت پیدا ہو۔(بقرہ۱۸۳)

لیکن رمضان کے روزے اس سے پہلے مشروع نہیں تھے، یہ امت روزے کی مشروعیت میں سابقہ امتوں کی طرح تو ہے، لیکن رمضان کے روزے کی فرضیت امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

رمضان کے روزے فرض ہونے کی دلیلیں

رمضان کے روزے فرض ہونے کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے:"شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ ھُدًی لِلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ، فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ "رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا،اس میں لوگوں کی ہدایت کا سامان اور ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، چناں چہ جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے، وہ ضرور اس مہینے کے روزے رکھے(بقرہ۱۸۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں،نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا"(بخاری۸،مسلم۱۶)

نبی کریم ﷺ سے کسی نے سوال کیا: مجھے بتائیے کہ اللہ نے مجھ پر کون سے روزے فرض کیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"رمضان کے روزے"(بخاری۱۷۹۲،مسلم۱۱)

کسی عذر کے بغیر رمضان کے روزے چھوڑنے والے کا حکم:

چوں کہ رمضان کے روزے اسلام کے ارکان اور دین کے فرائض میں سے ہے، اس لیے اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے، یعنی اس کے ساتھ مرتد کی طرح معاملہ کیا جائے گا، سب سے پہلے اس کو توبہ کا حکم دیا جائے، اگر توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ اس کو قتل کردیا جائے گا، یہ حکم اس وقت ہے جب وہ نیا نیا مسلمان نہ ہوا ہو یا فرائضِ اسلام کو جاننے والوں کی بستی سے دور نہ رہتا ہو، اگر کوئی عذر کے بغیر رمضان کے روزے چھوڑ دے، لیکن اس کی فرضیت کا منکر نہ ہو، مثلاً روزہ چھوڑنے والا کہے: روزہ مجھ پر فرض ہے لیکن میں روزہ نہیں رکھوں گا، ایسا شخص فاسق ہوگا، کافر نہیں، حاکم کے لیے ضروری ہے کہ ایسے شخص کو قید کرکے پورا دن کھانے پینے سے روکے رکھے، تا کہ وہ صورتاً ہی روزہ رکھنے پر مجبور ہو۔

روزے کی حکمتیں اور فائدے:

مسلمانوں کو سب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ رمضان کے روزے عبادت ہیں، جن کو اللہ نے فرض کیا ہے، عبادت کے معنی یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے اور عبودیت و بندگی کے حق کو ادا کرتے ہوئے فرائض کو بجالائے، روزے کی عبادت سے حاصل ہونے والے کسی فائدے کی طرف نہ دیکھے، جب مسلمان اس طرح کرے اور سوچے تو اس کے بعد روزے میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور سربستہ رازوں سے واقف ہونے میں کوئی حرج نہیں، اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں میں حکمتیں اور بندوں کے لیے بہت سے فائدے پوشیدہ ہیں لیکن بندوں کا ان سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح روزے کی بھی بے شمار حکمتیں اور فائدے ہیں، جن میں سے بعض حکمتوں سے بندے واقف ہیں اور بہت سی حکمتیں بندوں سے مخفی اور پوشیدہ ہیں۔

ان حکمتوں اور فائدوں میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں، جن کو مسلمان روزوں میں محسوس کرسکتے ہیں:

(۱) صحیح روزے سے مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے مراقبے کے لیے بیدار ہوجاتا ہے، کیوں کہ روزے دار اپنا پورا دن اس حال میں گذارتا ہے کہ اس کو بھوک اور پیاس کا احساس رہتا ہے اور اس کا دل کھانے پینے کی طرف مائل رہتا ہے، لیکن یہ احساس کہ وہ روزے سے ہے، اس کو اپنی نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے پورا کرنے سے روکے رکھتا ہے، اسی وجہ سے دل بیدار ہوجاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے مراقبے کا شعور پروان چڑھتا ہے اور وہ اللہ کی ربوبیت اور اس کی عظیم قدرت کا ذکر کرتا رہتا ہے، اسی طرح وہ ہر وقت متنبہ رہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے کا تابع اور غلام ہے۔

(۲) رمضان کا مہینہ سال کے دوسرے تمام مہینوں میں سب سے زیادہ مقدس ہے، اللہ عزوجل چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس مہینے میں خوب اطاعت اور ثواب کے کام کریں

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی زیادہ سے زیادہ کریں، کاش اس کی تکمیل کھانوں کے دسترخوانوں، مشروبات کی مجلسوں، اور فکر و دماغ میں کھانے کی خوشبوؤں کے پہنچنے کے بعد بھی ہوتی رہے، اس مہینے کے روزے اس کے حق اور اس کی بندگی کے فریضے کو ادا کرنے کا سب سے آسان راستہ ہے۔

(۳) مسلسل آسودگی سے انسان میں سختی پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں ظلم وزیادتی کے عوامل و محرکات پروان چڑھتے ہیں، یہ دونوں چیزیں مسلمان کی شان کے منافی ہیں، جب کہ روزے سے مسلمان کا دل مہذب ہوتا ہے اور اس کے احساسات میں بالیدگی آتی ہے۔

(۴) روزے سے مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والی سب سے اہم چیز یہ ہے کہ مسلمانوں میں دوسروں پر رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہ ہو نہیں سکتا کہ فقر و فاقہ کی تکلیفوں اور اس کی شدت و سختی، بھوک کی کڑواہٹ اور تکلیف کا احساس کیے بغیر مال دار فقیر پر مہربانی اور رحم کرے، رمضان کا مہینہ مال دار کے لیے فقیر کے احساسات اور جذبات سے واقف ہونے کا بہترین موقع ہے، اور مال دار اس مہینے میں فقیر کی تکلیفات اور محرومیوں میں اپنے دن گزارتا ہے، جس کی وجہ سے روزہ مال داروں کے دلوں میں مہربانی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرنے کا بہترین موقع ہے۔

رمضان کی ابتدا کا ثبوت

رمضان کی ابتدا دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے:

۱۔شعبان کی تیسویں رات کا چاند نظر آئے: قاضی کے سامنے ایک ثقہ اور عادل مرد گواہی دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔

۲۔شعبان کے تیس دن مکمل ہو جائیں: بادلوں کی وجہ سے چاند دیکھنا مشکل ہو جائے یا کوئی ثقہ اور عادل مرد اس بات کی گواہی نہ دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو ان صورتوں میں شعبان کے تیس دن شمار کیے جائیں گے، کیوں کہ مہینے کے تیس دن ہی اصل ہیں، جب چاند نظر نہ آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو، اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن مکمل کرو''۔(بخاری ۱۸۱۰، مسلم ۱۰۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدّو (دیہاتی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں''، اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''بلال! لوگوں میں اعلان کرو کہ وہ کل روزہ رکھیں'' (ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، موارد الظمآن ۸۷۰، حاکم ۱/۴۲۴)

اگر کسی شہر میں چاند نظر آئے تو اس کے قریبی شہروں کے لوگوں کو بھی روزہ رکھنا ضروری ہے، دور والوں کے لیے ضروری نہیں، کیوں کہ قریبی شہر ایک ہی شہر کے حکم میں ہے، جب کہ دور کے شہر کا یہ حکم نہیں ہے۔

دوری کا اعتبار مطالع کے اختلاف سے کیا جائے گا۔

امام مسلم (۱۰۸۷) نے حضرت کریب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''میں شام میں تھا کہ رمضان کا مہینہ آیا، میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر مہینے کے اخیر میں مدینہ آیا، مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: تم نے چاند کب دیکھا؟ میں نے جواب دیا، ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا، انھوں نے دریافت کیا: کیا تم نے چاند دیکھا؟ میں نے کہا: جی ہاں، دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی دیکھا اور سبھوں نے روزہ رکھا، اور معاویہ نے بھی روزہ رکھا، حضرت ابن عباس نے کہا: ہم سبھوں نے سنیچر کی رات چاند دیکھا، ہم تب تک روزہ رکھیں گے جب تک تیس روزے مکمل نہ کر لیں یا ہم چاند نہ دیکھ لیں، میں نے کہا: کیا معاویہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا تمہارے لیے کافی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، اسی طرح کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے۔

اسی بنیاد پر علماء نے کہا ہے: کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے اور ایسے شہر سے وہاں کوئی فرد آئے جہاں چاند نظر آچکا ہو تو وہ اخیر تک ان کے ساتھ روزے رکھے گا، چاہے وہ تیس روزے مکمل کر لیں، کیوں کہ اس شہر میں آنے سے وہ ان ہی کا ایک فرد بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے احکام اس پر بھی نافذ ہوں گے، اگر کوئی ایسے شہر سے جہاں چاند نظر نہ آیا ہو، اس شہر چلا جائے، جہاں چاند نظر آچکا ہو تو وہ ان کے ساتھ افطار کرے گا، چاہے وہ اٹھائیس دن کے روزے رکھا ہو، یا تیس دن کے، کیوں کہ جہاں وہ گیا ہے وہاں رمضان مکمل ہو چکا ہے، لیکن ۲۸/روزے رکھنے کی صورت میں ایک دن کا روزہ قضا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ مہینہ انتیس دن سے کم کا نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص اپنے شہر میں عید کر کے اسی دن دوسرے کسی شہر چلا جائے، جہاں لوگ روزے سے ہوں تو اس کے لیے بقیہ دن کھانے پینے سے رکا رہنا ضروری ہے۔

روزہ فرض ہونے کی شرطیں

رمضان کے روزے فرض ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔مسلمان ہو: چناں چہ کافر پر روزہ فرض نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں

اس سے روزہ رکھنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ جب تک وہ مسلمان نہیں ہوگا اس کے روزہ کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے اور نہ اس سے روزہ رکھنے کا مطالبہ کرنے کا کوئی مطلب ہے، البتہ آخرت میں کافر کو اس کے کفر اور اسلام کی فروعات چھوڑنے کی بھی سزا دی جائے گی۔

۲۔مکلّف ہو: مکلّف کا مطلب یہ ہے کہ بالغ اور عاقل ہو، اگر ان میں سے کوئی وصف نہ پایا جائے تو وہ مکلّف نہیں ہے، جب آدمی مکلّف نہیں ہوگا تو دینی فرائض اور واجبات کا اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا: سوئے ہوئے شخص سے، یہاں تک کہ وہ جاگ جائے، بچے سے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، اور مجنون سے، یہاں تک کہ اس کی عقل درست ہو جائے۔(ابوداؤد ۴۴۰۳)

۳۔ روزہ چھوڑنا جائز ہونے کا کوئی سبب نہ پایا جائے یا روزہ رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

مندرجہ ذیل اسباب روزہ رکھنے میں رکاوٹ بنتے ہیں:

(الف) دن کے کسی حصے میں عورت کو حیض یا نفاس آئے۔

(ب) پورا دن بے ہوشی یا جنون لاحق ہو، اگر دن کے کسی وقت بھی ہوش آئے یا جنون ختم ہو جائے تو دن کا باقی حصہ ممنوعات سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ چھوڑنا جائز ہونے کے اعذار

۱۔ایسی بیماری جس سے روزہ رکھنے کی صورت میں سخت نقصان کا اندیشہ ہو یا سخت تکلیف یا پریشانی ہو، اگر بیماری یا تکلیف سخت ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنے کی صورت میں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت روزہ چھوڑنا واجب ہے۔

۲۔طویل سفر جو ۸۳ر کلومیٹر سے کم نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ سفر مباح ہو اور پورا دن سفر میں رہے، اگر اقامت کی حالت میں روزہ رکھے پھر دن ہی میں سفر پر چلا جائے تو روزہ

توڑنا جائز نہیں ہے، ان دونوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيضًا اَوْعَلىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ '' جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھے۔(البقرہ ۱۸۵)

۳۔روزہ رکھنے سے عاجز ہو: بڑھاپے یا ناقابلِ علاج بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، کیوں کہ روزہ اسی پر فرض ہے جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ '' اور جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے''۔(البقرہ ۱۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اس سے مراد بوڑھا اور بوڑھی ہیں، وہ دونوں روزہ رکھ نہیں سکتے، چناں چہ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گے''۔
(بخاری ۴۲۳۵)

روزہ صحیح ہونے کی شرطیں:

روزہ صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔مسلمان ہو، کافر کا روزہ کسی بھی صورت میں صحیح نہیں۔

۲۔عاقل یعنی ممیّز ہو، پاگل اور غیر ممیّز بچے کا روزہ صحیح نہیں ہے، البتہ ممیّز بچے کا روزہ صحیح ہے، بچہ اگر سات سال کی عمر کو پہنچ جائے اور روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو نماز کی طرح روزہ رکھنے کا بھی حکم دیا جائے، جب دس سال کو پہنچ جائے تو روزہ چھوڑنے پر مار کر تنبیہ کی جائے۔

۳۔روزہ رکھنے سے رکاوٹ بننے والا کوئی سبب نہ پایا جائے، وہ اسباب یہ ہیں کہ عورت کو حیض یا نفاس آئے یا پورا دن بے ہوشی اور جنون لاحق ہو۔

روزے کے فرائض

روزہ کے ارکان اور فرائض دو ہیں:

۱۔روزے کی نیت کرنا ۲۔طلوع فجر سے سورج کے غروب ہونے تک روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکا رہنا۔

۱۔نیت کرنا: نیت سے مراد روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا ہے اور اس کی جگہ دل ہے، زبان سے نیت کرنا کافی نہیں ہے اور نیت کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا بھی شرط نہیں ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (بخاری ۱، مسلم ۱۹۰۷)

اگر رمضان کے روزے کی نیت کرے تو نیت میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا شرط ہے:

۱۔ رات ہی میں نیت کرنا: رات میں طلوع فجر سے پہلے روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا ضروری ہے، اگر طلوعِ فجر کے بعد ارادہ کرے تو نیت صحیح نہیں ہوگی، اور روزہ باطل ہو جائے گا اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''جس نے فجر سے پہلے روزوں کی نیت نہیں کی، اس کا روزہ نہیں'' (دارقطنی ۲/۱۷۲، انھوں نے کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، بیہقی ۴/۲۰۲)

۲) تعیین: روزے کی تعیین کرنا ضروری ہے، چناں چہ روزے دار کے دل میں رمضان کے دن کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہو، اگر دل میں مطلق روزہ کا ارادہ کرے تو اس کی نیت صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا''۔یعنی اس کا عمل اس کے ارادے کے مطابق ہی ہو۔

۳) ہر دن نیت کرنا: ہر رات فجر سے پہلے دوسرے دن کے روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے، پورے مہینہ کے روزوں کی ایک ساتھ نیت کرنا کافی نہیں ہے، کیوں کہ رمضان کے روزے صرف ایک ہی عبادت نہیں ہیں، بلکہ یہ الگ الگ عبادتیں ہیں، اس لیے ہر عبادت کے لیے مستقل نیت کرنا ضروری ہے۔

البتہ نفل روزوں کی نیت کے لیے تعیین اور رات ہی کو نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ زوال سے پہلے نیت کرنا کافی ہے، مطلق نیت سے بھی روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے دریافت کیا: ''تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: نہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''تب میں روزہ رکھوں گا'' (دارقطنی)

دوسرا رکن: روزہ توڑنے والی چیزوں سے رُکنا:

روزہ توڑنے والی چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔کھانا پینا: اگر عمداً کھائے یا پئے، چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، اگر بھول کر کھائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، چاہے جتنا زیادہ کھائے یا پئے۔

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی بھول جائے کہ وہ روزہ سے ہے اور وہ کھائے یا پئے تو اپنا روزہ مکمل کرے، کیوں کہ اللہ نے اس کو کھلایا اور پلایا ہے''۔(مسلم ۱۱۵۵، بخاری ۱۸۳۱)

۲۔کوئی عین چیز منفذ مفتوح (کھلی جگہ) سے پیٹ میں چلی جائے:

عین چیز سے مراد نظر آنے والی چیز، پیٹ سے مراد دماغ یا حلق کے اوپر سے معدہ اور انتڑیوں تک کا حصہ۔

منفذ مفتوح سے مراد منھ، کان، عورت اور مرد کی اگلی اور پچھلی شرمگاہیں ہیں۔

کان سے کوئی قطرہ دماغ یا پیٹ میں چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ منفذ مفتوح (کھلا ہوا) ہے۔آنکھ میں کوئی قطرہ ڈالے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ وہ منفذ مفتوح نہیں ہے، پچھلی شرمگاہ سے دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ پچھلی شرمگاہ منفذ مفتوح ہے۔

رگ سے دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ رگ منفذ مفتوح نہیں ہے۔

ان صورتوں میں روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب عمداً کیا جائے، اگر بھول کر کیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کھانے اور پینے پر اس کو قیاس کیا گیا ہے۔

اگر اپنا تھوک نگلے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔

اگر اپنا نجس تھوک نگلے، مثلاً اگر کسی کا داڑھ زخمی ہو جائے اور منھ دھوئے بغیر تھوک

نگلےتو روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے تھوک سفید ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کلی کرے یا ناک میں پانی لے اور پانی اچانک پیٹ یا دماغ میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جب کہ وضو کے دوران کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے میں مبالغہ نہ کیا ہو، اگر مبالغہ کیا ہوتو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اس نے ممنوع چیز کا ارتکاب کیا ہے۔

اگر دانتوں میں کھانا لگا ہو اور بغیر ارادہ کے تھوک کے ساتھ اس کو نگل لےتو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، جب کہ اس کو نکال کر پھینکنا ممکن نہ ہو، کیوں کہ اس صورت میں وہ معذور ہے اور اس کی طرف سے کوتاہی بھی نہیں ہوئی ہے، اگر پھینکنا ممکن ہوتو کوتاہی کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کھانے پینے پر مجبور کیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ اس نے اپنے اختیار اور ارادے سے کھایا اور پیا نہیں ہے۔

۳۔عمداً قئے کرنا: عمداً قئے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چاہے روزے دار کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کے پیٹ میں واپس کچھ بھی نہیں گیا ہے، اگر قئے خود بخود آجائےتو روزہ نہیں ٹوٹے گا، چاہے اس کو معلوم ہو جائے کہ قئے کا کچھ حصہ پیٹ میں بغیر ارادے کے چلا گیا ہے، اس کی دلیل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر کسی کو قئے آئے اور وہ روزے سے ہوتو اس کی قضا نہیں ہے، اگر عمداً قئے کرےتو قضا کرے‘‘۔ (ابوداؤد ۲۳۸۰، ترمذی ۷۲۱)

۴۔عمداً جماع کرنا: چاہے انزال ہو یا نہ ہو، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ’’وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ‘‘اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کی روشنی کی وجہ سے سفید دھاگا کالے دھاگے سے واضح ہو جائے، پھر رات تک روزہ مکمل کرو اور اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو جب تک کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہوں۔ (بقرہ ۱۸۷)

اگر بھول کر جماع کرےتو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس کو بھول کر کھانے پینے پر

قیاس کیا گیا ہے۔

۵۔منی نکالنا: بوسہ دے کر یا لپٹا کر یا ہاتھ سے منی نکالے، اگر عمداً منی نکالےتو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر خود بخود منی نکلےتو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اگر بوسہ سے شہوت پیدا ہوتی ہوتو مرد اور عورت دونوں کے لیے رمضان میں بوسہ مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ یہ جماع کی ابتدا ہے، اگر بوسہ سے شہوت پیدا نہ ہوتی ہوتو بھی بوسہ نہ دینا اولیٰ ہے، تا کہ دروازہ ہی بند رہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ’’رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں مجھے بوسہ دیا کرتے تھے، تم میں کون رسول اللہ ﷺ کی طرح اپنی خواہش پر قابو رکھ سکتا ہے‘‘۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ بوسے سے احتراز کرنا چاہیے اور بوسہ جائز ہونے میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دلیل نہیں بنانا چاہیے، کیوں کہ آپ کو اپنے اوپر قابو تھا اور بوسہ کی صورت میں انزال ہونے یا شہوت بھڑکنے کا خطرہ نہیں تھا اور تم اس سے محفوظ نہیں ہو۔

۶۔حیض یا نفاس آنا: ان دونوں کی موجودگی میں روزہ صحیح نہیں ہوتا، اگر روزے دار عورت کو دن کے کسی حصے میں حیض یا نفاس آئےتو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور اس دن کی قضا اس پر واجب ہوگی، امام بخاری (۲۹۸) اور امام مسلم (۸۰) نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے سلسلے میں فرمایا جب آپ سے اس کے دین کی کمی کے بارے میں سوال کیا گیا: ’’جب اس کو حیض آتا ہےتو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی‘‘۔

۷۔جنون لاحق ہونا یا مرتد ہونا:

اگر کسی کو پاگل پنے کا دورہ پڑے یا کوئی مرتد ہو جائےتو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوتا، کیوں کہ اس صورت میں آدمی سے عبادت کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے۔

روزے دار کو ان تمام روزہ توڑنے والی چیزوں سے طلوع فجر سے سورج غروب

ہونے تک احتراز کرنا ضروری ہے، اگر روزے داران میں سے کسی چیز کا ارتکاب یہ گمان کرتے ہوئے کرے کہ ابھی طلوع فجر کا وقت نہیں ہوا ہے، پھر معلوم ہوجائے کہ طلوع فجر ہو چکا ہے تو اس کا روزہ باطل ہوجائے گا، البتہ اس کو رمضان کے مہینہ کا لحاظ کرتے ہوئے پورا دن روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکا رہنا ضروری ہے اور اس کی قضا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی دن کے آخری پہر سورج غروب ہونے کا گمان کرتے ہوئے روزہ افطار کرے پھر معلوم ہوجائے کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس روزے کی قضا کرنا بھی واجب ہے۔

روزے کے آداب اور مکروہات

روزے کے آداب

روزے کے بہت سے آداب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔افطار میں جلدی کرنا: سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطار کرنا، اس کی دلیل امام بخاری (۱۸۵۶) اور امام مسلم (۱۰۹۸) کی روایت ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''لوگ اس وقت تک خیر اور بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے''، تر یا سوکھی کھجور سے افطار کرنا مستحب ہے، اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرنا مستحب ہے، امام ترمذی (۶۹۶) اور امام ابوداؤد (۲۳۵۶) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے تر کھجوروں سے افطار کرتے تھے، اگر کھجور نہ ہوتا تو سوکھے کھجور سے افطار کرتے تھے، یہ بھی نہ ہوتا تو پانی کے چند گھونٹ پیتے، کیوں کہ یہ طہور ہے۔

۲) سحری کھانا: اس کے مستحب ہونے کی دلیل امام بخاری (۱۸۲۳) اور امام مسلم (۱۰۹۵) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سحری کھاؤ، کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے''، سحری کھانا مستحب ہونے کی حکمت یہ ہے کہ روزے کے لیے طاقت حاصل ہو، امام حاکم نے مستدرک حاکم (۴۵۲/۱) میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سحری کے وقت کھا کر روزے کے لیے مدد لو''۔

سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوتا ہے، سحری کی سنت کم یا زیادہ کھانے اور پانی پینے سے بھی حاصل ہوتی ہے، ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سحری کرو، چاہے ایک گھونٹ پانی سے ہی کیوں نہ ہو''۔ (۸۸۴)

۳۔سحری کھانے میں تاخیر کرنا: طلوعِ فجر سے تھوڑی دیر قبل سحری کھانے سے فارغ ہونا، اس کی دلیل امام احمد (۵/۱۴۷) کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت اس وقت تک خیر میں رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرے گی''۔

امام بخاری (۵۵۶) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ اور زید بن ثابت نے سحری کھائی، جب سحری کھانے سے فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھی، ہم نے انس سے دریافت کیا: ان کے سحری کھا کر فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: ''پچاس آیتیں پڑھنے کے بقدر''۔

۴۔فحش باتوں سے باز رہنا، مثلاً گالی گلوج، جھوٹ، غیبت اور چغلی وغیرہ، نفس کی شہوتوں سے رکنا، مثلاً عورتوں کو دیکھنا اور گانے سننا وغیرہ، امام بخاری (۱۸۰۴) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں''، یہ بات جان لینی چاہیے کہ جھوٹ، گالی گلوج، غیبت اور چغلی وغیرہ حرام ہیں ہی، لیکن روزے دار ان چیزوں کا ارتکاب کرے تو روزوں کا ثواب بھی ضائع ہوجاتا ہے، گرچہ ان چیزوں کے ارتکاب سے روزہ صحیح ہوجاتا ہے اور ذمہ داری اور فریضہ ادا ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ان چیزوں کا شمار روزے کے آداب اور سنتوں میں ہوتا ہے۔

۵۔فجر سے پہلے غسلِ جنابت سے فارغ ہوجائے، تاکہ شروع روزے ہی سے وہ پاک رہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنابت روزے کے منافی نہیں ہے، لیکن فجر سے پہلے اس سے پاک ہونا افضل ہے۔

اس کی دلیل امام بخاری کی روایت (۱۸۲۵، ۱۸۳۰) ہے کہ نبی کریم ﷺ جماع کرنے کی وجہ سے حالت جنابت میں صبح کرتے، لیکن آپ کو احتلام نہیں ہوتا، پھر غسل فرما کر روزہ رکھتے، اسی طرح حیض یا نفاس کا خون بند ہونے کی صورت میں بھی فجر سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔

۶۔پچکاری اور سینگی وغیرہ نہ لگوانا: کیوں کہ اس سے روزہ دار کو کمزوری لاحق ہوتی ہے، اسی طرح کھانا چکھنے یا چبانے سے احتراز کرنا، کیوں کہ اس سے پیٹ میں چکھی ہوئی چیز جانے کا اندیشہ رہتا ہے، جب کہ پیٹ میں کوئی چیز پہنچنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۷۔افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ، ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

اے اللہ! میں نے تیرے خاطر روزہ رکھا اور میں نے تیرے ہی رزق پر روزہ افطار کیا، پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر مل گیا۔

۸۔روزے داروں کو افطار کرانا یعنی ان کو کھانا کھلانا، اگر کھانا کھلا نہ سکتا ہو تو ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے افطار کرانا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی روزہ دار کو افطار کرائے، اس کو روزے دار کے ثواب کے بقدر ہی ثواب ملے گا، لیکن روزے دار کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوگا'' (ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ۸۰۷)

۹۔صدقہ کرنا، تلاوتِ قرآن اور اس کا مذاکرہ کثرت سے کرنا، مسجد میں اعتکاف کرنا خصوصاً رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان کے مہینے کا صدقہ''۔ (ترمذی ۶۶۳)

امام بخاری (۱۸۰۳) اور امام مسلم (۲۳۰۸) نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان میں نبی کریم ﷺ کے پاس ہر دن آتے اور نبی کریم ﷺ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرماتے۔

روزے کے مکروہات

مندرجہ بالا آداب کی مخالفت کرنا مکروہ ہے، ان میں سے بعض مکروہ تنزیہی ہیں: مثلاً افطار میں تاخیر کرنا، سحری جلدی کھانا، اور بعض مکروہ تحریمی ہیں: مثلاً غیبت کرنا، چغلی کھانا اور جھوٹ بولنا وغیرہ۔

روزے کی قضا، فدیہ اور کفارہ

۱)مسافر اور مریض: سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ جائے تو دوسرے سال رمضان آنے سے پہلے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا واجب ہے، اگر سستی اور تساہل کی وجہ سے دوسرا رمضان آنے سے پہلے قضا نہ کرے تو گنہ گار ہوگا اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا، کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے اپنے شہر کی عام غذا ایک مد فقیر کو دے، جتنے سال گزریں گے اتنے سالوں کا کفارہ دینا واجب ہے، ایک مُد تقریباً ۶۰۰ گرام ہوتا ہے۔

☆اگر عذر باقی ہو، مثلاً دوسرا رمضان آنے تک وہ بیمار ہی رہے تو اس پر صرف قضا واجب ہے اور تاخیر کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہے۔

☆اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس نے قضا نہ کی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت تھی یا نہیں۔

☆اگر قضا کی طاقت حاصل ہونے سے پہلے انتقال ہو جائے تو اس کی کوتاہی نہ ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ اس کا تدارک کرنا واجب ہے۔

☆اگر قضا کرنے کی طاقت رہنے کے باوجود قضا نہ کرے اور اسکا انتقال ہو جائے تو اس کے ولی کے لیے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا مستحب ہے۔

☆یہاں ولی سے مراد اس کا کوئی بھی قریبی رشتہ دار ہے، اس کی دلیل امام بخاری (۱۸۵۱) اور امام مسلم (۱۱۴۷) کی روایت ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمے روزہ باقی ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے''، امام بخاری (۱۸۵۲) اور امام مسلم (۱۱۴۸) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس

نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے ذمے ایک مہینے کے روزے ہیں، کیا میں اس کی قضا کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، اللہ کا قرض ادا کرنا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے''۔

☆اسی طرح کوئی دوسرا شخص بھی کسی رشتے دار کی اجازت سے روزہ رکھ سکتا ہے، اگر اجازت کے بغیر روزہ رکھے اور میت کی طرف سے وصیت بھی نہ ہو تو اس کے بدلے روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

☆اگر کوئی بھی روزہ نہ رکھے تو ہر دن کے بدلے ایک مد اناج اس کی وراثت میں سے قرض کی طرح واجبی طور پر نکالا جائے گا، اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کی طرف سے نکالنا جائز ہے، اس صورت میں وہ ذمے سے بری ہو جائے گا۔

امام ترمذی (۷۱۸) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں تو ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلایا جائے''۔

ابو داؤد (۲۴۰۱) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص رمضان میں بیمار ہو جائے پھر مر جائے اور روزے نہ رکھ سکے تو اس کی طرف سے کھلایا جائے''۔

۲۔عاجز بوڑھا اور ایسا مریض جس کی شفایابی کی امید نہ ہو:

اگر بہت ہی بوڑھا شخص روزہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے تو ہر دن کے بدلے ایک مد اپنے شہر میں رائج اناج دے گا، پھر نہ اس کے اور نہ اس کے کسی ولی کے ذمے کچھ باقی رہے گا

امام بخاری (۴۲۳۵) نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پڑھتے ہوئے سنا ''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ'' (بقرہ۱۸۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''یہ منسوخ نہیں ہے، اس سے مراد وہ بوڑھا مرد یا عورت ہے جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں، یہ دونوں ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلائیں گے''۔

یہاں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس مریض کا بھی یہی حکم ہے، جس کی بیماری ختم ہونے کا امکان نہ ہو، ایسا مریض افطار کرے اور ہر دن ایک مد اناج فقیروں کو کھلائے۔

۳) حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت)

اگر حاملہ عورت اور مرضعہ روزہ نہ رکھے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ خود کو نقصان پہنچنے کے اندیشہ سے روزہ چھوڑے یا اپنے بچے کو نقصان ہونے کے اندیشہ سے۔

اگر روزہ رکھنے سے خود کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو دوسرا رمضان آنے سے پہلے صرف قضا کرنا واجب ہے۔

امام ترمذی (۷۵۱) اور امام ابوداؤد (۲۴۰۸) وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزے اور آدھی نماز معاف کردی ہے، اور حاملہ یا مرضعہ سے روزے کو معاف کردیا ہے''، یعنی نماز کو مسافر کے لیے قصر کیا ہے اور رمضان کے روزے چھوڑنے کی اجازت دی ہے، البتہ روزوں کی قضا ہے۔

بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، مثلاً روزہ رکھنے کی صورت میں حمل ساقط ہونے یا مرضعہ میں دودھ کم ہونے اور حاملہ کا بچہ ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو قضا کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مد اناج صدقہ کرنا واجب ہے۔

امام ابوداؤد (۲۳۱۸) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ'' اور روزہ کی طاقت نہ رکھنے والوں پر ایک مسکین کو کھانا کھلانا فدیہ ہے (بقرہ:۱۸۴) بوڑھے مرد اور عورت کے لیے روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود رخصت تھی کہ وہ روزہ چھوڑ دیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلائیں، اسی طرح حاملہ اور مرضعہ کو اپنی اولاد پر خوف ہو تو وہ روزہ چھوڑ دے اور مسکینوں کو کھلائے''۔

رمضان میں روزے کی حالت میں جماع کا کفارہ

رمضان کے کسی دن جماع کرنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اس شرط کے ساتھ کفارہ دینا ضروری ہے کہ جماع کرنے والے کو یاد ہو کہ وہ روزے سے ہے، اس کی حرمت کو جانتا ہو اور سفر کی وجہ سے اس کو روزہ چھوڑنے کی رخصت نہ ہو۔

اگر بھول کر یا حرمت سے ناواقفیت کی بنا پر جماع کرنے کی وجہ سے رمضان کا روزہ ٹوٹ جائے یا رمضان کے علاوہ کوئی دوسرا روزہ ہو یا جماع کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے یا ایسے سفر میں جماع کرے جس میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہو تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، بلکہ صرف قضا ہے۔

کفارہ کس پر ہے؟

جماع کرنے والے شوہر پر کفارہ واجب ہے، عورت پر کفارہ واجب نہیں ہے، چاہے وہ روزہ سے ہو، کیوں کہ وطی کرنے والے کا گناہ بڑا ہے، اسی وجہ سے اسی کو کفارہ کا مکلّف بنایا گیا ہے۔

کفارہ کیا ہے؟

جماع کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرے، اگر غلام یا باندی نہ ملے یا اتنی طاقت نہ ہو تو مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک مد اناج دے، اگر ان میں سے کسی کی بھی طاقت نہ ہو تو کفارہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے، جب قدرت حاصل ہوگی تو کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل امام بخاری (۱۸۳۴) اور امام مسلم (۱۱۱۱) وغیرہ کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہوگیا، آپ نے دریافت کیا: ''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا ہے، دوسری روایت میں رمضان کے روزے کا تذکرہ ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کوئی باندی ہے جس کو تم آزاد کردو؟'' اس نے جواب دیا: نہیں، آپ نے پھر دریافت کیا: ''کیا تم دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھلا سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر رکے، اسی دوران حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک برتن میں کھجوریں آئیں، آپ نے پوچھا: ''سائل کہاں ہے؟'' اس شخص نے کہا: میں یہاں ہوں، آپ نے فرمایا: ''یہ لو اور صدقہ کرو''، اس آدمی نے کہا: کیا مجھ سے زیادہ فقیر شخص پر میں صدقہ کروں، اللہ کے رسول؟ اللہ کی قسم! ان دو حروں (پہاڑوں) کے درمیان یعنی مدینہ میں کوئی بھی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو میرے گھرانہ سے زیادہ نادار ہو، نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دانت نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: ''جاؤ، اپنے گھر والوں کو کھلاؤ''۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: کسی فقیر کے لیے کھلانے کی طاقت حاصل ہونے کے بعد کفارہ اپنے گھر والوں کو کھلانا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کے علاوہ دوسرے کفاروں کو بھی اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا صحیح نہیں ہے، حدیث میں جس کا تذکرہ آیا ہے، وہ اس آدمی کے ساتھ خاص ہے، یہ عمومی حکم نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ جماع کرنے والے پر کفارہ کے ساتھ روزے کی قضا بھی واجب ہے، جتنی مرتبہ جماع کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اتنی ہی مرتبہ کفارہ واجب ہوتا ہے، اگر رمضان کے دو دنوں میں جماع کرے تو قضا کے ساتھ دو کفارے دینا ضروری ہے، اگر تین دنوں میں جماع کرے تو تین کفارے دینا ضروری ہے۔

نفل روزے

نفل کا مطلب ہے: فرض کے علاوہ دوسری عبادتوں سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔

روزے کا شمار افضل ترین عبادتوں میں ہوتا ہے، امام بخاری (۲۶۸۵) اور امام مسلم (۱۱۵۳) نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو کوئی اللہ کے خاطر ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے ستر سال دور کردیتا ہے''۔

مسنون روزوں کی حکمت یہ ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت اور اس کا تقرب حاصل کرے، ہر عبادت سے بندہ اپنے پروردگار سے قریب تر ہوتا جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث قدسی میں ہے: ''میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں''، اپنے بندے سے اللہ کی محبت اور اپنے پروردگار سے بندے کی قربت اس کو اللہ کی معصیت سے دور کرتی ہے اور طاعت سے قریب کرتی ہے، جس کے نتیجے میں بندہ بھلائی اور خیر کے کاموں کی طرف لپکتا ہے، جس سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کی زندگی صالح بن جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل روزے مسنون ہیں:

۱۔ **یوم عرفہ کا روزہ**: یہ نویں ذی الحجہ کا روزہ ہے، البتہ حاجی کے لیے یہ مسنون نہیں ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے دن روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''گذشتہ سال اور موجودہ سال کا کفارہ ہے''۔ (مسلم ۱۱۶۲)

عرفہ کا دن سب سے افضل دن ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب جہنم سے اتنی کثرت سے آزاد

کرتا ہو جتنا عرفہ کے دن کرتا ہے"۔(مسلم ۱۳۴۸)

البتہ حاجی کے لیے عرفہ کے دن روزہ رکھنا مسنون نہیں ہے، بلکہ اس دن نبی کریم ﷺ کی اتباع میں روزہ نہ رکھنا مسنون ہے، تاکہ اس دن دعا کرنے کی طاقت حاصل رہے۔

۲) نویں اور دسویں محرم کے روزے: اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا"۔(بخاری ۱۹۰۰، مسلم ۱۱۳۰)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عاشورہ کے روزے کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے"۔(مسلم ۱۱۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا"۔(مسلم ۱۱۳۴) لیکن آپ ﷺ کا اس سے پہلے انتقال ہوگیا۔

عاشوراء کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنے کی حکمت شروع مہینے میں غلطی کے احتمال کی وجہ سے احتیاط اور یہودیوں کی مخالفت ہے، کیوں کہ یہودی بھی دسویں محرم کا روزہ رکھتے ہیں، اسی وجہ سے دسویں محرم کے ساتھ نویں کا روزہ نہ رکھے تو گیارہویں محرم کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

۳۔ پیر اور جمعرات کا روزہ: اس کی دلیل امام ترمذی (۷۴۵) کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے"، امام ترمذی ہی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزے سے رہوں"۔(۷۴۷)

۴۔ ہر مہینے کے تین روزے: افضل اور بہتر یہ ہے کہ ایام بیض یعنی ہر اسلامی مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں کے روزے رکھے جائیں، ان دنوں کو

ایام بیض (روشن دن) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان دنوں کی راتیں چاند کی روشنی کی وجہ سے روشن رہتی ہیں۔

ان روزوں کے مستحب ہونے کی دلیل امام بخاری (۱۱۲۴) اور امام مسلم (۷۲۱) کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی: "ہر مہینے کے تین روزے رکھنے، چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر نماز پڑھنے کی"۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر مہینے کے تین روزے صوم دھر کے برابر ہیں"۔(امام مسلم ۱۱۶۲) یعنی پوری زندگی روزے رکھنے کے برابر ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو رکھو"۔(ترمذی ۷۶۱، انھوں نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)

امام ابوداود (۲۴۴۹) نے حضرت قتادہ ابن ملحان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ ہم کو ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے: تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے"۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ روزے پوری زندگی روزے رکھنے کی طرح ہیں"۔

لیکن تیرھویں ذی الحجہ کا روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۵۔ شوال کے چھ روزے: افضل اور بہتر یہ ہے کہ عید الفطر کے فوراً بعد چھ روزے مسلسل رکھے جائیں، لیکن یہ شرط نہیں ہے، بلکہ الگ الگ رکھنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام مسلم (۱۱۶۴) نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ

روزے رکھےتو گویا اس نے پوری زندگی روزے رکھے"۔

مسنون روزوں کوتوڑنے کا کیا حکم ہے؟

اگر کوئی مسنون روزے رکھےتو جب چاہےتوڑسکتا ہے اوراس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نفل روزہ رکھنے والا اپنا ذمےدارخود ہے، چاہےتو روزہ رکھے، چاہےتو روزہ توڑدے"۔(حاکم ۱/۴۳۹)

اگرفرض روزے کی قضا کی نیت سے روزہ رکھےتو توڑنا حرام ہے، کیوں کہ فرض شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا واجب ہے۔

مکروہ اورحرام روزے

۱۔ مکروہ روزیے :

انسان اللہ کا بندہ ہے،اللہ کواختیار ہے کہ وہ کسی بھی طریقہ سے اپنی عبادت کرائے، چناں چہ وہ روزے کے ذریعے اپنی عبادت کرواتا ہے،اسی طرح وہ روزہ نہ رکھنے کا حکم دےکراپنی عبادت کرواتا ہے،ابن آدم کے لیے کسی اعتراض اورمخالفت کی گنجائش نہیں ہے،اس کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ کہے:"**سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ** "ہم نے سنااوراطاعت کی،اے ہمارے پروردگار!ہم تیری مغفرت کےطلب گارہیں اورہم کوتجھ ہی کی طرف انجام کارلوٹ کرجانا ہے۔

مکروہ روزےوہ ہیں جن کے نہ رکھنے سےثواب ملتا ہےاوررکھنے سے نہ ثواب ملتا ہےاورنہ سزا،مکروہ روزےمندرجہ ذیل ہیں:

۱۔صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا :اس کی دلیل امام بخاری (۱۸۸۴)اورامام مسلم(۱۱۴۴) کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نےفرمایا:"کوئی جمعہ کا روزہ نہ رکھے،البتہ اس سے پہلے یابعد بھی روزہ رکھےتو کوئی حرج نہیں"۔

۲۔صرف سنیچر کا روزہ رکھنا : اس کی دلیل امام ترمذی(۷۴۴) کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"سنیچر کے دن کا روزہ نہ رکھو،البتہ اللہ کا فرض کیاہواہوتو ٹھیک ہے"،اسی طرح علماء نےلکھا ہے کہ صرف اتوارکا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ یہودی سنیچراورنصاریٰ اتوارکی تعظیم کرتے ہیں۔

سنیچراوراتواردونوں دن روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی ان دونوں دنوں کی ایک ساتھ تعظیم نہیں کرتا۔

امام احمد (۶/۳۲۴) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے دنوں کے

مقابلے میں سنیچر اور اتوار کا روزہ ملا کر رکھتے تھے اور فرماتے تھے: ''یہ دو دن مشرکین کے عید کے دن ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں''۔

۳۔ **صوم دھر**: صوم دہر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلسل کسی دن ناغہ کیے بغیر پوری زندگی روزہ رکھے۔

امام بخاری (۱۸۶۷) نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کی، ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تو حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو پرانے کپڑے پہنے دیکھا، سلمان نے دریافت کیا: تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ انھوں نے کہا: تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں، حضرت سلمان نے کہا: ابوالدرداء! تمہارے رب کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے، چناں چہ ہر حق والے کا حق ادا کرو، ابوالدرداء نے سلمان کی کہی ہوئی باتیں نبی کریم ﷺ سے جا کر بتائی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا''۔

اگر کسی کو صوم دھر سے نقصان نہ ہوتا ہو اور کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو تو مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ روزہ افضل ترین عبادتوں میں سے ہے۔

۲۔ حرام روزے

مندرجہ ذیل روزے حرام ہیں:

۱۔ **عیدالفطر اور عیدالاضحی کے دن**: اس کی دلیل امام مسلم (۱۱۳۸) کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے دو دن کے روزوں سے منع فرمایا: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ''۔

۲۔ **ایام تشریق کے تین دن کے روزے**: عیدالاضحیٰ کے پہلے دن کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، ان دنوں میں روزے رکھنا حرام ہونے کی دلیل امام مسلم (۱۱۴۲) کی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور اوس بن حدثان کو ایام تشریق کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: ''جنت میں مومن

کے سوا کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا اور منیٰ کے ایام کھانے پینے کے ہیں''۔

امام ابوداؤد (۲۴۱۸) نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ ہم کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تھے اور ہم کو روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے''، امام مالک نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایام تشریق ہیں۔

۳۔ **شک کے دن کا روزہ**: یہ شعبان کا تیسواں دن ہے، جب لوگوں کو شک ہو جائے کہ یہ شعبان کا دن ہے یا رمضان کا؟ اور چاند ثابت نہ ہوا ہو، اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ شعبان کا تیسواں دن شمار ہوگا۔

ابوداود (۲۳۳۴) اور ترمذی (۶۸۶) نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم (آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے) کی مخالفت کی''۔ (ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

۴۔ **شعبان کے مہینہ کے نصف ثانی کے روزے** (۱۶ شعبان سے آخری شعبان تک کے روزے) اس کی دلیل امام ابوداود (۲۳۳۷) اور امام ترمذی (۳۸) کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان کا آدھا مہینہ گزر جائے تو روزے نہ رکھو''۔ (ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے)

ابن ماجہ کی روایت ہے: ''جب شعبان کا نصف حصہ گزر جائے تو روزہ نہیں ہے، یہاں تک کہ رمضان آجائے''۔

البتہ شک کے دن اور شعبان کے نصف ثانی کے روزے رکھنا اس وقت حرام نہیں ہے جب ان دنوں کے دوران اس کی عادت یعنی پیر و جمعرات یا مہینے کے تین دنوں وغیرہ کے روزے آئیں یا پندرہ شعبان سے پہلے سے روزے رکھ رہا ہو۔

امام بخاری (۱۸۱۵) اور امام مسلم (۱۰۸۲، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو، اگر کوئی شخص کسی دن روزے رکھنے کا عادی ہو تو رکھے''۔

اعتکاف

اعتکاف کے لغوی معنی کسی چیز کی پابندی اور کسی چیز پر جمے رہنے کے ہے۔
شرعاً مسجد میں مخصوص نیت سے رکنے کو کہتے ہیں۔
اعتکاف کی مشروعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسَاجِدِ ''اور تم ان سے جماع نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کیے ہوئے ہوں۔(بقرہ۱۸۷)
امام بخاری (۱۹۲۲) اور امام مسلم (۱۱۷۲) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: ''نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، پھر آپ کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں''۔
اعتکاف اسلام سے پہلے دوسری شریعتوں میں بھی رائج تھا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ''ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ وہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک وصاف کریں۔(بقرہ۱۲۵)

اعتکاف کی حکمت:

تھوڑے تھوڑے وقفے سے مسلمانوں کو جائز خواہشات کی تکمیل سے اپنے نفس کو روک کر اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کے لیے فارغ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، تا کہ اللہ کی محبت سے نفس تر و تازہ ہو جائے اور حرام کردہ اور نقصان دہ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کی جائے، جب کہ نفس برائی کا حکم کرنے والا اور گناہوں کی طرف لپکنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ''یقینی طور پر نفس برائیوں کا حکم کرنے والا ہے، سوائے وہ نفس جس پر میرے پالنہار نے رحم کیا ہو (یوسف۵۳) دنیا کا نشہ اپنی طرف نفس کے کھنچاؤ اور طلب میں اضافہ کرتا ہے، اس سے روکنے اور دور رکھنے والی چیز اعتکاف ہے، اللہ کی محبت پانے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے رکنے کی خاطر اعتکاف کے ذریعے انسان کی تربیت کی جاتی ہے، اعتکاف کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ دل جمعی اور دل کی صفائی کا ذریعہ بنے، جائز خواہشات سے بھی رک کر زہد اور بے رغبتی کی تربیت حاصل کرے۔

اعتکاف کے احکام

ہر وقت اعتکاف کرنا سنت ہے، رمضان کے مہینے میں زیادہ مستحب ہے اور آخری عشرہ میں سنت مؤکدہ ہے، البتہ اگر کوئی اعتکاف کی نذر مانے تو ضروری ہو جاتا ہے، اس اعتبار سے اعتکاف کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں:
۱۔مستحب اعتکاف: یہ ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔
۲۔سنت مؤکدہ: یہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔
آخری عشرہ میں اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں شب قدر کی تلاش کی جائے، کیوں کہ یہ پورے سال کی سب سے افضل ترین رات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ''شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔یعنی جن ہزار مہینوں میں شب قدر نہ ہو، ان میں عمل کرنے سے اس رات میں عمل کرنا بہتر ہے، جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔
۳۔واجب اعتکاف: نذر ماننے کی صورت میں واجب ہو جاتا ہے۔

اعتکاف صحیح ہونے کی شرطیں

دو شرطوں سے اعتکاف صحیح ہوتا ہے:
۱۔نیت: اعتکاف کے شروع میں نیت کی جائے، عبادت اور سنت کی ادائیگی کے

لیے متعین مدت تک مسجد میں رک کے رہنے کی نیت کرے، اگر کوئی مسجد میں دنیوی مقصد سے داخل ہو جائے یا داخل ہوتے وقت کوئی ارادہ ہی نہ ہو تو اس کا مسجد میں ٹھہرنا شرعی اعتکاف نہیں ہے۔

۲۔ مسجد میں رُکنا: اتنی مدت تک مسجد میں رکنا جس کو عرف میں اعتکاف کہا جائے، اس کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں: جنابت سے پاک ہو، حیض ونفاس سے پاک ہو، کپڑے اور بدن پر ایسی کوئی نجاست نہ ہو جس سے مسجد گندی ہونے کا خطرہ ہو۔

کسی عذر کے بغیر مسجد سے نکل جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہوگا، اگر عذر کی بنا پر نکلے اور واپس آ جائے تو باطل نہیں ہوگا اور وہ مسلسل اعتکاف کرنے والے کے حکم میں ہوگا۔

سنت اعتکاف کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں ہے، البتہ مسنون ہے، اس کی دلیل امام حاکم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اعتکاف کرنے والوں کے لیے روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، مگر یہ کہ کوئی اپنے اوپر لازم کرے''۔(۴۳۹/۱)

نذر مانا ہوا اعتکاف

یہ اعتکاف کی تیسری قسم یعنی واجب ہے۔

اگر کوئی استثنا کی نیت کیے بغیر متعین مدت کے اعتکاف کی نذر مانے تو اس کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے، البتہ عذر ہو تو جائز ہے، مثلاً قضائے حاجت (پیشاب وپاخانہ) اور وضو وغیرہ کے لیے، اگر کسی ضرورت کی وجہ سے نکلے تو حرام نہیں ہے اور اس کے اعتکاف کا تسلسل بھی منقطع نہیں ہوگا۔

کسی عذر کے بغیر نکلنا (مثلاً صرف تفریح یا کسی غیر ضروری کام کے لیے) حرام ہے اور اس سے اس کے اعتکاف کا تسلسل بھی ختم ہو جاتا ہے اور نئے سرے سے اعتکاف کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔

کوئی اعتکاف کی نذر مانے اور وہ روزے سے ہو تو اس کے لیے روزہ پورا کرنا

ضروری ہے، کیوں کہ یہی افضل ہے، اگر اعتکاف کے ساتھ روزے کی بھی نذر مانے تو روزے رکھنا بھی ضروری ہے۔

نذر ماننے والا اپنے اعتکاف کے لیے کسی مسجد کی تعیین کرے تو اس مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی مسجد میں کرسکتا ہے، چاہے نذر مانی ہوئی مسجد دوسری مسجد سے اولیٰ اور بہتر ہو، البتہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی تعیین کرے تو ان مسجدوں میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، ان مسجدوں کی فضیلت اور ان میں عبادت کے اجر وثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ حکم ہے، لیکن مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو مسجد حرام میں اعتکاف کرسکتا ہے، اس کے برعکس صحیح نہیں ہے، یعنی مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح مسجد اقصیٰ کی تعیین کرے تو مسجد نبوی میں اعتکاف کرسکتا ہے، اس کے برعکس نہیں کرسکتا۔

اعتکاف کے آداب

۱) معتکف کے لیے مستحب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت مثلاً ذکر واذکار، تلاوت قرآن اور علمی مذاکروں میں مشغول رہے، کیوں کہ اعتکاف کا مقصد حاصل کرنے کا یہی مناسب اور بہتر طریقہ ہے۔

۲) روزہ رکھنا: روزہ رکھ کر اعتکاف کرنا افضل ہے اور اس سے نفس کی خواہشات کو توڑنے، دل جمعی اور نفس کی پاکی وصفائی کی زیادہ طاقت ملتی ہے۔

۳) جامع مسجد میں اعتکاف کرنا۔

۴) صرف بھلی باتیں ہی کی جائیں، گالی نہ دے، کسی کی غیبت نہ کرے، چغلی نہ کھائے یا کوئی بیکار بات نہ کرے۔

اعتکاف کے مکروہات

ا۔سینگی لگوانا اور آپریشن کرنا جب کہ مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ نہ ہو،اگر ملوث ہونے کا خطرہ ہوتو حرام ہے۔

۲۔لمبے وقت تک سوت کاتنا یا کپڑے سلنا وغیرہ اور مطلقاً خرید وفروخت کرنا چاہے کم ہی کیوں نہ ہو۔

اعتکاف باطل کرنے والی چیزیں

ا۔عمداً جماع کرنا،چاہے انزال نہ ہو،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ''اپنی بیویوں کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرنے کی حالت میں جماع نہ کرو (بقرہ ۱۸۷) اگر جماع نہ کرے،صرف بوسہ دے اور چھوئے تو اعتکاف باطل نہیں ہوتا،البتہ انزال ہوجائے تو باطل ہوجاتا ہے۔

۲۔کسی ضرورت کے بغیر عمداً مسجد سے نکلنا۔

۳۔مرتد ہونا،شراب پینا یا نشلی چیز کا استعمال کرنا یا جنون لاحق ہونا۔

۴۔حیض یا نفاس کا آنا کیوں کہ ان صورتوں میں مسجد میں رکنا جائز نہیں ہے۔

اعتکاف کرنے والا اپنے مستحب اعتکاف کو منقطع کرکے مسجد سے جب چاہے نکل سکتا ہے،اگر نکل کر واپس آئے تو دوبارہ نیت کرکے اعتکاف کرے۔

حج اور عمرہ کے احکام

تعریف اور مشروعیت:

حج کا مطلب :حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہے،خلیل نحوی کہتے ہیں:جس چیز کی تعظیم کی جاتی ہے اس کی طرف کثرت سے قصد کرنا،شریعت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص عبادت کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ شریف کا قصد کرنے کو حج کہتے ہیں۔

عمرہ کا مطلب :لغوی معنی زیارت کے ہے،کہا جاتا ہے: اعتمر فلانا یعنی اس نے فلاں کی زیارت کی،یہ بھی قول ہے کہ کسی آباد جگہ کا قصد کرنا،شریعت میں حج کے اوقات کے علاوہ مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص عبادت کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ شریف کا قصد کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔

حج اور عمرہ کے درمیان فرق : حج زمانے اور بعض احکام کے لحاظ سے عمرہ سے مختلف ہے،حج کے مخصوص اور متعین مہینے ہیں،ان مہینوں کے علاوہ میں حج صحیح نہیں ہوتا اور حج صحیح ہونے کے لیے ان ہی مہینوں میں نیت کرنا ضروری ہے،یعنی شوال، ذیلقعدہ،اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن،اور عمرہ پورے سال میں جب چاہے کیا جاسکتا ہے،البتہ حج کے دنوں میں حج کی نیت کرنے والا نہیں کرسکتا۔

احکام کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ حج میں عرفات کے میدان میں ٹھہرنا،مزدلفہ اور منیٰ میں رات گزارنا اور منیٰ میں رمی جمار کرنا ضروری ہے اور عمرہ میں ان میں سے کوئی بھی چیز مشروع نہیں ہے،بلکہ اس میں صرف نیت کرنا،طواف کرنا،سعی کرنا اور سر منڈھانا یا بال کاٹنا ہے،دوسری حیثیت سے فرق یہ ہے کہ حج کے فرض ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، البتہ عمرہ کے فرض ہونے میں اختلاف ہے۔

حج اور عمرہ کی ابتدا کب ہوئی؟ سب سے راجح قول یہ ہے کہ حج اور عمرہ ۹ رہجری کو فرض ہوئے، اس کی دلیل امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہے کہ وفد بنی قیس ۹ رہجری کے اوائل میں مدینہ آیا اور انھوں نے ضروری احکام کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم کو اللہ پر ایمان لانے، نماز قائم کرنے، زکوۃ دینے، رمضان کے روزے رکھنے اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینے کا حکم دیتا ہوں''، اگر اس سے پہلے حج فرض ہوتا تو آپ ﷺ جملہ واجبات اور فرائض میں اس کو بھی شامل فرماتے۔

(۱) حج کا حکم اور دلائل

حج فرض ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، یہ اسلام کا ایک رکن ہے، اس میں کسی بھی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے، اس کے دلائل قرآن اور حدیث میں کثرت سے ہیں اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَکاً وَّهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ، فِیْهِ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ آمِنًا، وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ'' بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، وہ بڑا بابرکت اور پوری دنیا کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو کوئی اس میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، اور اللہ کے خاطر لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، جو وہاں تک جا سکتے ہوں اور جو کوئی کفر وعناد کرے تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (آل عمران ۹۶/۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا'' (بخاری ومسلم)

علماء کا اس کے فرض ہونے پر اجماع ہے، کوئی بھی عالم اس کی فرضیت کا منکر نہیں

ہے، اسی وجہ سے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے، کیوں کہ حج کا انکار قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت شدہ فریضے کا انکار ہے۔

(۲) عمرہ کا حکم اور دلائل:

امام شافعی کے راجح قول کے مطابق حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے، انھوں نے قرآن اور حدیث سے اس کے دلائل پیش کیے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' اللہ کے لیے حج اور عمرہ ادا کرو۔ (بقرہ ۱۹۶)

امام ابن ماجہ، امام مسلم اور امام بیہقی وغیرہ نے صحیح سندوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں! جہاد فرض ہے، لیکن اس میں جنگ وجدال نہیں ہے، بلکہ ان کا جہاد حج اور عمرہ ہے''۔

نوٹ:

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج اور عمرہ استطاعت رکھنے والے پر پوری زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، البتہ اگر کوئی نذر مانے تو نذر پورا کرنا فرض ہے۔

اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم میں تقریر کی اور فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، چناں چہ تم حج کرو'' ایک شخص نے دریافت کیا: کیا ہر سال، اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ خاموش رہے، تین مرتبہ اس شخص نے دریافت کیا، پھر آپ نے فرمایا: ''جس پر میں تم کو چھوڑوں اس پر تم مجھ کو چھوڑ دو، اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال واجب ہوتا اور تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تم سے پہلے والوں کو سوالات کی کثرت اور اپنے نبیوں سے اختلاف نے ہلاک کر ڈالا، اگر میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جتنی تم میں طاقت ہے اس کو بجا لاؤ، اگر میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے بچو'' (مسلم ونسائی)

حضرت جابر بن سراقہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عمرہ کے بارے میں دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا اس سال کے لیے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ ﷺ نے

ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالی اور فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہے، یہ بات آپ نے دو مرتبہ کہی، پھر فرمایا: ''بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے''۔ (۱۲۱۸)

حج اور عمرہ فرض ہونے کے بعد ان کی ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز ہے یا نہیں:

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ حج اور عمرہ فوراً واجب نہیں ہے، بلکہ اس کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے، کیوں کہ اس کا وقت پوری زندگی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مستقبل میں ادا کرنے کا پختہ ارادہ ہو، البتہ واجب ہونے کے فوراً بعد ادا کرنا سنت ہے، تاکہ ذمے داری ادا ہو جائے اور پروردگار کی اطاعت میں جلدی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ، اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**'' نیک کاموں میں جلدی کرو، اللہ کی طرف ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اس وقت وہ تم کو بتادے گا جس بارے میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ (سورہ مائدہ ۴۸)

حضور اکرم ﷺ نے کتنے حج اور کتنے عمرے کیے؟

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: نبی کریم ﷺ نے کتنے حج کیے؟ انھوں نے فرمایا: ایک حج اور چار عمرے کیے: ذیقعدہ میں ایک عمرہ، صلح حدیبیہ کا ایک عمرہ، حج کے ساتھ ایک عمرہ اور جعرانہ کا ایک عمرہ، جس وقت آپ نے غزوہ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ (بخاری اور مسلم نے یہ روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے) امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے: ''ایک عمرہ حدیبیہ کے سال ذیقعدہ ۶ ہجری کو کیا، اس وقت آپ کو اور مسلمانوں کو روکا گیا تو انھوں نے احرام کھولا اور ان کا یہ عمرہ شمار ہوا، دوسرا ذیقعدہ ۷ ہجری کو عمرۃ القضا کا ہے، تیسرا ذیقعدہ ۸ ہجری کو فتح مکہ کے سال اور چوتھا حج کے ساتھ''۔

حج اور عمرہ کی حکمتیں اور فائدے

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بہت سی چیزیں مشروع کی ہیں، اسی طرح ان

کی دنیوی اور اخروی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تفصیل کے ساتھ احکام بیان کیے ہیں، قرآن کریم نے حج کے تذکرہ کے وقت اس میں موجود فائدوں اور مصلحتوں کو بھی بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ، فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ**'' تاکہ وہ اپنے لیے فائدے حاصل کریں اور مخصوص دنوں میں اللہ کی طرف سے عطا کردہ جانوروں پر سوار ہو کر اللہ کا ذکر کریں، چناں چہ ان جانوروں میں سے کھاؤ اور بیچارے فقیر کو کھلاؤ۔ (حج ۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''منافع سے مراد دنیا اور آخرت کے فائدے ہیں''، آخرت کے فائدوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی بھی ہے، دنیوی فوائد: قربانی کے جانوروں سے حاصل ہونے والے فائدے، قربانی کے بعد گوشت سے حاصل ہونے والے فائدے اور تجارتی فائدے ہیں، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کا اجتماع: اس دین کی بنیاد مسلمانوں کے اجتماع اور آپسی اخوت ومحبت پر ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادتوں کو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے درمیان ملاقات کا ذریعہ بنایا ہے، ان کے لیے ہر دن شہر کے ہر محلے کی سطح پر پانچ مرتبہ ملاقات کا موقع فراہم کیا ہے اور اس کے انتظام کے لیے جماعت کے ساتھ نماز مشروع کی ہے۔

ہر ہفتہ ایک مرتبہ شہر کی سطح پر ملاقات کا موقع فراہم کیا ہے اور اس کے انتظام کے لیے جمعہ کی نماز مشروع کی ہے، ہر سال میں ایک مرتبہ تمام اسلامی علاقوں کی سطح پر ملاقات کا موقع فراہم کیا ہے اور اس کے نظم کے لیے اپنے گھر کا حج مشروع کیا ہے۔

۲۔ اسلامی اخوت کی حقیقت کو زندہ کرنا اور محسوس شکل میں اس کو ظاہر کرنا کہ زبانوں کے اختلاف اور ملکوں کی دوری کی رکاوٹیں اس پر کچھ اثر نہ ڈال سکیں، اس کو زندہ کرنے کا بہترین ذریعہ بیت اللہ میں مسلمانوں کا اجتماع ہے، اس وقت تمام مسلمان ایک ہی سمت متوجہ ہو کر ایک ہی پروردگار کے حضور ایک ہی دعا کرتے ہیں۔

۳۔تمام مسلمانوں کوان کے علاقوں کی دوری کے باوجود مکہ مکرمہ کے محور سے مربوط کرنا،تاکہ مکہ ان کی وحدت کا نشان بن جائے، یہ دنیا میں اسلام کو روشن کرنے والی جگہ ہے اور وہیں سے دنیا کے کونے کونے میں توحید کا نور پھیلا۔

۴۔یہ مسلمانوں کے درمیان مساوات کا ایک مظہر ہے، یہاں آنے کے بعد لوگوں کے درمیان امتیاز اور فرق کرنے اوران کولباس اور رہائش میں ایک دوسرے پر فخر کرنے والی تمام چیزیں ختم ہوجاتی ہیں،عرفات اور منیٰ میں، رمی جماراورطواف کے وقت مال دار نظر نہیں آتا اور فقیر پہچانا نہیں جاتا، آقا اور غلام، خادم اور ساہوکار سب یکساں ہوجاتے ہیں، سب ایک ہی روحانی جذبے سے معمور رہتے ہیں،وہ اللہ سے قریب ہونے اوراس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔

یہ عجیب وغریب منظر ہے،جس سے اس وقت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جب لوگ اپنی ماؤں کے پیٹ سے یکساں حالت میں نکلتے ہیں،اس وقت کسی کو کسی پر امتیاز نہیں رہتا،اسی طرح آخرت کے دن کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جب بندے پروردگار کے سامنے ننگے پاؤں اور ننگے سر کھڑے ہوں گے،اس وقت کوئی حسب اورنسب نہیں ہوگا۔

۵۔حج مسلمانوں کے لیے اپنے آباء واجداداوراسلاف انبیا ومرسلین کے حالات کی یادتازہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، حج کا ہر موقف کسی نہ کسی واقعہ سے مربوط ہے، جس سے حاجیوں میں پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں، بیت اللہ کے پاس مومن کے دل میں حضرت ابراہیم اورحضرت اسماعیل کا تصورابھرتا ہے، انھوں نے بیت اللہ کو تعمیر کیا اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مختلف تصویریں ابھرتی ہیں: آپ ﷺ حجراسود کو بوسہ دے رہے ہیں،بتوں کو نیزہ سے ہٹارہے ہیں تاکہ وہ ذلیل ورسوا ہوکراپنے سروں کے بل گریں،صفا اورمروہ کے پاس ایک مسلمان کوحضرت ہاجرہ کی یادآتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کے لیے پانی کی تلاش میں ادھرسے ادھردوڑرہی ہے،منیٰ میں رمی جمرات کے وقت حضرت ابراہیم کی مختلف سرگرمیاں سامنے آتی ہیں، وہ شیطان کی مخالفت کررہے ہیں، اس کو کنکریوں سے ماررہے ہیں اوراپنے رب کا حکم بجالارہے ہیں اورخواب میں اللہ کی طرف

سے کی گئی وحی کی بناء پراپنے بیٹے کوذبح کرنے کا حکم پورا کررہے ہیں،عرفات کے میدان میں مومن کے دل میں اللہ کی رحمت کے متوجہ ہونے کا احساس ہوتا ہے اورمغفرت کی امید بندھ جاتی ہے،اس وقت نگاہوں سے وہ عجیب وغریب موقف اوجھل نہیں رہتا جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی اونٹنی پر کھڑے ہوکرمسلمانوں کووعظ ونصیحت کررہے تھے اورزندگی کے حیرت انگیز مبادی واصول، عادلانہ مساوات اورسچی اخوت کا درس دے رہے تھے اوران کو جاہلیت کی برائیوں کی طرف لوٹنے سے ڈرارہے تھے: ''اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے،تم سب آدم کی اولاد ہواورآدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں،کسی عربی کوعجمی پر کوئی فضیلت نہیں،البتہ تقوی کی بنیادپرفضیلت ہے،سن لو!میرے بعدتم کافر نہ بن جاؤ کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو''۔

۶)اس مبارک موسم میں اس علاقے کے فقیر اتنا رزق حاصل کرتے ہیں کہ وہ پورا سال بے نیاز ہوجاتے ہیں ،یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی تکمیل اور برکت ہے: ''رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ''اے ہمارے پروردگار!میں نے اپنی ذریت کوتیرے مقدس گھر کے قریب ایسی وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے،اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں،پس تو لوگوں کے دلوں کوایسا بنا کہ وہ ان کے پاس آنے کی خواہش کریں اوران کو پھل کھلا،شاید کہ وہ تیرا شکر بجالائیں''۔

۷۔حج سے اس انداز میں تربیت ہوتی ہے کہ وہ خشونت اورسختی برداشت کرنے، صبر کرنے اورتکلیفات کوبرداشت کرنے کا عادی ہوجاتا ہے۔

اخلاقی تربیت اس انداز میں ہوتی ہے کہ اس میں تواضع،ایک دوسرے کو معاف کرنے اورحسنِ معاشرت کی صفات پیدا ہوتی ہیں،نفس کی تربیت ہوتی ہے، وہ خرچ کرنے،قربانی دینے،صدقہ اوراحسان کرنے کا عادی ہوجاتا ہے،ضمیر کی تربیت ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ پاک وصاف ہوجاتا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ

مَّعْلُوْمَاتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ، وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، وَاتَّقُوْنِ يَا اُوْلِي الْاَلْبَابِ "حج کے چند مخصوص مہینے ہیں، جو کوئی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے تو وہ حج میں فحش بات نہ کرے اور گناہ کا کام نہ کرے اور جھگڑا نہ کرے، اور جو کچھ تم اچھا کام کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے، اور تم توشہ اپنے ساتھ لو، البتہ سب سے بہتر توشہ تقویٰ اور اللہ کی خشیت ہے، اور مجھ سے ڈرو اے عقل مندو! (بقرہ ۱۹۷)

کن پر حج اور عمرہ فرض ہے؟

مندرجہ ذیل شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں حج اور عمرہ فرض ہو جاتا ہے:

۱) مسلمان ہو: غیر مسلم پر اس اعتبار سے فرض نہیں ہے کہ دنیا میں اس سے حج کا مطالبہ نہیں کیا جائے، کیوں کہ حج اور عمرہ ان عبادتوں میں سے ہیں جن کا غیر مسلموں سے مطالبہ نہیں کیا جاتا اور غیر مسلموں کی طرف سے صحیح بھی نہیں ہوتا، کیوں کہ عبادت کے صحیح ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

۲) عقل مند ہو: مجنون پر حج اور عمرہ فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ حرام اور غیر حرام وغیرہ میں تمیز نہیں کرسکتا، شرعی طور پر آدمی مکلّف اسی وقت ہوتا ہے جب عاقل ہو۔

۳) بالغ ہو: نابالغ پر حج اور عمرہ فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ مکلّف ہی نہیں ہے، جب کہ شریعت میں مکلّف بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "تین لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا: بچے سے بالغ ہونے تک، سوئے ہوئے شخص سے جاگنے تک اور مجنون سے اچھا ہونے تک" (ابن حبان وحاکم: اس حدیث کو دونوں نے صحیح قرار دیا ہے)

۴) آزاد ہو: غلام پر حج اور عمرہ فرض نہیں ہے، کیوں کہ وہ مال کا مالک نہیں ہے بلکہ وہ اور اس کا مال سب کچھ اس کے آقا کی ملکیت ہے۔

۵) راستہ پُرامن ہو: اگر کسی کو اپنی جان یا مال پر دشمن کا خوف ہو یا جنگ وغیرہ کی وجہ سے راستہ پرخطر ہو تو حج اور عمرہ واجب نہیں ہے، کیوں کہ نقصان کا اندیشہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (بقرہ ۱۹۵) اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

۶) استطاعت ہو: اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" اور اللہ کے خاطر لوگوں پر بیت اللہ کا حج

فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ (آل عمران ۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! کس چیز سے حج فرض ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''توشہ اور سواری سے'' (امام ترمذی نے یہ روایت کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے) حدیث میں مذکور توشہ اور سواری آیت میں مذکور استطاعت کی تفسیر ہے۔

استطاعت سے کیا مراد ہے؟

استطاعت یہ ہے کہ انسان اتنے مال کا مالک ہو جائے جو حج اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ضروری ہے: سواری کا کرایہ اور آنے جانے کا خرچ، اس کے علاوہ آج کے زمانہ میں حکومتوں سے مقرر کردہ دوسرے اخراجات بھی، مثلاً پاسپورٹ اور معلم کی اجرت، یہ بھی ضروری ہے کہ یہ مال اس کے اخراجات اور حج وعمرہ کی مکمل مدت تک کے لیے اہل وعیال کے اخراجات سے زائد ہو۔

استطاعت کی قسمیں:

استطاعت کی دو قسمیں ہیں: بلا واسطہ استطاعت اور بالواسطہ استطاعت

(۱) بلا واسطہ استطاعت یہ ہے کہ انسان خود سے حج اور عمرہ کر سکتا ہو یعنی انسان کا جسم صحیح سالم ہو، جس کی وجہ سے وہ بڑے نقصان یا ناقابل برداشت مشقت کے بغیر سفر اور مناسک حج ادا کر سکتا ہو۔

(۲) بالواسطہ استطاعت یہ ہے کہ مکلّف کے پاس اتنا مال ہو جس سے وہ اپنی زندگی یا موت کے بعد دوسرے کو حج ادا کرنے کا نائب بنا سکتا ہو، جب کہ وہ بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے خود سے حج نہ کر سکتا ہو۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے دریافت کیا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ حج ادا کرنے سے پہلے مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو، اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہیں کرتی؟''، اس نے کہا: میں ادا کرتی، آپ نے فرمایا: ''اللہ کا قرض ادا کرو، کیوں کہ اللہ کا قرض ادا کرنا زیادہ حق رکھتا ہے''، نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے حج نہیں کیا ہے، کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو کیا تم قرض ادا نہیں کرتے؟''، اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا حق اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو پورا کیا جائے''۔

صحیحین میں روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، میرے والد بہت بوڑھے ہیں سواری پر بیٹھ نہیں سکتے، کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں''۔

نوٹ: اگر کسی کے پاس تجارت کا راس المال ہو تو حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے اس کا استعمال کرنا ضروری ہے، اگر کسی کے پاس زمین ہو جس سے وہ اپنا نفقہ حاصل کر سکتا ہو تو حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے اس کو بیچنا ضروری ہے، جس طرح کسی پر قرض ہو تو اپنے مال تجارت سے قرض ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح حج اور عمرہ کرنا بھی ضروری ہے، صحیح قول یہی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو بیچنا ضروری نہیں ہے۔

۲) اپنے رہنے والے گھر اور اپنی ضرورتوں کے استعمال میں آنے والے ساز وسامان کو حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے بیچنا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ ان کا شمار ضروریات میں ہوتا ہے، اس سے بے نیازی ممکن نہیں، اسی وجہ سے اس کو بیچنے کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔

۳) مکہ سے دو مرحلے سے کم کی مسافت پر رہتا ہو اور اس کو چلنے کی طاقت ہو تو سواری کی قیمت نہ ہونے کی صورت میں پیدل حج کرنا فرض ہے، دو مرحلے سے مراد ایک دن اور ایک رات کا پیدل سفر ہے۔

۴) اگر کسی کے پاس صرف حج کے اخراجات ہوں اور اسی مال سے وہ شادی کرنا چاہے تو دو صورتیں ہوں گی:

(الف) اس کو نکاح کی ضرورت ہو، البتہ وہ اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے اور افضل یہ ہے کہ شادی پر حج کو مقدم کرے۔

(ب) حرام کاری میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو بھی حج فرض ہوتا ہے، لیکن حج سے پہلے شادی کرنا افضل ہے، اصول یہ ہے کہ نکاح کی ضرورت حج کے واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے۔

۵) مذکورہ شرطوں کے علاوہ عورت کے لیے مزید دو شرطیں ہیں:

(الف) عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہو۔

(ب) یا اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت اس وقت تک دو دن کا سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم نہ ہو''، دوسری روایت میں ہے: ''عورت محرم ہو تو ہی سفر کرے''

(ج) یا اس عورت کے ساتھ ثقہ عورتیں ہوں جو عفت و پاک دامنی اور دین داری میں مشہور ہوں، کم از کم دو عورتیں ہوں اور وہ تیسری ہو، اس صورت میں محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا شرط نہیں ہے، کیوں کہ ثقہ عورتوں کے ساتھ رہنے سے اس بات کا اطمینان رہتا ہے کہ ان میں سے کوئی فتنہ میں مبتلا نہیں ہوگی، اگر عورت کو کوئی محرم نہ ملے جو اپنے مال سے اس کے ساتھ حج اور عمرہ کرے تو محرم کی اجرت دینا بھی اس پر واجب ہے، جب کہ وہ اجرت دے سکتی ہو، یہ شرط حج فرض ہونے کے لیے ہے، البتہ حج کے لیے نکلنا جائز ہونے کے لیے ایک عورت کا ساتھ رہنا کافی ہے، اگر راستہ پُرامن ہو تو تنہا نکلنا بھی جائز ہے، یہ حکم صرف فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے ہے، البتہ فرض حج کے علاوہ دوسرے تمام اسفار میں کسی محرم یا شوہر کا ساتھ رہنا ضروری ہے، فریضۂ حج کے لیے عورت کا تنہا نکلنا جائز ہونے کی دلیل امام بخاری کی روایت ہے، عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تمہاری زندگی لمبی ہوگی تو تم تنہا سفر کرنے والی عورت کو حیرہ سے نکل کر کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھوگے، اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا''۔

(۲) طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے حج کے ایام میں عدت نہ گزار رہی ہو، اس

کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ، وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ'' (طلاق ۱) اور اللہ سے خوف کرو، ان کو گھروں سے نہ نکالو اور ان کو اس وقت تک نہ نکالو جب تک وہ واضح اور کھلا ہوا فحش کام نہ کریں۔

(۶) عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے، اگر شوہر حج سے روکے تو اس کو سفر کرنا جائز نہیں ہے، شوہر کے منع کرنے کی صورت میں قدرت رہنے کے باوجود حج کرنے سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کی وراثت سے حج ادا کیا جائے گا، اس صورت میں وہ گنہ گار نہیں ہوگی۔

حج کب ادا ہوتا ہے؟

سابقہ تمام شرطیں حج کے واجب ہونے کے لیے ہیں، اگر اس میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو آدمی پر حج فرض نہیں ہوتا۔

البتہ ان شرطوں کا حج کے صحیح ہونے اور نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار حج واجب ہونے کی شرطیں نہ پائے جانے کی صورت میں بھی حج صحیح ہوتا ہے اور کبھی کبھار ان شرطوں کے پائے جانے کے باوجود حج صحیح نہیں ہوتا۔

حج صحیح ہونے کی شرطیں

۱) مسلمان ہو: کوئی مسلمان نہ ہو تو اس کا حج صحیح نہیں ہوتا، مثلاً اگر کوئی حج کرنے کے بعد مسلمان ہو جائے اور حج کے واجب ہونے کے تمام شرائط پائے جائیں تو سابقہ حج اس کی فرضیت کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ حج کرنا واجب ہے۔

۲) ممیز ہو: بچہ ممیز نہ ہو تو اس کا خود سے کیا ہوا حج صحیح نہیں ہوگا، تمیز یہ ہے کہ بچے کی عمر اتنی ہو جائے کہ اس میں فہم و سمجھ کی صفات پائی جائیں اور وہ خود سے طہارت و پاکی حاصل کر سکتا ہو، البتہ مختلف بچوں میں یہ صلاحیت مختلف رہتی ہے۔

۳) ایام حج میں احرام کی نیت کرے: ایام حج شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں، حج اس وقت صحیح ہوگا جب احرام کی ابتدا ان ہی دنوں میں ہو، ان ایام کے

علاوہ دوسرے دنوں میں حج کی نیت کرے تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا اور صحیح قول کے مطابق اس کی یہ عبادت عمرہ ہوگی۔

۴) تمام ارکان کی تکمیل ہو، اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

یہ حج صحیح ہونے کی شرطیں ہیں، اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو حج صحیح ہوگا، یہ بات واضح ہے کہ اگر ممیّز بچہ خود سے حج ادا کرے تو اس کا حج صحیح ہوگا، اگر چہ وہ حج کرنے کا مکلّف نہیں ہے، بلکہ غیر ممیّز بچہ کا بھی حج اس وقت صحیح ہوگا جب اس کا ولی اس کی طرف سے احرام باندھے اور طواف، سعی، رمیِ جمار اور وقوفِ عرفہ تمام فرائض انجام دے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ روحاء کے مقام پر نبی کریم ﷺ کی ایک قافلے سے ملاقات ہوئی، آپ نے دریافت فرمایا: ''کون ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ہم مسلمان ہیں، پھر انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا رسول''، اس وقت ایک عورت نے اپنا بچہ اٹھا کر پوچھا: کیا اس پر حج ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں اور اجر تمہارے لیے ہے''۔

احرام

احرام سے حج کے اعمال کی ابتدا ہوتی ہے اور حاجی حج کی عبادتوں: مختلف واجبات اور ارکان میں داخل ہوتا ہے، احرام کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مواقیت (۲) احرام کا طریقہ (۳) اور احرام کے ممنوعات۔

۱۔ مواقیت:

یہ میقات کی جمع ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: میقاتِ زمانی اور میقاتِ مکانی۔

میقات زمانی سے مراد وہ ایام ہیں جن میں حج کی نیت کرنے سے ہی حج صحیح ہوتا ہے۔

میقات مکانی سے مراد وہ مکانی حدود ہیں جہاں سے حج کا ارادہ رکھنے والے شخص کو احرام کی نیت کر کے ہی آگے بڑھنا واجب ہے:

(الف) میقات زمانی: اس سے مراد شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں، ان دنوں میں جب چاہے حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے، یعنی اگر کوئی اس سے پہلے حج کی نیت کرے تو نہ اس کی نیت صحیح ہوگی اور نہ اس کا احرام، اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ'' (حج کے چند مخصوص مہینے ہیں) کا یہی مطلب ہے۔

(ب) میقات مکانی: اس سے مراد حرم مکی کو مختلف سمتوں سے گھیرے ہوئے مشہور حدود ہیں، رسول اللہ ﷺ نے دور دراز علاقوں سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات متعین کی ہے کہ لوگ جب اس جگہ پہنچے اور حالت احرام میں نہ ہوں تو یہاں سے احرام باندھیں اور اس کی تمام شرطوں اور واجبات کی پابندی کریں، ان حدود کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ذوالحلیفۃ: مدینہ منورہ سے آنے والوں کی میقات ہے، اب اس کا نام ''بابیار

علیؓ" ہے اور مدینہ والوں کے لیے سنت یہ ہے کہ اس مسجد سے احرام باندھیں جہاں سے حضور ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

(۲) جحفہ: شام، مصر اور مراکش سے آنے والوں کی میقات ہے، ان علاقوں سے آنے والوں کے لیے واجب ہے کہ وہاں یا دائیں بائیں اس کے برابر پہنچنے پر احرام کی نیت کرے۔

۳) یلملم: یمن کے نچلے علاقے تہامہ سے آنے والوں کی میقات ہے (یہ میقات ہندوستان سے جانے والوں کی بھی ہے)۔

۴) قرن: حجاز اور یمن کے اوپری علاقوں نجد سے آنے والوں کی میقات ہے۔

۵) ذات عرق: مشرق یعنی عراق اور خلیج وغیرہ سے آنے والوں کی میقات ہے، ان لوگوں کو اسی جگہ احرام کی نیت کرنا ضروری ہے، اگر راستے میں یہ علاقہ نہ پڑتا ہو تو اس کے برابر پہنچنے پر احرام کی نیت کرے۔

۶) کسی کا علاقہ مکہ سے قریب اور ان میقاتوں اور مکہ کے درمیان میں ہو تو اس کی میقات اسی کا علاقہ ہے، وہ جہاں سے سفر کرے وہیں سے احرام کی نیت کرے، اس اصول میں مکہ والے بھی شامل ہیں، وہ اپنے گھروں سے مکہ کے اندر ہی احرام کی نیت کرے۔

اس کی دلیل امام بخاری اور امام مسلم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفۃ، شام والوں کے لیے جحفۃ، نجد والوں کے لیے قرن اور یمن والوں کے لیے یلملم میقات مقرر کی اور فرمایا: "یہ ان علاقوں کے لیے میقات ہے، یہاں کے باشندوں کے علاوہ جو کوئی حج یا عمرہ کے ارادے سے یہاں آئے (یعنی مکہ اور ان علاقوں کے درمیان کا ہو) تو جہاں سے سفر شروع کرے وہاں سے احرام باندھے، مکہ والے بھی مکہ سے ہی احرام کی نیت کریں"۔

یہ حج اور عمرہ کرنے والوں کی میقات ہے، اگر وہ حرم کے باہر سے آرہے ہوں، اگر عمرہ کرنے والا حرم کے اندر ہی موجود ہو، چاہے کہیں کا باشندہ ہو یا باہر سے آیا ہو تو احرام باندھنے کے لیے حرم سے نکل کر حل (حدود حرم کے علاوہ دوسری تمام جگہیں) میں جانا

ضروری ہے، چاہے ایک قدم ہی باہر چلا جائے، اگر مکہ ہی سے احرام باندھے تو عمرہ صحیح ہو جائے گا، البتہ دم دینا پڑے گا، جس کی تفصیلات آرہی ہیں۔

حرم سے باہر جانا واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج کی ادائیگی کے بعد حضرت عائشہ کو تنعیم بھیجا، جو حرم کے حدود سے باہر ہے، حضرت عائشہ نے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔

۲۔ احرام باندھنے کا طریقہ:

حج یا عمرہ یا دونوں عبادتوں میں داخل ہونے کی نیت کرنے کا نام احرام ہے، نیت کے ساتھ بہت سے اعمال اور آداب شروع ہو جاتے ہیں، یہاں احرام کے طریقہ کو مختصراً پیش کیا جارہا ہے:

حج یا عمرہ کرنے والے کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(أ) غسل کرے: یہ سنت ہے، اس وقت احرام کے غسل کی نیت کرے، اگر غسل نہ کر سکتا ہو تو تیمم کرے۔

(ب) بدن پر خوشبو لگائے: یہ بھی سنت ہے، احرام اور اعمال حج میں داخل ہونے کے بعد بھی اس کی خوشبو باقی رہے تو کوئی حرج نہیں۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "میں رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھتی جب کہ آپ حالت احرام میں ہوتے"۔

(ج) مرد سلے ہوئے کپڑے اتار دے، یہ واجب ہے، کپڑوں کے بدلے ایک ازار اور چادر پہنے، ان کا سفید ہونا سنت ہے، البتہ عورت کے لیے سلے ہوئے کپڑے اتارنا واجب نہیں ہے، صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھلا رکھنا واجب ہے، امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "عورت نہ چہرہ ڈھاکے اور نہ دستانے پہنے"، اس وقت فرمایا جب صحابہ نے دریافت کیا کہ عورت حج کے احرام کے دوران کون سا لباس پہنے۔ عورت کے لیے سنت ہے کہ اپنی ہتھیلیوں کو مہندی سے رنگے، کیوں کہ ہتھیلیاں

کھلا رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

(د) دو رکعت نماز پڑھے: اس میں احرام کی سنت نماز کی نیت کرے۔

۲۔ جب یہ تمام کام ہو جائیں تو اپنے سفر کا انتظار کرے اور اس وقت حج یا عمرہ کی نیت دل سے کرے، زبان سے نیت کرنا اور ان الفاظ کا ادا کرنا سنت ہے، پھر تلبیہ پڑھے: "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ"۔ میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں اور ملک آپ کے لیے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں۔

ان تمام امور میں دل سے نیت کرنا فرض ہے، نیت کے الفاظ کا ادا کرنا اور تلبیہ پڑھنا سنت ہے۔

جب یہ اعمال مکمل ہو جائیں تو آدمی حج یا عمرہ کے مناسک میں داخل ہو جاتا ہے اور تمام احکام اور واجبات شروع ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حاجی کے لیے جائز ہے کہ وہ احرام کی نیت میں مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرے:

۱) صرف حج کے احرام کی نیت کرے: جب حج کے تمام اعمال سے فارغ ہو جائے تو حدودِ حرم سے باہر چلا جائے پھر عمرہ کی نیت کرے اور عمرہ کے تمام اعمال مکمل کرے۔

یہ احرام کا سب سے افضل طریقہ ہے، حضرت جابر کی صحیح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح احرام باندھا تھا، اس طریقے کو "اِفراد" کہا جاتا ہے۔

۲) احرام کے وقت عمرہ کی نیت کرے، جب عمرہ سے فارغ ہو جائے تو مکہ سے یا جس میقات سے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہیں سے حج کا احرام باندھے، اس کو "تمتع" کہا جاتا ہے، اِفراد کے بعد یہ افضل ہے۔

۳) حج اور عمرہ کی ایک ساتھ نیت کرے پھر حج کے اعمال ادا کرے، اسی دوران عمرہ کے اعمال بھی ادا ہوتے ہیں، اور وہ دونوں عبادتوں کا ایک ساتھ اجر کا مستحق ہو جاتا ہے، اس

کو "قِران" کہا جاتا ہے، افضلیت میں اس کا درجہ سب سے آخری ہے۔

یہ احرام باندھنے کے طریقوں کا خلاصہ ہے، یہ مناسکِ حج اور عمرہ میں داخل ہونے کی ابتدا ہے۔

۳۔ ممنوعاتِ احرام

احرام کی نیت کرنے کے بعد محرم پر دس چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے، چاہے حج کا احرام ہو یا عمرہ کا:

۱۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا یا پورے بدن کو ڈھانکنے والے کپڑے پہننا، سلے ہوئے کپڑوں کی طرح پورے پیر کو ڈھانکنے والے جوتے بھی پہننا حرام ہے، جوتوں کے بدلے ایسی چپل پہنے جس سے ایڑی سے متصل جگہ چھپتی نہ ہو۔

۲۔ سر ڈھانکنا یا سر کا تھوڑا حصہ ڈھانکنا، کوئی عذر ہو تو جائز ہے، چاہے سر کسی سلی ہوئی چیز سے ڈھانکا جائے یا بغیر سلی ہوئی چیز سے، مثلاً عمامہ یا ٹوپی یا دستی وغیرہ، البتہ کسی دیوار یا چھتری کا سایہ اس طرح حاصل کرنا جائز ہے کہ یہ چیزیں سر سے متصل نہ ہوں۔

یہ دونوں چیزیں صرف مردوں کے لیے حرام ہیں، عورتوں کے لیے نہیں۔

اس کی دلیل صحیحین کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: محرم کون سے کپڑے پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "قمیص، پگڑی، پائجامہ، ٹوپی اور موزے نہ پہنے، البتہ اگر کسی کو چپل نہ ملے تو موزے پہنے اور اس کو ایڑیوں کے نیچے سے کاٹے اور زعفران اور ورس خوشبو لگے ہوئے کپڑے نہ پہنے"

۳۔ بالوں میں کسی بھی طریقے سے کنگھی کرنا: حرمت کا حکم اس وقت ہے جب بال گرنے کا اندیشہ ہو، اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو صرف مکروہ ہے۔

۴۔ بال منڈھانا یا اکھاڑنا، البتہ ضرورت ہو تو جائز ہے، حرمت میں تھوڑے سے بال کاٹنا بھی شامل ہے، یہ حکم اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے: "وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ" اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈھاؤ

جب تک ہدی کے جانور اپنی جگہ پہنچ نہ جائیں (البقرۃ:۱۹۶) فقہاء نے سر کے بالوں پر تمام بدن کے بالوں کو قیاس کیا ہے، کیوں کہ ان دونوں کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۵۔ناخن تراشنا: چاہے ایک مکمل ناخن ہو یا اس کا کوئی حصہ، اس کو بالوں پر قیاس کیا گیا ہے، البتہ عذر ہو تو جائز ہے، مثلاً ٹوٹ جائے اور اس سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو کاٹنا جائز ہے۔

۶۔خوشبو لگانا: بدن کے کسی حصے پر عمداً خوشبو کا استعمال کرنا، مثلاً کھانے پینے میں خوشبو ملا کر کھانا، خوشبودار بستر یا زمین پر کسی حائل کے بغیر بیٹھنا یا لیٹنا، اسی طرح خوشبودار صابون سے غسل کرنا۔

خوشبو لگانے میں گلاب کا پھول سونگھنا یا اپنے برتن میں اس کا پانی ڈالنا شامل نہیں ہے، خوشبو کے استعمال کے حرمت کی دلیل امت کا اجماع ہے، اس لیے بھی حرام ہے کہ یہ تعیش کا واضح مظہر ہے، اور حج کی حکمت اور اس کے احکام سے تعیش اور رفاہیت کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”حاجی پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہتا ہے“۔(یہ روایت صحیح ہے)

۷۔ماکول اللحم وحشی جانور کا قتل کرنا، چاہے وہ صحرائی ہو یا جنگلی، قتل کے حکم میں صرف ہاتھ رکھ کر شکار کرنا اور اس کے کسی حصہ یا بال یا پر وغیرہ میں سے کسی چیز سے تعرض کرنا بھی شامل ہے، البتہ سمندری جانوروں کا شکار کرنا حرام نہیں ہے، چاہے وہ جانور سمندر کے کنارے ہی ملتے ہوں، اور ماکول اللحم وحشی کی قید لگانے سے غیر وحشی جانور، مثلاً مرغی اور شتر مرغ وغیرہ نکل گئے، چاہے وہ جنگل میں رہنے کی وجہ سے وحشی ہو گئے ہوں، محرم کے لیے شکار کرنا حرام ہونے کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان ہے: ”**لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ**“ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔(المائدۃ:۹۵)

۸۔نکاح کرنا: چاہے محرم خود نکاح کرے یا کسی وکیل کے ذریعے کرائے، اس کی دلیل امام مسلم وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے“ یعنی نہ خود سے نکاح کرے اور نہ دوسرے سے کرائے، اگر نکاح کرے

تو عقد باطل ہو جائے گا۔

۹۔جماع اور جماع کی تمام شکلیں اور قسمیں: اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ”اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ، وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، وَاتَّقُوْنِ يَا اُولِي الْاَلْبَابِ“ حج کے چند مخصوص مہینے ہیں، جو کوئی ان میں حج کو فرض کرے تو وہ حج میں فحش بات نہ کرے اور گناہ کا کام نہ کرے اور جھگڑا نہ کرے، اور جو کچھ تم اچھا کام کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے، اور تم توشہ اپنے ساتھ لو، البتہ سب سے بہتر توشہ تقویٰ اور اللہ کی خشیت ہے، اور مجھ سے ڈرو، اے عقل مندو!“ (بقرہ ۱۹۷) رفث کی تفسیر میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں، اس میں سب سے اہم جماع ہے۔

۱۰۔جماع کے علاوہ شہوت کے ساتھ بوسہ دینا یا لمس وغیرہ کرنا، اسی طرح ہاتھ سے منی نکالنا بھی حرام ہے، کیوں کہ یہ سب رفث میں داخل ہیں، جس سے اللہ نے مذکورہ آیت میں منع فرمایا ہے۔

حالتِ احرام میں ان چیزوں کا ارتکاب حرام ہے جب کہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کسی ضرورت کے بغیر جانتے ہوئے اور اس سے اجتناب اپنے اختیار میں ہوتے ہوئے کرے، اگر ان چیزوں کی حرمت سے واقف نہ ہو یا بچنا اس کے اختیار میں نہ ہو یا مجبور ہو جائے، مثلاً بیماری کی وجہ سے سر ڈھانکنے یا بال نکالنے پر مجبور ہو جائے تو حرام نہیں ہے، البتہ اس کا فدیہ دینا واجب ہے، جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

حج اور عمرہ کے اعمال

ا۔حج کے اعمال

حج کے واجب اور صحیح ہونے کی شرطوں، مواقیت جہاں سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں اور احرام کے طریقے سے واقف ہونے کے بعد اب یہاں سے ان اعمال کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن سے حج مکمل ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض چیزیں واجب، بعض رکن اور بعض سنت ہیں، اور بعض تابع ہیں، مثلاً مسنون دعائیں اور مسجدِ نبوی اور قبرِ رسول کی زیارت وغیرہ، ہم ان کی تفصیلات ذیل الگ الگ بیان کی جارہی ہیں۔

واجبات

واجبات اور ارکان کے درمیان فرق: واجبات اور ارکان دونوں کا بجالانا ضروری ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ واجبات چھوٹنے کی صورت میں دم دینے سے نقصان کی تلافی ہوتی ہے، اور ارکان حج مکمل ہونے کے لیے ضروری ہیں، ان کے بغیر حج ادا ہی نہیں ہوتا اور دم دینے سے اس کی تلافی بھی نہیں ہوتی، واجبات مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔میقات سے احرام باندھنا: حاجی جب حج شروع کرنا چاہے تو میقات مکانی سے میقات زمانی میں احرام باندھے، اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اگر میقات مکانی سے احرام باندھے بغیر حرم کے حدود میں داخل ہوجائے تو حج کے واجبات میں سے ایک واجب چھوٹ جائے گا، اگر میقات مکانی پہنچنے سے پہلے احرام باندھے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۲۔مزدلفہ میں رات گزارنا: جب حاجی سورج غروب ہونے کے بعد عرفہ سے نکل کر مزدلفہ پہنچے (یہ جگہ میدانِ عرفات اور منی کے درمیان ہے) تو وہاں رات گزارنا واجب ہے، حاجی وہاں آدھی رات کے بعد تک رہے یعنی فجر کے وقت وہاں رہنا واجب نہیں ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اس کا تذکرہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حج سے متعلق بیان کردہ تفصیلی روایت میں ہے جس میں حج کی کیفیت اور طریقہ بیان کیا گیا ہے، یہ تفصیلی روایت اخیر میں بیان کی جائے گی۔

۳۔رمی جمار: جب حاجی عرفہ سے نکل کر مزدلفہ میں رات گزارے تو جمرہ عقبہ کے پاس جانا واجب ہے، یہ جمرہ مکہ سے متصل منی کے آخری سرے پر ہے، وہاں پہنچ کر جمرہ عقبہ کو اس طرح سات کنکریاں مارے کہ ہر کنکری نشانہ پر لگے، اس رمی کا وقت عید کی آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے اور عید کے دن سورج غروب ہونے تک رہتا ہے، یہی قربانی کا دن ہے، اس کا تذکرہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے: ''پھر آپ درمیانی راستے سے چلے جو جمرہ کبری کو جاتا ہے، آپ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے اور اس کو سات کنکریاں ماری، ہر کنکری مارتے وقت آپ تکبیر پڑھتے''، پھر حاجی کے لیے ایام تشریق کے کسی دن مسجد خیف سے متصل جمرہ اولی پھر جمرہ وسطی پھر جمرہ عقبہ کو ترتیب کے ساتھ سات سات کنکریاں مارنا واجب ہے، ان دنوں میں کنکریاں مارنے کا وقت سورج کے زوال سے غروب تک ہے، اگر اس وقت میں مار نہ سکے تو غروب کے بعد بھی رمی کرسکتا ہے، اس کو دوسرے دن تک موخر کرنا بھی جائز ہے، اس صورت میں فدیہ بھی نہیں ہے۔

نوٹ: ایام تشریق کے تیسرے دن رمی جمار کا وجوب ختم ہوجاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حاجی مکہ ایام تشریق کے دوسرے دن سورج غروب ہونے سے پہلے منی سے نکل کر چلا جائے، جلدی جانے والوں کے لیے یہ رخصت ہے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ''**فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ**'' (جو کوئی دو دنوں میں جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں) اگر منی سے نکلنے سے پہلے سورج غروب ہوجائے تو منی

میں رات گزارنا اور تیسرے دن بھی رمی جمار کرنا واجب ہے۔

۴۔ایام تشریق کی دوراتیں منی میں گزارنا:

ایام تشریق کے تین دنوں میں صرف رمی جمار کرنا حاجی کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات بھی منی میں گزارنا واجب ہے، یعنی رات کا اکثر حصہ گزارنا واجب ہے، صرف رمی کر کے مکہ میں آکر رات گزارنے سے وجوب ادا نہیں ہوگا، البتہ تیسری رات کے سلسلے میں اللہ نے اس شرط کے ساتھ رات نہ گزارنے کی رخصت دی ہے کہ منی میں اس کی موجودگی میں سورج غروب نہ ہوا ہو، اگر وہاں سے نکلنے سے پہلے سورج غروب ہو جائے تو وہیں رات گزارنا اور تیسرے دن بھی رمی جمار کرنا واجب ہے، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کے اعمال ہیں جن کو امام مسلم وغیرہ نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

۵۔طواف وداع: جب حاجی تمام مناسک حج سے فارغ ہو جائے اور مکہ سے نکلنا چاہے تو صحیح قول کے مطابق طواف وداع کرنا واجب ہے، اس کی دلیل امام بخاری کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حج کے اعمال سے فارغ ہو گئے تو طواف وداع کیا، البتہ حائضہ عورت کے لیے یہ طواف نہیں ہے۔

جب طواف وداع کرے تو اس کے بعد مکہ میں نہ رکے، بلکہ وہاں سے نکلنے میں جلدی کرے، اگر سفر کے علاوہ کسی دوسری ضرورت کی بنا پر یا کسی ضرورت کے بغیر مکہ میں رکا رہے، مثلاً کسی مریض کی عیادت یا خرید وفروخت وغیرہ کے لیے تو دوبارہ طواف کرنا واجب ہے۔

یہ پانچ چیزیں واجب ہیں، کسی عذر کے بغیر ان کو چھوڑنے سے حاجی گنہ گار ہو جاتا ہے، لیکن یہ حج کے بنیادی اجزاء میں شامل نہیں ہیں، اسی وجہ سے ان واجبات میں سے کسی کو چھوڑنے سے حج باطل نہیں ہوتا، بلکہ دم دے کر اس کی تلافی کی جا سکتی ہے جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ارکانِ حج

حج کے ارکان سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں سے کسی کے چھوٹنے سے حج باطل ہو جاتا ہے اور کسی بھی کفارہ یا فدیہ سے اس کی تکمیل بھی نہیں ہوتی، حج کے ارکان پانچ ہیں:

۱۔احرام: اس سے مراد حج میں داخل ہونے کی نیت ہے، اس کے طریقے، آداب اور شرطوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، جس طرح نماز کے ارکان میں سے ایک بنیادی رکن نیت ہے، اسی طرح حج کے ارکان میں سے ایک بنیادی رکن نیت ہے۔

۲۔وقوف عرفہ: صحیح حدیث میں ہے: ''حج عرفہ کا نام ہے، جو کوئی عرفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے آئے تو اس کو حج مل گیا'' (ابوداؤد وغیرہ) یعنی عرفات کے میدان میں رکنا حج کے اعمال کا لب لباب اور سب سے بنیادی حکم ہے، یہاں تک کہ وقوف عرفہ کے بغیر حج ہی نہیں، عرفہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو منی کے قریب ہے اور مکہ سے جنوب مشرق میں ۲۵ کلومیٹر دور ہے۔

وقوف عرفہ کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔نویں ذی الحجہ کی ظہر سے دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر تک کسی بھی وقت عرفہ کے میدان میں ٹھہرنا، اگر اس وقت سے پہلے یا بعد میں عرفہ میں ٹھہرے تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا، اس مدت کے دوران صرف ایک لحظہ ٹھہرنا کافی ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ دن کا تھوڑا وقت اور رات کا تھوڑا وقت وہاں گزارے، اگر کوئی سورج غروب ہونے سے پہلے میدان عرفات سے نکل جائے تو قربانی کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، کیوں کہ اس سے نبی کریم ﷺ کی سنت ترک ہوئی ہے۔

۲۔عرفات کے میدان کے حدود میں جہاں چاہے ٹھہرے، صحیح حدیث میں ہے: ''میں یہاں کھڑا ہوں، البتہ عرفات کا پورا میدان کھڑا ہونے کے لیے ہے'' (مسلم) عرفات کے حدود سے متصل ایک جگہ 'عرنہ' ہے، یہاں کھڑا ہونا کافی نہیں ہے۔

مغرب کی نماز موخر کر کے منی جاتے وقت راستے میں مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ جمع

کر کے پڑھی جائے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل اور حکم ہے، صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے۔

۳۔ طواف افاضہ: اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ صریح حکم ہے: ''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ''(اور بیت عتیق کا طواف کریں) نبی کریم ﷺ نے بھی اس پر عمل کیا ہے، اس کا تذکرہ حضرت جابر کی طویل روایت میں ہے، طواف صحیح ہونے کے لیے چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نماز صحیح ہونے کی تمام شرطیں پائی جائیں یعنی نیت کرے، حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہو، بدن، کپڑے اور طواف کی جگہ نجاست سے پاک ہو، اور ستر کرے، اس کی دلیل امام ترمذی اور امام دارقطنی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''طواف نماز ہی ہے، البتہ اللہ تبارک وتعالی نے طواف میں گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے، اگر کوئی بات کرے تو بھلی ہی بات کرے''۔

۲۔ طواف کے دوران میں اس کے بدن کا کوئی حصہ کعبہ کے حدود کے اندر داخل نہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ حجر کے حدود سے باہر ہی سے کعبۃ اللہ کا طواف کرے، کیوں کہ حجر کعبہ کے حدود میں داخل ہے، اسی وجہ سے اس کے اندر سے طواف کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ طواف کے دوران میں کعبۃ اللہ کو اپنے بائیں طرف رکھے، حجر اسود سے طواف شروع کرے، اگر حجر اسود کے حدود سے باہر سے طواف شروع کرے تو اس کا یہ شوط یعنی چکر شمار نہیں ہوگا، یہ نبی کریم ﷺ کے عمل اور ان کی اتباع کی وجہ سے شرط ہے، اس کا تذکرہ صحیح حدیث میں ہے۔

۴۔ طواف میں سات شوط (چکر) پورا کرے، اسی وقت اس کا طواف مکمل ہوگا اور یہ سات شوط ملا کر ایک طواف ہوگا۔

یہ طواف کی شرطیں ہیں، اس کے علاوہ طواف کی سنتیں اور آداب ہیں جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

۴۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا

صفا اور مروہ بیت اللہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں، سعی سے مراد صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے درمیان کی مسافت طے کرنا ہے، سات چکر لگانا ضروری ہے، اس رکن کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سعی کے وقت قبلے کی طرف رخ کیا اور کہا: ''اے لوگو! سعی کرو'' حضرت جابر کی طویل روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دروازے سے نکل کر صفا چلے گئے، جب صفا پہاڑی کے قریب پہنچے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی: ''إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ ''(صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) میں وہیں سے شروع کر رہا ہوں، جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے، پھر آپ صفا پر چڑھ گئے یہاں تک کہ آپ کو کعبۃ اللہ نظر آنے لگا.....'' (مسلم)

سعی کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ طواف کے بعد سعی کی جائے، چاہے طواف قدوم ہو (حاجی کے لیے مکہ آتے ہی پہلا کام طواف کرنا سنت ہے، جس کو طواف قدوم کہا جاتا ہے) یا طواف افاضہ، یہ رکن ہے، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔

۲۔ سات شوط یعنی پھیرے مکمل کرے، صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے، صفا اور مروہ کے درمیان ایک مرتبہ دوڑنا ایک شوط ہے۔

۳۔ صفا اور مروہ کے درمیان کی پوری مسافت طے کرے، اگر ایک گز یا اس سے بھی کم جگہ چھوڑ دے تو اس کا یہ شوط شمار نہیں ہوگا، اسی وجہ سے اپنی ایڑی کو صفا کی دیوار سے چپکانا ضروری ہے، پھر یہاں سے مروہ جائے، جب وہاں پہنچے تو اپنے پیروں کو مروہ کی دیوار سے چپکائے۔

۴۔ ساتوں پھیروں کے درمیان تسلسل ہونا چاہیے، اگر اتنا وقفہ ہو جو عرف میں زیادہ شمار کیا جائے تو نئے سرے سے سعی کرنا واجب ہے۔

۵۔ حلق:

اس میں مطلقاً بال نکالنا شامل ہے، چناں چہ اس میں تین یا اس سے زائد بال

نکالنا بھی داخل ہے،حلق میں سر کے بال اکھاڑنا بھی شامل ہے،اسی طرح تقصیر یعنی بال چھوٹے کرنا بھی شامل ہے، چاہے اس کی مقدار کتنی بھی ہو اور کسی بھی طریقہ سے نکالا جائے،مسلکِ شافعی میں صحیح قول کے مطابق یہ رکن ہے،اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل ہے،جس کو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حلق کی شرطیں مندرجہ ذیل ھیں:

۱۔وقت سے پہلے نہ ہو، اس کا وقت قربانی کے دن آدھی رات سے شروع ہوتا ہے، اگر اس سے پہلے حلق یا تقصیر کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور فدیہ دینا بھی واجب ہے۔

۲۔حلق یا تقصیر میں کم از کم تین بال کاٹے یا نکالے،صحیح قول یہی ہے،اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان ہے:''مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ''اپنے سروں کو منڈھاتے ہوئے اور بالوں کو کاٹتے ہوئے''اس آیت میں رؤوس (سروں) بالوں سے کنایہ ہے کیوں کہ سر کو مونڈھایا نہیں جاتا، علماء کہتے ہیں:''یہ جمع ہے اور کم سے کم جمع تین ہے''۔

۳۔مونڈھائے ہوئے بال سر کے ہی ہوں، چناں چہ داڑھی یا مونچھ نکالنا کافی نہیں ہے،البتہ عورت تقصیر کرے گی،اس کو حلق کا حکم نہیں ہے،اس حکم پر امت کا اجماع ہے

نوٹ: کسی کے سر پر بال نہ ہوں تو اس کو اپنے سر پر استرا پھیرنا سنت ہے،واجب نہیں۔

ارکان میں ترتیب کا خیال رکھنا چاہیے

ان میں سے اکثر ارکان کے درمیان مندرجہ ذیل ترتیب واجب ہے: سب سے پہلے احرام کی نیت کرے،پھر عرفہ کے میدان میں ٹھہرے،پھر طواف کر کے سعی کرے،البتہ حلق یا تقصیر طوافِ افاضہ کے بعد بھی کرسکتا ہے اور پہلے بھی۔

لیکن یہ ترتیب چھٹا رکن ہے یا حج کے لیے شرط،اس میں شوافع کا اختلاف ہے، اہم یہ ہے کہ مندرجہ بالا ترتیب کا خیال رکھا جائے۔

۲۔عمرہ کے اعمال:

عمرہ کے اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔حج کے احرام کی طرح ہی عمرہ کے احرام کی نیت کرنا،اس سے پہلے ہم عمرہ کے احرام کی میقات بیان کرچکے ہیں۔

۲۔مکہ میں داخل ہو کر طواف کرے، پہلے طواف قدوم کرے۔

۳۔صفا اور مروہ کی سعی کرے۔

۴۔حلق یا تقصیر کرے۔

ان تمام اعمال کو بجالنے کے بعد عمرہ کرنے والا حلال ہوجاتا ہے۔

یعنی جتنی چیزیں احرام کی نیت کرنے کی وجہ سے حرام ہوگئی تھیں وہ سب اس کے لیے جائز ہوجاتی ہیں۔

حج کی سنتیں

حج کی ہر موقع کی الگ الگ سنتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔احرام کی سنتیں: حج کا احرام باندھتے وقت مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا سنت ہے:

۱۔احرام سے پہلے غسل کرنا: اگر غسل کرنا ممکن نہ ہو تو تیمم کرے، اس میں پاکی وصفائی کے تمام طریقے شامل ہیں مثلاً بغل اور زیر ناف بال نکالنا، ناخن تراشنا، اور گندگیوں کو دور کرنا وغیرہ، یہ غسل حاجی کے لیے مسنون ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، عورت پاک ہو یا حالت نفاس میں ہو یا حالتِ حیض میں۔

۲۔زبان سے نیت کرنا پھر اس کے بعد تلبیہ پڑھنا، تلبیہ یہ ہے: **"لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ"** (میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں، نعمتیں اور ملک آپ کے لیے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں) مرد تلبیہ بلند آواز سے کھڑے چلتے اور بیٹھے اور تمام حالتوں میں پڑھے، امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں"، تلبیہ پڑھنا احرام باندھنے کے بعد سے قربانی کے دن صبح جمرہ عقبہ کی رمی کرنے تک مستحب ہے، احرام باندھتے وقت قبلے کی طرف رخ کر کے یہ کہے: **"اَللّٰھُمَّ أَحْرَمَ لَکَ شَعْرِیْ وَبَشَرِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ"** (اے اللہ! میرے بال، چہرہ، گوشت اور خون نے تیرے لیے احرام میں آ گئے) البتہ عورت تلبیہ اتنی پست آواز میں کہے کہ صرف اسی کو سنائی دے۔

۳۔بیکار باتوں اور جائز تفریحات سے بچے، حرام کاموں سے بچنا تو بے حد ضروری ہے

۲۔مکہ میں داخل ہونے کی سنتیں:

حاجی جب مکہ کے قریب پہنچے تو اس کو مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا سنت ہے:

۱۔وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو پھر عرفہ چلا جائے۔

۲۔ذی طویٰ کنویں کے پاس مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے، یہ کنواں مشہور ومعروف ہے، نبی کریم ﷺ جب بھی مکہ میں داخل ہوتے تو اس کنویں کے پانی سے ضرور غسل فرماتے۔

۳۔کداء پہاڑی سے مکہ میں داخل ہو، یہ اوپری مکہ کا راستہ ہے۔

۴۔مکہ پہنچتے ہی طوافِ قدوم کے ارادے سے کعبۃ اللہ چلا جائے، یہ بیت اللہ شریف کا تحیہ ہے، نبی کریم ﷺ کا یہی معمول تھا۔

۵۔باب بنی شیبہ سے مسجد میں داخل ہو، جب نگاہ کعبۃ اللہ پر پڑے تو یہ دعا پڑھے: **"اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَةً، وَزِدْ مَنْ شَرَّفَهٗ وَعَظَّمَهٗ مِمَّنْ حَجَّهٗ أَوِ اعْتَمَرَهٗ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا، اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ"**۔ اے اللہ! اس گھر کی عزت، عظمت، احترام اور ہیبت میں اضافہ فرما، اور حج یا عمرہ کے ارادے سے اس گھر کا قصد کرنے والوں میں سے جو اس کو عزت اور عظمت دے ان کی عزت، احترام اور نیکی میں اضافہ فرما، اے اللہ! تو سلام ہے، اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، چناں چہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

۳۔طواف کی سنتیں:

طواف کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔مرد اور عورت دونوں پیدل طواف کریں، اگر کوئی بیماری یا تکلیف وغیرہ ہو تو سوار ہو کر طواف کرنا مکروہ نہیں ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب مکہ آئی تو بیمار تھی، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "لوگوں کے پیچھے سواری پر طواف کرو"۔

۲۔اپنے طواف کے شروع میں حجرِ اسود کو استلام کرے، بوسہ دے اور اپنی پیشانی

اس پر رکھے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا یہی معمول تھا، بخاری و مسلم میں اس کا تذکرہ ہے، اگر بھیڑ یا کسی دوسری وجہ سے ہاتھ سے چھونا ممکن نہ ہو تو تکبیر اور تہلیل پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے دور ہی سے اشارہ کرے، یہ صرف مردوں کے لیے سنت ہے، عورتوں کے لیے یہ مسنون نہیں ہے کہ وہ استلام کرے اور بوسہ دے، البتہ مطاف خالی ہو تو مسنون ہے، اگر طواف میں بھیڑ ہو جس کی وجہ سے حجر اسود کو استلام کرنے اور بوسہ دینے میں دوسروں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مردوں کے لیے بھی سنت نہیں ہے بلکہ کبھی کبھار یہ عمل تکلیف کی زیادتی کی وجہ سے مکروہ، اس سے بھی بڑھ کر حرام ہو جاتا ہے، امام شافعی اور امام احمد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "عمر! تم طاقت ور آدمی ہو، حجر اسود کے پاس دھکا نہ دو کہ کہیں کمزور کو تکلیف نہ پہنچے، اگر جگہ خالی ملے تو ٹھیک ہے، ورنہ صرف تکبیر اور تہلیل پڑھو"۔

۳۔ طواف کے ہر شوط میں حجر اسود کو استلام کرے اور بوسہ دے، اسی طرح طواف اور اس کی نماز کے بعد بھی حجر اسود کو استلام کرنا سنت ہے۔

۴۔ اپنے طواف کے شروع میں یہ دعا پڑھے، اس دعا کے پڑھنے پر ائمہ سلف کا اتفاق ہے: **"بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ، وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ، وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ** ﷺ" (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے میں طواف شروع کرتا ہوں) اور یہ بھی دعا کرے: **"اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ، وَالْحَرَمَ حَرَمُكَ، وَالْأَمْنَ أَمْنُكَ، وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ"**۔ اے اللہ! کعبۃ اللہ تیرا گھر ہے، اور حرم تیرا حرم ہے، اور امن تیرا امن ہے، اور یہ تیرے حضور جہنم کی آگ سے پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔

رکنِ عراقی پر طواف ختم کرتے وقت یہ دعا پڑھے: **"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ، وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ، وَسُوْءِ الْأَخْلَاقِ، وَسُوْءِ النَّظَرِ فِي**

الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ"۔ اے اللہ! میں تیرے حضور شک سے، شرک سے، نفاق سے، دشمنی سے، برے اخلاق سے اور اہل و عیال اور مال و اولاد میں بدنگاہی سے پناہ مانگتا ہوں۔

طواف ختم کرتے وقت میزاب کے نیچے یہ دعا پڑھے: **"اَللّٰهُمَّ أَظِلَّنِيْ فِيْ ظِلِّكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّكَ، وَاسْقِنِيْ بِكَأْسِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ** ﷺ **شَرَابًا هَنِيْئًا لَا أَظْمَأُ بَعْدَهُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ"**۔ اے اللہ! اپنے سائے میں مجھے اس دن سایہ دے، جس دن تیرے سائے کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، اور مجھے اپنے نبی محمد ﷺ کے جام سے خوش گوار مشروب پلا، جس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہ لگے، اے جلال اور اکرام والے آقا!۔

رکن شامی اور رکن یمانی کے درمیان یہ دعا پڑھے: **"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا، وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا، وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا، وَعَمَلًا مَقْبُوْلًا، وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ"**۔ اے اللہ! تو اس کو نیکیوں والا حج بنا، گناہوں کی مغفرت کا سبب بنا، قابل قدر کوشش بنا، مقبول عمل بنا، اور ایسی تجارت بنا جس میں کبھی گھاٹا نہ ہو، اے عزیز، اے غفور!۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے: **"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"**۔ اے ہمارے پروردگار! دنیا میں ہم کو بہتر عطا فرما، اور آخرت میں بھی بہتر عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

اس کے علاوہ جو چاہے دعائیں کرے، طواف کے دوران میں پڑھی جانے والی رسول اللہ ﷺ سے منقول دعائیں پڑھنا قرآن شریف کی تلاوت سے افضل ہے اور غیر منقول دعاؤں کے مقابلے میں قرآن کی تلاوت افضل ہے۔

۵۔ پہلے تین شوط میں رمل کرنا یعنی قریب قریب قدم ڈال کر ذرا تیز چلنا، آخری چار شوط میں اپنی عام چال چلنا سنت ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب طواف کے بعد سعی کرنا نہ ہو، اگر طواف کے بعد سعی کرنا ہو تو رمل مسنون نہیں ہے، رمل کے دوران میں اپنی چادر کا درمیانی حصہ اپنے داہنے مونڈھے پر ڈالے اور دونوں کنارے اپنے بائیں مونڈھے پر ڈالے، اس کو اصطلاح میں

"اضطباع" کہتے ہیں، صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو آپ نے اسی طرح کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی کا حکم دیا اور فرمایا: "اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو آج ان کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے"۔

۲۔طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں "قل یا أیها الکافرون" اور دوسری رکعت میں "قل هو الله أحد" پڑھے، صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا، جب لوگ مقام ابراہیم کے پاس آئے تو آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

۴۔سعی کی سنتیں:

۱۔جب طواف کے بعد سعی کرے تو دوسرے طواف کے بعد پھر سعی نہ کرے، جب طوافِ قدوم کے بعد سعی کر لے تو طواف افاضہ کے بعد دوبارہ سعی کرنا مکروہ ہے۔

۲۔سعی کے شروع میں صفا پہاڑی پر اتنا اوپر چڑھنا مستحب ہے کہ کعبۃ اللہ نظر آجائے، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا أَوْلَانَا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، کیوں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی ہے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، کیوں کہ اس نے ہم پر احسانات کیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے، اور اسی کے لیے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اس کے بعد جب مروہ پہاڑی پر چڑھے تو بھی یہ دعا پڑھے۔

۳۔اگر ممکن ہو تو سعی پیدل کرے، جب میلین اخضرین (صفا اور مروہ کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ ہے جس کے ابتدا اور انتہا پر ہری بتیاں لگی ہوئی ہیں) کے درمیان پہنچے تو

دوڑنا مسنون ہے، اس دوران اور صفا و مروہ پر ہر مرتبہ چڑھتے وقت اپنے لیے، اپنے بھائیوں اور عام مومنین کے لیے اپنی پسند کی دعا کرنا مستحب ہے۔

۵۔میدان عرفہ کی سنتیں:

وقوفِ عرفہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، مکہ جانے سے پہلے سیدھے عرفہ جانے سے بھی یہ رکن ادا ہو جاتا ہے، البتہ سنت یہ ہے کہ مندرجہ ذیل امور کی رعایت کی جائے:

۱۔مکہ آ کر طوافِ قدوم ادا کرنے کے بعد عرفہ چلا جائے۔

۲۔ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد امام یا ذمہ دار تقریر کرے اور ان کو دوسرے دن صبح منی جانے اور حج کے دوسرے مناسک کی تفصیلات سے مطلع کرے، تا کہ وہ پہلے ہی سے حج کے اعمال سے واقف ہو جائیں۔

۳۔آٹھویں ذی الحجہ کی صبح منی جائے اور وہاں نویں ذی الحجہ کی صبح تک قیام کرے، مسجد خیف میں پانچوں وقت کی نمازیں پڑھے، آپ ﷺ نے اسی مسجد میں اس دن کی نمازیں پڑھی تھی۔

۴۔نویں ذی الحجہ کی صبح سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات چلا جائے، جب عرفات کے حدود کے قریب پہنچے تو نمرہ میں سورج کے زوال تک رکنا سنت ہے، جہاں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع تقدیم پڑھی جائیں، پھر عرفات کے میدان میں داخل ہو کر وہاں غروب تک ٹھہرے، اس دوران ذکر و اذکار اور دعاؤں میں مشغول رہے، کثرت سے **لا الہ الا اللہ** کا ورد کرے، اللہ کے حضور خوب گڑگڑائے، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ نے حجۃ الوداع میں اسی طرح کیا تھا، جو حج آپ نے اپنی وفات سے تھوڑی مدت قبل کیا تھا۔

۶۔مزدلفہ میں رات گزارنے کی سنتیں:

جب مزدلفہ پہنچے تو مندرجہ ذیل آداب اور امور کی رعایت کرنا مستحب ہے:

۱۔فجر کی اذان تک مزدلفہ میں رکے، جہاں صبح کی نماز اول وقت یعنی تاریکی ہی میں ادا کی جائے۔

۲۔مزدلفہ میں رمی جمار کے لیے کنکریاں لینے کے بعد منی کا رخ کرے، سات کنکریاں لے، ان میں سے ہر ایک چنے کے دانے سے بڑی اور لوبیا کے دانے سے چھوٹی ہو، امام نسائی اور بیہقی نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن صبح ان سے فرمایا: ”میرے لیے کنکریاں لو“، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنی۔

۳۔مشعر حرام کے پاس پہنچ کر رکے، یہ مزدلفہ کے کنارے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے، اور اسفار یعنی صبح کی روشنی پھیلنے تک وہیں رکا رہے، یہ دعا کثرت سے پڑھنا سنت ہے: ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بہتر عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتر عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا) اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ“ (چناں چہ مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کو اسی طرح یاد کرو جیسے اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے حالاں کہ تم اس سے پہلے گمراہ لوگوں میں تھے) پھر یہاں تلبیہ پڑھتے اور ذکر و اذکار کرتے ہوئے اس طرح منی چلے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں پہنچے اور وہاں سنت نماز پڑھے۔

۷۔رمی جمار کی سنتیں:

جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتے وقت مندرجہ ذیل آداب کی رعایت کرنا مسنون ہے:

۱۔جب منی پہنچے تو سب سے پہلے رمی جمار کرے، اس سے پہلے کوئی دوسری عبادت نہ کرے کیوں کہ اس دن منی کا تحیہ یعنی مقصود یہی ہے۔

۲۔رمی شروع کرتے وقت تلبیہ پڑھنا بند کر دے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ احرام کے بعد مسلسل تلبیہ پڑھتے رہے، جب آپ نے رمی کیا تو تلبیہ پڑھنا بند کر دیا اور اس کی جگہ تکبیر پڑھنا شروع کیا۔

۳۔ہر کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھے اور دایاں ہاتھ اتنا اٹھا کر کنکری مارے کہ بغل کی سفیدی نظر آئے، البتہ عورت اپنا ہاتھ نہ اٹھائے۔

ایام تشریق میں رمی کرتے وقت مندرجہ ذیل آداب کی رعایت کرنا مسنون ہے:

۱۔زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے رمی کرے، اگر بھیڑ زیادہ ہو تو تاخیر بھی کر سکتا ہے۔

۲۔جمرہ اولی اور جمرہ ثانیہ میں ایسی جگہ کھڑا رہے کہ قبلہ کی طرف رخ ہو، پھر یکے بعد دیگرے جمرہ عقبہ میں بیان کردہ تفصیلات کے مطابق یہاں بھی رمی کرے۔

۳۔رمی کے بعد تھوڑا سا رخ اس طرح بدلے کہ لوگوں کی کنکریاں رمی کے دوران میں اس کو نہ لگے اور جمرہ کو اپنے پیچھے کر لے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے اللہ سے جو چاہے مانگے، سورہ بقرہ کی تلاوت کے بقدر طویل دعا کرنا مسنون ہے، جب جمرہ ثانیہ آئے تو بھی اسی طرح کرے اور رمی کے بعد دعا کرے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جب جمرہ عقبہ پہنچے جہاں قربانی کے دن رمی کی جا چکی ہے تو یہاں اُسی طرح رمی کرے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، اس کے بعد دعا نہ کرے اور نہ وہاں کھڑا رہے، ان تمام امور کی دلیل حضور ﷺ کا صحیح حدیثوں میں بیان کردہ عمل ہے۔

حج سے حلال ہونے کا طریقہ

حلال ہونے کا وقت قربانی کے دن کی آدھی رات کے بعد سے شروع ہوتا ہے جب حاجی عرفات سے نکل کر مزدلفہ میں رات گزارتا ہے اور منی آتا ہے، یہاں مناسک حج کے تین اہم اعمال انجام دینا ہوتا ہے: جمرہ عقبہ کی رمی، حلق اور طواف، جب حاجی ان میں سے دو کاموں کو پورا کرتا ہے تو حج سے حلال ہو جاتا ہے، اس کو حلال اصغر کہتے ہیں، اس صورت میں حاجی کے لیے وہ تمام چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جو حج کے احرام کی وجہ سے حرام ہو گئی تھیں، البتہ عورت کے ساتھ مباشرت اور عقدِ نکاح اب بھی جائز نہیں رہتا، یعنی وہ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے وغیرہ، جب حاجی ان تینوں کاموں کو انجام دیتا ہے تو مکمل طور پر حلال ہو جاتا ہے اور اس کو حلال اکبر کہتے ہیں یعنی اس صورت

میں جماع ودواعی جماع بھی جائز ہوجاتے ہیں، اس کی دلیل امام احمد اور امام ابوداود کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم رمی اور حلق کرلو تو تمہارے لیے خوشبو اور تمام چیزیں حلال ہوجاتی ہیں، البتہ عورتیں حلال نہیں ہوتیں''۔

حج کی دعائیں

تمہید:

۱۔دعا عبادت ہے، بلکہ عبادت کی روح ہے، درحقیقت دعا ضمیر کی بیداری اور اللہ کی تائید ونصرت کی ضرورت کے احساس کی عملی تعبیر ہے۔

۲۔اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: ''**وَادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً**'' (اپنے رب سے خشوع وخضوع اور چھپ کر مانگو) دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ**'' (اور تمہارے پروردگار نے کہا کہ تم مجھے پکارو، میں تمہارے لیے اس کو قبول کروں گا) اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''**وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ**'' (جب میرے بندے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں قریب ہی ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگتا ہے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قضا اور قدر کو کوئی چیز لوٹا نہیں سکتی سوائے دعا کے''، یہ بھی فرمایا: ''دعا عین عبادت ہے''۔

۳۔دعا قبول ہونے کے اہم اسباب میں اخلاص، نفس کی پاکی، حلال کمائی، دنیا سے بے رغبتی اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔حج کے دنوں میں مناسک ادا کرتے وقت انسان مندرجہ بالا صفات سے زیادہ متصف رہتا ہے، جس سے انسان اللہ کی رحمت اور دعا کی قبولیت کا زیادہ حق دار بن جاتا ہے۔

۴۔ان تمام وجوہات کی بنا پر حج کے دنوں میں دعا کو شروع کیا گیا اور امید وبیم اور خوف وطمع کے ساتھ دعا کی کثرت کو مستحب قرار دیا گیا۔

۵۔یقیناً افضل دعا قرآن وسنت میں مذکور دعائیں ہیں، مثلاً قرآن میں ہے: ''**رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ**'' (اے ہمارے

پروردگار! تو ہمیں دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں بہتری عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا) امام مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کے ارادے سے اپنے اونٹ پر سیدھے بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر یہ دعا پڑھی: ''سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَاھٰذَاوَمَاکُنَّالَہٗ مُقْرِنِیْنَ، وَاِنَّااِلٰی رَبِّنَالَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ فِیْ سَفَرِنَاھٰذَاالْبِرَّوَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَاھٰذَا، وَاطْوِعَنَّابُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ، وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْأَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ، وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْأَھْلِ''۔ ترجمہ: وہ ذات پاک ہے، جس نے ہمارے لیے یہ (سواری) مسخر کی، حالاں کہ ہم میں اس کو قابو میں کرنے کی طاقت نہیں تھی، اور ہم کو ہمارے پروردگار کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے، اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی، تقوی اور تجھ کو راضی کرنے والے اعمال کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہمارے لیے آسان فرما، اور اس کی دوری کو ہم سے لپیٹ دے، اے اللہ! سفر میں تو ہمارا ساتھی ہے اور گھر والوں میں تو ہمارا نگہبان ہے، اے اللہ! ہم تیرے حضور سفر کی تھکن، رنجیدہ کرنے والے منظر، اور اہل وعیال میں برے انجام سے پناہ مانگتے ہیں۔

۲۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ مناسک حج کے سلسلے میں بہت سی دعائیں منقول ہیں، لیکن ان تمام دعاؤں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے، بلکہ اکثر دعائیں آپ سے ثابت نہیں ہیں، البتہ اسلاف نے ان دعاؤں کو پسند کیا ہے اور بہت سے علماء اور صالحین سے منقول ہیں، اسی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں صرف دعا سمجھتے ہوئے پڑھی جائیں اور اس کے علاوہ اپنے دل میں آئی ہوئی دعائیں بھی کی جائیں، البتہ کسی متعین دعا کی پابندی نہ کرے، اس سے پہلے مسائل کے دوران بہت سی دعائیں گزر چکی ہیں، یہاں بعض دعائیں نقل کی جارہی ہیں:

حج کی دعائیں:

۱۔ احرام کی نیت کے وقت: امام رازی فرماتے ہیں: ''اگر حاجی تلبیہ کے بعد یہ

دعا پڑھے تو بہتر ہے: ''اَللّٰھُمَّ أَحْرَمَ لَکَ شَعْرِیْ وَبَشْرِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ''۔ اے اللہ! تیرے خاطر میرے بال، میرا چمڑا، میرا گوشت اور میرا خون سب کچھ احرام میں آ گئے

۲۔ احرام کی نیت کرنے کے بعد جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھے تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں یہ دعا پڑھے: ''لَبَّیْکَ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْآخِرَۃِ'' میں حاضر ہوں، حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

۳۔ جب حاجی مکہ پہنچے تو یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰھُمَّ ھٰذَاحَرَمُکَ وَأَمْنُکَ، فَحَرِّمْنِیْ عَلَی النَّارِ، وَآمِنِّیْ مِنْ عَذَابِکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ، وَاجْعَلْنِیْ مِنْ أَوْلِیَائِکَ وَأَھْلِ طَاعَتِکَ'' اے اللہ! یہ تیرا حرم اور امن کی جگہ ہے، چناں چہ تو مجھ کو آگ پر حرام کر اور مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے امن دے، اور مجھے اپنے دوستوں اور اطاعت کرنے والوں میں سے بنا۔

۴۔ جب مکہ میں داخل ہو اور کعبہ نظر آئے تو یہ دعا کرنا مستحب ہے: ''اَللّٰھُمَّ زِدْھٰذَاالْبَیْتَ تَشْرِیْفًاوَّتَعْظِیْمًاوَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً، وَزِدْمَنْ شَرَّفَہٗ وَعَظَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ أَوِاعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًاوَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا، اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَارَبَّنَابِالسَّلَامِ''۔ اے اللہ! اس گھر کی عزت، عظمت، احترام اور ہیبت میں اضافہ فرما، اور حج یا عمرہ کے ارادے سے اس گھر کا قصد کرنے والوں میں سے جو اس کو عزت اور عظمت دے ان کی عزت، احترام اور نیکی میں اضافہ فرما، اے اللہ! تو سلام ہے، اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، چناں چہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

۵۔ طواف شروع کرتے وقت یہ دعا پڑھے: ''بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًابِکَ وَتَصْدِیْقًابِکِتَابِکَ، وَوَفَاءً ا بِعَھْدِکَ، وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ '' (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد وپیمان کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے میں طواف شروع کرتا ہوں) اور یہ بھی دعا کرے: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْبَیْتَ بَیْتُکَ، وَالْحَرَمَ

حَرَمُکَ، وَالْأَمْنَ أَمْنُکَ، وَهٰذَامُقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ ''اے اللہ! کعبۃ اللہ تیرا گھر ہے، اور حرم تیرا حرم ہے، اور امن تیرا امن ہے، اور یہ تیرے حضور جہنم کی آگ سے پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔

پہلے تین پھیروں میں رمل کرتے وقت یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا، وَذَنْبًامَّغْفُوْرًا، وَسَعْيًامَّشْكُوْرًا '' (اے اللہ! تو اس کو نیکیوں والا حج بنا، گناہوں کی مغفرت کا سبب بنا، قابل قدر کوشش بنا، مقبول عمل بنا، اور ایسی تجارت بنا جس میں کبھی گھاٹا نہ ہو، اے عزیز، اے غفور!) اور باقی چار پھیروں میں یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْوَارْحَمْ، وَاعْفُ عَمَّاتَعْلَمُ، وَأَنْتَ الْأَعَزُّالْأَكْرَمُ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَافِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ ''۔ اے اللہ! مغفرت فرما اور رحم فرما، اور جس کو تو جانتا ہے اس سے درگذر فرما، تو بڑا ہی باعزت اور قابل احترام ہے، اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں بہتری عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

۶۔ صفا پہاڑی پر چڑھ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے یہ دعا پڑھنا مستحب ہے: ''لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَوَعْدَهُ وَنَصَرَعَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَلَانَعْبُدُإِلَّاإِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْكَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ "اُدْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ" وَإِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ، وَإِنِّيْ أَسْأَلُكَ كَمَاهَدَيْتَنِيْ إِلَى الْإِسْلَامِ أَن لَّاتَنْزِعَهُ مِنِّيْ حَتّٰى تَتَوَفَّانِيْ وَأَنَامُسْلِمٌ ''مروہ پہاڑی پر بھی یہ دعا پڑھے۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام لشکروں کو تن تنہا شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں، چاہے کافر لوگوں کو ناگوار لگے، اے اللہ! تو ہی نے فرمایا ہے: ''مجھے پکارو، میں تمہارا جواب دوں گا''، اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو

نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے، اس کو مجھ سے نہ چھین، یہاں تک کہ مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے۔

سعی کے دوران میں یہ دعا پڑھنا بھی مستحب ہے: ''اَللّٰهُمَّ يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْفَوْزَبِالْجَنَّةِوَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، وَالنَّجَاةَمِنَ النَّارِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ التُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى ''۔ اے اللہ! اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی ہوں، اور تیری مغفرت کے پختہ امور، جنت کے حصول میں کامیابی، ہر برائی سے سلامتی اور آگ سے چھٹکارے کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے تقوی، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

۷۔ عرفات کے دن دعا کی کثرت کرنا مستحب ہے، کیوں کہ حدیث میں آیا ہے: ''بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، اور بہترین بات وہ ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہی ہے: ''لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُوَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عرفہ کے دن میدان عرفات میں کثرت سے یہ دعا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُكَالَّذِيْ تَقُوْلُ وَخَيْرًامِّمَّانَقُوْلُ، اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ، وَإِلَيْكَ مَآبِيْ، وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِيْ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَاتَجِيْءُ بِهِ الرِّيْحُ ''۔ اے اللہ! تیرے لیے اسی طرح تعریف ہے جس طرح تو اپنی خود تعریف کرتا ہے، اور اس سے بہتر جس طرح ہم تیری تعریف کرتے ہیں، اے اللہ! میری سب نمازیں، میری سب عبادتیں، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ تیرے لیے ہے، اور تیری طرف ہی مجھ کو لوٹ کر جانا ہے، اور تیرے لیے ہی اے میرے پروردگار! میری وراثت ہے، اے اللہ!

میں تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں، ہر اس برائی سے جو ہوائیں لے آتی ہیں۔

۸۔مزدلفہ اور مشعر حرام میں پڑھی جانے والی دعائیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدَاکُمْ وَاِنْ کُنْتُمْ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الضَّالِّیْنَ'' جب تم عرفات سے چلے آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے، اگر چہ تم اس سے پہلے گمراہ لوگوں میں تھے۔ یہ دعا پڑھنا مستحب ہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اَنْ تَرْزُقَنِیْ فِیْ ھٰذَا الْمَکَانِ جَوَامِعَ الْخَیْرِ کُلَّہٗ، وَاَنْ تُصْلِحَ شَأْنِیْ کُلَّہٗ، وَاَنْ تَصْرِفَ عَنِّیَ الشَّرَّ کُلَّہٗ، فَاِنَّہٗ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ غَیْرُکَ، وَلَا یَجُوْدُ بِہٖ اِلَّا اَنْتَ''۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس جگہ تمام جامع بھلائیاں مجھے عطا فرما، اور میری پوری اصلاح فرما، اور مجھ کو تمام شرور سے پھیر دے، یہ کام تیرے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اور اس کی فیاضی تیرے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

۹۔منیٰ میں قربانی کے دن پڑھنے کی دعا: جب مشعر حرام سے نکل کر منیٰ پہنچے تو یہ دعا پڑھنا مستحب ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَلَّغَنِیْھَا سَالِمًا مُعَافًی، اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ مِنًی قَدْ اَتَیْتُھَا وَاَنَا عَبْدُکَ، وَفِیْ قَبْضَتِکَ، اَسْأَلُکَ اَنْ تَمُنَّ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِہٖ عَلٰی اَوْلِیَائِکَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْمُصِیْبَۃِ فِیْ دِیْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہاں تک صحیح سالم بعافیت پہنچا دیا، اے اللہ! یہ میری طرف سے کوشش ہے، میں یہاں آیا ہوں، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے قبضے میں ہوں، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ پر ان چیزوں کے ذریعے احسان کر، جن کے ذریعے تو نے اپنے دوستوں پر احسان کیا ہے، اے اللہ! میں تیرے حضور محرومی اور میرے دین کے سلسلے میں آنے والی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے!۔

۱۰۔منیٰ میں ایام تشریق کو پڑھی جانے والی دعائیں اور اذکار:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے

دن ہیں''، اسی وجہ سے ان دنوں میں کثرت سے ذکر و اذکار کرنا مستحب ہے اور اس میں بھی افضل قرآن پاک کی تلاوت ہے، مستحب یہ ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے جمرہ عقبہ کے پاس کھڑا ہوا اور اللہ کی حمد و تعریف بیان کرے، تکبیر پڑھے، لا الٰہ الا اللہ کہے اور سبحان اللہ پڑھے اور حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرے۔

۱۱۔آب زمزم پیتے وقت پڑھنے کی دعا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آب زمزم اس کے لیے ہے جس کے لیے پیا جائے''، اس وقت یہ دعا کرنا مستحب ہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ قَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: "مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَہٗ"، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْرَبُہٗ لِتَغْفِرَ لِیْ ''(اے اللہ! مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: آب زمزم اس کے لیے ہے جس کے لیے پیا جائے، اے اللہ! میں اس کو اس لیے پیتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما) اس کے بعد جو دعا کرنا چاہے کرے۔

خلاصۂ کلام

یہ بعض دعائیں ہیں جن کا ہم نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الاذکار'' سے انتخاب کیا ہے، ان میں سے اکثر دعائیں سلف صالحین کے اقوال اور متقی علماء کی دعاؤں سے منقول ہیں، انھوں نے یہ دعائیں کیں اور عوام کو ان دعاؤں کو سکھانے کا ارادہ کیا تا کہ ان پاک جگہوں اور خشوع و خضوع حاصل ہونے والے موقعوں پر یہ دعائیں کی جائیں، یہ بات معلوم ہے کہ ان میں سے بہت کم دعائیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، کسی شخص کو اس بات کا اعتقاد رکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ دعائیں نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ کے اقوال ہیں، بلکہ یہ عام دعائیں ہیں، اگر کوئی یہ دعائیں کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس کے علاوہ اپنی پسند کی بھی دعائیں کرسکتا ہے، اللہ ہی سے ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں میں وہ دعائیں ڈال دے جو اس کی رضا کا سبب بنیں اور ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے جس طرح وہ چاہے اور جس پر وہ راضی ہو۔

حج میں کمی لانے والی چیزیں

مندرجہ ذیل اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے تو حج میں کمی آجاتی ہے:

ا۔کسی ایسے حکم کو چھوڑنا جس کے چھوڑنے کی حاجی کو شریعت نے فدیہ کی شرط کے ساتھ اجازت دی ہو۔

۲۔پانچ واجب چیزوں میں سے کسی کو چھوڑ دینا۔

۳۔حج کا کوئی رکن چھوڑ دینا، وقوف عرفہ یا کوئی دوسرا رکن، ہرایک کے الگ احکام ہیں

۴۔احرام کے ممنوعات میں سے کسی کا ارتکاب کرنا۔

پہلا سبب: کسی ایسے حکم کو چھوڑ دے جس کو شریعت نے فدیہ دینے کی شرط پر چھوڑنے کی اجازت دی ہو، یہ حج تمتع اور حج قران میں ہوتا ہے، مسلک شافعی میں دراصل جس حج کا حکم دیا گیا ہے وہ حج افراد ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی تمتع یا قران نہیں کرسکتا، البتہ شرط یہ ہے کہ اس کے بدلے ایک ایسی بکری قربانی کرے جس کی قربانی جائز ہو، اگر بکری یا اس کی قیمت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے گھر واپسی کے بعد، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان ہے: ''**فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ، فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ** '' (حج تمتع یعنی حج کے ساتھ عمرہ کرے تو جو ہدی میسر ہو اس کو ذبح کرے، اگر کسی کے پاس ہدی نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے حج میں رکھے اور سات دن کے جب تم گھر لوٹ جاؤ) اگر حج میں تین دن کے روزے نہ رکھے تو گھر واپس آنے کے بعد یہ تین روزے بھی رکھے گا، ان تین روزوں اور باقی سات روزوں کے درمیان چار دنوں اور اپنے گھر واپس آنے کے سفر کی امکانی مدت کے بقدر وقفہ کرے۔

دوسرا سبب: کوئی حج کا واجب حکم چھوڑ دے، مثلاً میقات سے احرام کی نیت

نہ کرے، یا رمی جمار چھوڑ دے، مزدلفہ یا منی میں رات نہ گزارے یا طواف وداع نہ کرے

اگر کوئی شخص ان واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کردے تو اس کے حج میں کمی واقع ہوگی، اس صورت میں کمی کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر بکری میسر ہو تو قربانی کرے، میسر نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق حج میں تین دن کے اور گھر لوٹنے کے بعد سات دن کے روزے رکھے۔

تیسرا سبب: حج کا کوئی رکن چھوٹ جائے۔

ا۔وقوف عرفہ چھوڑ دے تو حاجی پر مندرجہ ذیل چیزیں ضروری ہوجاتی ہیں:

أ: دم دینا یعنی بکری کی قربانی کرنا، بکری میسر نہ ہو تو روزے رکھنا۔

ب۔عمرہ کرکے حلال ہونا، عمرہ کے تمام اعمال انجام دے کر احرام کھول دے البتہ یہ فرض عمرہ شمار نہیں ہوگا۔

ج: اس حج کی قضا کرنا، چاہے فرض حج کا احرام باندھا ہو یا نفل حج کا، اس کی فوراً یعنی آئندہ سال ہی قضا کرنا واجب ہے، بغیر کسی عذر کے اس کی قضا میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وقوف عرفہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے، مثلاً سونے یا بھولنے وغیرہ سے، یا کسی عذر کے بغیر، دونوں صورتوں میں قضا ضروری ہے۔

۲۔وقوف عرفہ کے علاوہ کوئی دوسرا رکن چھوڑ دے، مثلاً طواف افاضہ، سعی یا حلق کرنا چھوڑ دے تو یہ کمی کسی چیز سے پوری نہیں ہوگی، بلکہ ان اعمال حج کو ہی بجالانا ضروری ہے، یعنی ان اعمال کے بجالانے تک حج معلق رہے گا، چاہے جتنی بھی مدت گزر جائے۔

چوتھا سبب: احرام کے ممنوعات میں سے کسی کا ارتکاب کرے، مثلاً بال مونڈھائے یا ناخن تراشے، سلے ہوئے کپڑے پہنے یا خوشبو لگائے، یا سر ڈھانکے یا بیوی کے ساتھ صرف بوس وکنار وغیرہ کرے، اگر کوئی ان محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو مندرجہ ذیل کسی ایک چیز کے ذریعے اس کمی کی تلافی کرنا واجب ہے:

أ: ایسی بکری ذبح کرنا جس کی قربانی جائز ہو۔

ب۔چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کو نصف صاع اناج دے۔

ج۔ تین دنوں کے روزے رکھنا۔

ان تینوں میں سے کسی ایک کا اختیار رہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تین بال سے کم نہ نکالا ہو یا تین ناخنوں سے کم نہ تراشا ہو، اگر اس سے کم ہو مثلاً ایک بال نکالے یا ایک ناخن تراشے تو ایک مد کھانا کھلانا کافی ہے، اسی طرح دو بال یا دو ناخن میں دو مد کھلانا کافی ہے۔

۲۔ جماع کرے تو ایک اونٹ ذبح کرنا واجب ہے، اگر اونٹ نہ ملے تو درہم میں اس کی قیمت لگائی جائے (اس میں مکہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا) اور اس قیمت سے اناج خرید کر صدقہ کیا جائے، اگر اونٹ کی قیمت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اس قیمت سے کتنا مد اناج خریدا جا سکتا ہے پھر ہر مد کے بدلے ایک روزہ رکھے۔

۳۔ شکار کرے، اس صورت میں دیکھا جائے گا:

ا۔ شکار کیا ہوا جانور چوپایوں میں سے کسی کے مشابہ ہو تو اس چوپائے کو ذبح کیا کرے، اگر شتر مرغ کا شکار کرے تو ایک اونٹ ذبح کرے، اگر جنگلی گائے یا گدھا شکار کرے تو ایک گائے ذبح کرے، اگر ہرن کا شکار کرے تو بکری ذبح کرے۔

۲۔ اگر جانور ایسا ہو جس کا تذکرہ صحابہ سے منقول نہ ہو اور چوپایوں میں سے کسی کے مشابہ نہ ہو تو دو عادل یعنی معتمد اور تجربہ کار لوگوں سے رجوع کرنا واجب ہے، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "**لَاتَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَاعَدْلٍ مِنْكُمْ**" شکار نہ کرو جب کہ تم حالت احرام میں رہو، اگر تم میں سے کوئی عمداً شکار کرے تو چوپایوں کے جو اس کے مثل ہے وہ اس کی جزا ہے، اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل لوگ کریں گے۔

۳۔ اگر کوئی ایسا جانور ہو جس کے مشابہ کوئی چوپایہ نہ ہو تو اس کی قیمت لگا کر فقراء میں تقسیم کرنا واجب ہے، شکار کی قیمت لگانے میں دو عادل تجربہ کار لوگوں سے رجوع کیا جائے گا۔

۴۔ ان تمام چیزوں سے کبوتر اور اس جیسے پرندے مستثنی ہیں، ان میں سے کسی ایک کا شکار کرنے پر ایک بکری یا بھیڑ دم دینا واجب ہے، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

منقول ہے اور اس سلسلے میں صحابہ کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا متعین کردہ فدیہ ہے، یہی شکار کا اصل فدیہ ہے، اگر جانور کا کوئی مثل پایا جائے تو شکاری کو اختیار رہے کہ اس کے مثل کوئی چوپایہ ذبح کرے اور صرف حرم ہی کے فقراء میں اس کو تقسیم کرے یا درہم میں اس جیسے جانور کی قیمت لگائے اور اس کے مساوی اناج فقراء میں تقسیم کرے یا ہر مد کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان ہے: "**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَاعَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ، أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْعَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا**" اے ایمان والو! شکار نہ کرو جب کہ تم حالت احرام میں رہو، اگر تم میں سے کوئی عمداً شکار کرے تو چوپایوں کے جو اس کے مثل ہے وہ اس کی جزا ہے، اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل لوگ کریں گے جو جانور بطور نیاز کعبہ تک پہنچائے جائیں یا مسکینوں کو کھلانے کا کفارہ ہے یا اس کے برابر روزے (المائدۃ:۹۵)

اگر شکار کسی چوپائے کے مثل نہ ہو تو دو تجربہ کار عادل لوگوں کی مقرر کردہ قیمت کا صدقہ کرے یا ہر مد کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ واجب کے چھوڑنے کے فدیہ میں ترتیب واجب ہے: پہلے ذبح کرنا، اگر ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو صدقہ کرنا، اس سے بھی عاجز ہو تو روزے رکھنا واجب ہے، کسی حرام چیز کے ارتکاب کے فدیہ میں اختیار ہے: چاہے تو ذبح کرے یا فقراء کو کھلائے یا روزہ رکھے، اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ قربانی حاجی کے لیے بھی دوسروں کی طرح سنت ہی ہے اور اس کا وقت رمی جمار کے بعد سے ایام تشریق کے آخری وقت تک ہے۔

حج میں واجب دم کی تفصیلات:

اس اعتبار سے حج میں واجب ہونے والے دم کی پانچ قسمیں ہوئیں:

ا۔ دم مرتب و معین یعنی ایسا دم جو متعین ہے اور ترتیب کے ساتھ واجب ہے: یہ کسی

واجب کو چھوڑنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے، اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو سب سے پہلے ایک بکری یا اونٹ/گائے کا ساتواں حصہ قربانی کرنا واجب ہے، اگر یہ میسر نہ ہوتو اس کے بدلے دس دن کے روزے رکھنا واجب ہے، تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹنے کے بعد، اس میں حج تمتع کا دم اور وقوف عرفہ چھوٹنے کا دم عمرہ کرکے حلال ہونے کے بعد شامل ہے۔

۲، دم مخیرّ و متعین یعنی ایسا دم جو متعین ہے لیکن اس میں ترتیب واجب نہیں ہے: یہ کسی ممنوع چیز کے ارتکاب پر واجب ہوتا ہے، مثلاً بال نکالنا اور ناخن تراشنا وغیرہ اس صورت میں ایک بکری ذبح کی جائے گی یا تین دن کے روزے رکھے جائیں گے یا تین صاع اناج گیہوں یا جو حرم کے چھ مسکینوں کو دیا جائے گا، ہر مسکین کو نصف صاع اناج دیا جائے گا، اس فدیہ کے واجب ہونے کے لیے صرف تین بالوں کا نکالنا یا تین ناخنوں کو تراشنا کافی ہے، اس سے کم ہوتو یہ فدیہ نہیں ہے۔

۳۔ دمِ غیر مرتب معدل یعنی ایسا دم جو متعین نہیں ہے بلکہ شکار کو دیکھ کر متعین کیا جاتا ہے، اس میں ترتیب واجب نہیں ہے: یہ دم حرم کے نباتات کو کاٹنے یا کسی جانور کا شکار کرنے پر واجب ہوتا ہے، اگر شکار کا کوئی مثل یا مشابہ جانور ہوتو حرم ہی میں اس کو ذبح کرنا واجب ہے یا اس کے بدلے اس کی قیمت کا اندازہ لگا کر اناج خریدنا اور فقراء میں تقسیم کرنا واجب ہے یا ہر مد کے بدلے ایک روزہ رکھنا واجب ہے۔

۴۔ دم مرتب معدل یعنی ایسا دم جو متعین نہیں ہے بلکہ جرم کو دیکھ کر متعین کیا جاتا ہے اور اس میں ترتیب واجب ہے: احصار یعنی حج کے ارادے سے نکلے اور کسی رکاوٹ کی وجہ سے حج کے لیے پہنچ نہ سکے تو یہ دم واجب ہوتا ہے، اگر احرام باندھنے کے بعد حج سے روک دیا جائے تو اس پر سب سے پہلے ایک بکری وہیں ذبح کرنا واجب ہے جہاں حج سے روک دیا گیا ہو، اگر بکری ذبح نہ کرسکتا ہوتو دم کی قیمت کے بقدر اناج فقراء میں تقسیم کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو ہر مد کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

۵۔ دمِ مرتب معدل (یہ بھی سابق کی طرح ہی ہے): یہ دم جماع کرنے والے

کے ساتھ خاص ہے، حلال اصغر سے پہلے اگر کوئی جماع کرے تو ایک اونٹ ذبح کرنا واجب ہے، اگر اونٹ کی قربانی نہ کرسکے تو ایک گائے کی قربانی واجب ہے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو سات بکریاں ذبح کرنا واجب ہے، اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہوتو ایک اونٹ کی قیمت کے بقدر اناج حرم کے فقراء کو کھلانا واجب ہے، اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہوتو ہر مد کے بدلے ایک روزہ رکھنا واجب ہے۔

جانور ذبح کرنا اور فقراء میں اناج تقسیم کرنا حرم ہی میں ضروری ہے، حرم کے باہر ذبح کرنے یا فقراء میں تقسیم کرنے سے دم ادا نہیں ہوتا، البتہ روزے جہاں چاہے رکھ سکتا ہے، ان دموں میں ترتیب سے مراد یہ ہے کہ پہلی چیز کی قدرت رہنے کے باوجود دوسری چیز کرنا جائز نہیں ہے اگر پہلی چیز کی استطاعت نہ ہوتو دوسری چیز کرسکتا ہے، یہ اختیار کا ضد ہے، جس میں اختیار رہتا ہے کہ جو چاہے کرے، اس میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حج

ہم حج کے مسائل کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ کے حج کے سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت بیان کررہے ہیں تا کہ ہمارے ذہنوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حج تازہ رہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ جانے کے بعد نو سال تک حج نہیں کیا، پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ حج کرنے والے ہیں، یہ سن کر لوگوں کی کثیر تعداد مدینہ آئی، ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرے اور آپ کے اعمال کی پیروی کرے، چناں چہ ہم آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم ذوالحلیفہ پہنچے، یہاں اسماء بنت عمیس نے محمد بن ابو بکر کو جنم دیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھوایا کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "غسل کرو اور کسی کپڑے سے خون کی جگہ باندھ کر احرام کی نیت کرو"، یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی پھر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے، جب اونٹنی مقام بیداء پہنچی تو میں نے اپنے سامنے حد نگاہ تک پیدل اور سوار لوگوں کو دیکھا، داہنے طرف بھی ایسا ہی منظر تھا اور بائیں طرف بھی اور پیچھے بھی، جب کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور ان پر قرآن نازل ہورہا تھا، وہ اس کی تاویل جانتے تھے، آپ جو بھی عمل کرتے وہی عمل ہم بھی کرتے، آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا: **لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لا شَرِیْکَ لَکَ** (میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریف، نعمت اور ملک تیرے لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں) نبی کریم ﷺ کے ساتھ لوگوں نے بھی تلبیہ پڑھا، آپ ﷺ نے اس وقت کچھ بھی

نہیں کہا بلکہ تلبیہ پڑھتے رہے، جابر فرماتے ہیں کہ ہم حج کی نیت کرتے، ہم عمرہ کو جانتے نہیں تھے، یہاں تک کہ جب ہم آپ کے ساتھ کعبۃ اللہ آئے تو آپ ﷺ نے رکن کو استلام کیا پھر تین مرتبہ رمل کیا اور چار پھیرے چل کر مکمل کیے، پھر آپ مقام ابراہیم پہنچے اور یہ آیت تلاوت کی: "**وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی**" (اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ) آپ مقام ابراہیم اور کعبۃ اللہ کے درمیان کھڑے ہوگئے، آپ نے دو رکعتوں میں "قل ھو اللہ أحد" اور "قل یا أیھا الکافرون" پڑھا، پھر آپ رکن حجر اسود واپس آئے اور استلام کیا، پھر دروازہ سے نکل کر صفا پہنچے، جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت کی: "**اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ**" (صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) میں اسی پہاڑی سے شروع کروں گا جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے، پھر آپ نے سعی صفا پہاڑی سے شروع کی، آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ آپ کو کعبۃ اللہ نظر آیا، آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور اللہ کی وحدانیت بیان کی، تکبیر پڑھی اور یہ دعا کی: "**لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، وَاِنِّیْ اَسْأَلُکَ کَمَا ھَدَیْتَنِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ أَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّیْ حَتّٰی تَتَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ**" (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام لشکروں کو تن تنہا شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں، چاہے کافر لوگوں کو ناگوار لگے، اے اللہ! تو ہی نے فرمایا ہے: "مجھے پکارو، میں تمہارا جواب دوں گا"، اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے، اس کو مجھ سے نہ چھین، یہاں تک کہ مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے) پھر آپ نے دعائیں کی، آپ نے یہ عمل تین مرتبہ کیا پھر اتر کر مروہ پہنچے اور مروہ پہاڑی پر بھی صفا پہاڑی پر کیے گئے اعمال کیے، جب آپ وادی کے درمیان میں پہنچے تو دوڑنے لگے یہاں تک کہ جب پہاڑی پر چڑھ گئے تو آپ چل کر مروہ

آئے اور مروہ پہاڑی پر وہی اعمال کیے جو صفا پہاڑی پر کیے تھے، سعی کے اخیر میں مروہ پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے فرمایا: ''اگر میں ہدی کے جانور نہیں لاتا تو اس کو عمرہ بنا دیتا (حلال ہو جاتا اور حج کے لیے بعد میں دوسرا احرام باندھتا) میں ہدی کے جانور نہیں لایا ہوں، اس لیے میں نے اس کو عمرہ بنا دیا، تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے وہ حلال ہو جائے اور اس کو عمرہ شمار کرے'' سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہو گئے اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا یہ اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلی دوسرے ہاتھ میں داخل کی اور فرمایا: ''عمرہ حج میں داخل ہو گیا (آپ نے یہ بات دو مرتبہ کہی) نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے''، حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں لے کر آئے تو فاطمہ کو دیکھا کہ وہ احرام اتار کر خوشبو لگائے ہوئے کپڑے پہنی ہے اور سرمہ لگائے ہوئے ہے، حضرت علی نے اس چیز کو ناپسند کیا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا: ''میرے ابا نے مجھے اس کا حکم دیا ہے''، راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی عراق میں کہا کرتے تھے: میں فاطمہ کے اس عمل کے سلسلے میں فتوی پوچھنے رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، میں نے آپ سے تذکرہ کیا کہ میں نے فاطمہ کے اس عمل کو ناپسند کیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا، تم نے حج فرض کرتے وقت کیا کہا تھا؟'' حضرت علی نے کہا کہ میں نے یہ کہا: اے اللہ! میں اسی نیت سے احرام باندھتا ہوں جس نیت سے رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے، آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ ہدی کے جانور ہیں، لہٰذا تم احرام نہ کھولو''۔

جن ہدی کے جانوروں کو حضرت علی لے آئے تھے اور حضور ﷺ کے لیے لائے گئے تھے ان کی تعداد سو تھی، راوی کہتے ہیں: تمام لوگ حلال ہو گئے اور انھوں نے بال کاٹا، صرف نبی کریم ﷺ اور ان لوگوں نے احرام نہیں کھولا جن کے پاس ہدی کے جانور تھے، آٹھ ذی الحجہ کو تمام لوگ منی چلے گئے اور وہاں حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے اور وہاں پہنچ کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑھی پھر تھوڑی دیر سورج طلوع ہونے تک رکے، آپ نے نمرہ میں لگائے گئے خیموں کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور رسول اللہ

ﷺ نے چلنا شروع کیا، قریش کو اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ وہ مشعر حرام کے پاس جا کر کھڑے ہو جائیں گے جس طرح قریش جاہلیت میں کیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ یہاں سے آگے بڑھ کر مقام عرفہ آئے تو خیمہ نمرہ میں لگا ہوا دیکھا تو آپ وہاں اتر گئے، جب سورج غروب ہوا تو قصواء پر سوار ہو کر بطن وادی آئے اور لوگوں میں خطاب کیا، فرمایا:

''تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن اس مہینہ تمہارے اس شہر میں حرام ہے، سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے ہے، جاہلیت کا تمام خون باطل ہے، سب سے پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے (وہ بنو سعد میں دودھ پی رہے تھے تو قبیلہ ہذیل نے ان کو قتل کر ڈالا تھا) جاہلیت کا سود بھی باطل ہے اور سب سے پہلا سود جس کو میں باطل کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا ہے، وہ سب باطل ہے، عورتوں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو، کیوں کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے گھروں میں کسی ایسے شخص کو نہ لیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ اس طرح کرے تو تم اس کو ہلکی مار مارو، اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ تم ان کو بھلائی کے ساتھ کھانا کھلاؤ اور پہننے کے لیے کپڑے دو، میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: وہ اللہ کی کتاب ہے، میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا، ذمہ داری ادا کی اور خیر خواہی اور نصیحت کی۔ اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو گواہ رہ''، (آپ نے یہ بات تین مرتبہ کہی) پھر اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی، آپ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی گئی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھی، ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی اور نماز نہیں پڑھی، پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر مقام عرفہ پہنچے اور اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ چٹانوں کی طرف کیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور قبلہ رو ہو کر کھڑے رہے، غروب کے تھوڑی دیر بعد زردی ختم ہونے تک آپ وہیں

کھڑے رہے یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی، آپ نے اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور آگے بڑھے .... جب مزدلفہ پہنچے تو ایک اذان اور دو اقامتوں سے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور ان دو نمازوں کے درمیان کوئی تسبیح نہیں کی، پھر رسول اللہ ﷺ طلوع فجر تک لیٹے رہے اور طلوعِ فجر کے وقت ایک اذان اور ایک اقامت سے صبح کی نماز پڑھی، پھر قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام آئے اور کعبہ کا رخ کر کے دعا کی اور تکبیر پڑھی، لاالــــــہ الااللہ پڑھا اور اللہ کی وحدانیت بیان کی، آپ وہیں خوب اِسفار ہونے تک کھڑے رہے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے نکلے اور یہاں فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کیا، فضل خوبصورت بالوں والے حسین وجمیل اور گورے نوجوان تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو آگے بڑھایا تو عورتوں کی اونٹنیاں دوڑتی ہوئی گزر گئیں، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر رکھا تو فضل اپنا رخ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس جانب سے ہٹا کر دوسری جانب کیا اور دوسری جانب فضل کے چہرہ پر رکھا کہ ان کو دیکھنے سے روکیں، آپ یہاں سے نکل کر بطنِ محسّر تشریف لائے، یہاں تھوڑی دیر رک کر پھر درمیانی راستہ سے چلے جو جمرہ عقبہ پہنچتا ہے، جمرہ کے درخت کے پاس پہنچ کر جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماری، ہر کنکری مارتے وقت آپ نے تکبیر کہی، کنکریاں چنوں کے برابر تھیں، بطن وادی سے آپ نے رمی کیا پھر قربانی گاہ چلے گئے اور اپنے ہاتھ سے ۶۳ اونٹنیاں ذبح کی پھر علی کو دیا تو انھوں نے باقی اونٹنیوں کو ذبح کیا اور ان کو اپنے قربانی کے جانوروں میں شریک کیا، پھر ہر اونٹنی کا تھوڑا سال گوشت نکال کر ہانڈی میں ڈالنے کا حکم دیا، گوشت پکایا گیا، آپ نے اس میں سے کھایا اور شوربہ پیا، پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر کعبۃ اللہ آئے اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

آپ بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم کا پانی حاجیوں کو پلا رہے تھے، آپ نے فرمایا: ”عبدالمطلب کے خاندان والو! پانی نکالو، اگر لوگوں کی طرف سے تمہارے سقایہ (زمزم کے پانی پلانے کی ذمہ داری) پر غالب آنے کا خطرہ نہیں رہتا تو میں خود پانی نکالتا“، بنو عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو ڈول دیا تو آپ نے اس ڈول میں سے پانی پیا۔

مسجدِ نبوی اور قبرِ مبارک کی زیارت

اہمیت اور دلائل

رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی زیارت مستحب ہونے کی دلیل یہ روایت ہے: ”صرف تین مسجدوں کا سفر کیا جاسکتا ہے: مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ“۔

قبر نبوی کی زیارت مستحب ہونے اور اس پر اجر عظیم ملنے کی دلیل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین کرام کا زیارتِ نبی پر اجماع ہے، اسی طرح عمومی طور پر قبروں کی زیارت بھی مستحب عمل ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”میں زیارت قبور سے تم کو منع کیا کرتا تھا، اب اس کی زیارت کرو“، آپ ﷺ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جنۃ البقیع قبرستان کی زیارت کیا کرتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت استحباب میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب قبر رسول اللہ ﷺ کی ہو، اس کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے جب آپ نے حضرت معاذ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا تھا: ”معاذ! شاید اس سال کے بعد تمہاری مجھ سے ملاقات نہ ہو، شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو“ (امام احمد نے صحیح سند سے یہ حدیث نقل کی ہے) یہاں شاید کے معنی طلب اور امید کے ہے۔

مسجدِ رسول ﷺ کی زیارت کے آداب

حاجی جب حج اور عمرہ کے تمام کاموں سے فارغ ہو جائے تو مدینہ کا سفر کرے، تاکہ مسجد نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہو، اس وقت مندرجہ ذیل آداب کی رعایت کرنا چاہیے:

۱۔ مدینہ منورہ میں قبرِ مبارک اور مسجد نبوی کی زیارت کرنا مستحب ہے، تاکہ اس کے حساب میں دونوں کا اجر ایک ساتھ لکھا جائے، راستے میں کثرت سے درود وسلام پڑھتا رہے

۲۔مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو غسل کرے، ورنہ مسجد نبوی جانے سے پہلے غسل کرے اور اپنے پاس موجود سب سے صاف کپڑے پہنے۔

۳۔جب مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو داہنا پاؤں پہلے داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:"**أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ**" (میں اللہ کے واسطے سے جو بڑا زبردست ہے، اور اس کے کریم چہرے کے واسطے سے اور اس کی قدیم بادشاہت کے واسطے سے پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے، میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اے اللہ! تو درود وسلام بھیج محمد پر، اور آل محمد پر، اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"یہ ذکر اور دعا ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھنا مستحب ہے"، اس سلسلے میں صحیح بخاری وغیرہ میں حدیثیں موجود ہیں، پھر داخل ہو کر روضہ کا رخ کرے جو منبر اور نبی کریم ﷺ کے گھر کے درمیان کی جگہ ہے، یہاں پہنچ کر منبر کے پہلو میں تحیۃ المسجد نماز پڑھے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

۴۔روضہ میں تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کے بعد قبر شریف کے پاس آئے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے قبر شریف کی دیوار کی طرف چہرہ کرے اور قبر سے تقریباً چار ذراع دور رہے، اپنے دل سے تمام دنیاوی تعلقات کو نکال کر اس مقام کے جلال اور اس میں موجود شخصیت کے مقام ومرتبہ کا ذہن میں استحضار کرکے قبر مبارک کی جس دیوار کی طرف رخ کرے، وہاں نگاہ نیچی کرکے کھڑا رہے، پھر پست آواز میں سلام کرے اور یہ کہے: "**اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، جَزَاكَ اللهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا وَّ رَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ**

لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ خَلْقِهِ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ، وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ، وَجَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ"۔

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے منتخب کردہ! آپ پر سلام ہو، اے دونوں جہانوں کے پروردگار کے منتخب کردہ! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہماری طرف سے سب امتوں کی طرف سے ان کے نبیوں کو دیے ہوئے بدلے سے بہتر بدلہ دے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس کی مخلوقات میں سے اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام پہنچادیا، امانت ادا کردی اور امت کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اللہ کے راستے میں کما حقہ جہاد کیا۔

پھر داہنی طرف تھوڑا سا مڑے جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر ہے اور یہ کہے: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقَ** (اے ابوبکر صدیق! آپ پر سلام ہو) پھر بائیں طرف مڑے جہاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر ہے اور یہ کہے: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ.** (اے عمر بن خطاب! آپ پر سلام ہو)

پھر پہلی والی جگہ واپس آئے اور قبلہ کی طرف رخ کرکے اپنے لیے اور جملہ مومنین کے لیے جو چاہے دعا کرے، یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اللہ چاہے تو قبولیت سے نوازے گا۔

۵۔نبی کریم ﷺ کی قبر کا طواف کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے، اپنا جسم قبر کی دیوار سے چپکانا مکروہ ہے، اسی طرح اس کو چھونا اور چومنا بھی مکروہ ہے جیسا کہ بہت سے جاہل لوگوں کا شیوا ہے، بلکہ ادب یہ ہے کہ قبر سے دور کھڑا رہا جائے، جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ آپ سے دور کھڑے رہتے تھے۔

۶۔مدینہ منورہ میں جب تک رہے تمام نمازیں مسجد نبوی میں ہی ادا کرے اور ہر دن بقیع قبرستان کی زیارت کے لیے جائے، شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرنا بھی مستحب ہے، اسی طرح مسجد قبا جانا بھی سنت مؤکدہ ہے، مسجد قبا ہر سنیچر کو نبی کریم ﷺ جایا کرتے تھے، اس کا تذکرہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ملتا ہے۔

احصار اور وقوفِ عرفہ چھوٹنے کے احکام

محصر وہ ہے جو کسی رکاوٹ کی وجہ سے مکہ جا کر حج کے اعمال بجالانے سے قاصر ہو، چناں چہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے پھر کوئی دشمن مکہ پہنچنے سے اس کو روک دے یا اس کو قید کیا جائے اور اس کے لیے تمام راستے بند کردیے جائیں تو وہ اسی جگہ حلال ہو جائے گا۔

حلال ہونا یہ ہے کہ جہاں روک دیا جائے وہیں ایک بکری حلال ہونے کی نیت سے ذبح کرے پھر سر منڈھائے یا بال کاٹے۔

اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے: ''**فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ، وَلَاتَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ**'' اگر تم کو روک دیا جائے تو جو ہدی کا جانور میسر ہو (اس کی قربانی کی جائے) اور اس وقت تک اپنا سر نہ منڈھاؤ جب تک ہدی اپنی جگہ نہ پہنچے۔

یہ آیت کریمہ حدیبیہ کے مقام پر اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکین نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکا تھا، جب کہ آپ عمرہ کے احرام میں تھے، آپ نے یہاں قربانی کی پھر سر منڈھایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: ''چلو قربانی کرو پھر سر منڈھاؤ''۔

اگر دم دینے کے لیے جانور نہ ملے تو بکری کی قیمت لگائی جائے اور اس سے اناج خرید کر تقسیم کیا جائے، اگر کھلانے سے بھی عاجز ہو تو ہر مد کے بدلے ایک دن روزہ رکھے، آخری صورت میں وہ اُسی وقت حلال ہوگا، روزے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کرے گا۔

حج یا عمرہ کی رکاوٹوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اجازت نہ دے، جب عورت حج یا عمرہ کا احرام شوہر کی اجازت کے بغیر باندھے، چاہے فرض ہو یا نفل، شوہر

کے لیے جائز ہے کہ وہ حج یا عمرہ سے اس کو حلال کرے، جب شوہر اس سے حلال ہونے کا مطالبہ کرے تو اس کے لیے حلال ہونا واجب ہے، جب کہ شوہر بھی حلال ہو، کیوں کہ احرام جاری رکھنے میں شوہر کی حق تلفی ہے، اس عورت کا حلال ہونا محصر کے مجبوری میں حلال ہونے کی طرح ہے، ان لوگوں پر بعد میں حج کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی کا وقوفِ عرفہ کسی عذر کی بنا پر یا کسی عذر کے بغیر چھوٹ جائے تو طواف، سعی اور حلق کرے اور حلال ہو جائے، اس پر دم بھی واجب ہے اور فوراً دوسرے سال ہی اس کی قضا بھی۔

امام مالک نے موطا میں صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ قربانی کے دن آئے، اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ہدی کے جانور ذبح کررہے تھے، انھوں نے دریافت کیا: امیر المومنین! ہم نے دنوں کے حساب میں غلطی کی، ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ عرفہ کا دن ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مکہ جاؤ اور تم اور تمہارے تمام ساتھی کعبۃ کا طواف کرکے صفا اور مروہ کی سعی کرو، اگر تمہارے ساتھ ہدی کے جانور ہیں تو ذبح کرو پھر بال منڈھاؤ یا کاٹو اور واپس چلے جاؤ، جب دوسرا سال آئے تو حج کرو اور قربانی کرو، جس کے پاس قربانی کے جانور نہ ہوں تو حج میں تین دن روزے رکھے اور گھر لوٹنے کے بعد سات دن''۔

نوٹ: حاجی یا معتمر کے لیے یہ شرط رکھنا جائز ہے کہ اگر میں بیمار ہو جاؤں یا کوئی مصیبت آئے تو میں حلال ہوں، اس صورت میں اس کی شرط لگائی ہوئی چیز ہو جائے تو اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضباعہ بنت زبیر کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: ''تم حج کرنا چاہتی ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تکلیف ہے۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم حج کرو اور شرط لگاؤ اور یہ کہو: اے اللہ میری جگہ وہیں ہے جہاں تو مجھ کو روک دے''۔

اس صورت میں صرف نیت کرنے اور بال منڈھانے سے آدمی حلال ہو جاتا ہے،

دم دینا واجب نہیں ہے، البتہ ہدی کے جانوروں کے ذریعے حلال ہونے کی شرط لگائے تو قربانی کرنا ضروری ہے۔

حج ادا کیے بغیر مرنے والے کا حکم

کوئی حج یا عمرہ فرض ہونے کے بعد بھی تاخیر کرے اور حج یا عمرہ کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے تو وہ گنہ گار ہوگا، اس صورت میں اس کی طرف سے حج یا عمرہ کرنا ضروری ہے، اس کے اخراجات متوفی کے راس المال سے لیے جائیں گے اور اس کا شمار قرض میں ہوگا، اور وراثت کی تقسیم قرض ادا کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے دریافت کیا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں! اس کی طرف سے حج کرو، تمہارا کیا خیال ہے: اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتی؟'' اس نے کہا: ضرور، آپ نے فرمایا: ''اللہ کا قرض ادا کرو، کیوں کہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے''، آپ ﷺ نے حج کو اس قرض سے تشبیہ دی ہے جو موت سے معاف نہیں ہوتا۔

مختلف احکام

☆اگر عورت کے ساتھ حج کرنے والا کوئی محرم نہ ہو تو محرم کی اجرت دینا عورت پر ضروری ہے، جب کہ وہ بغیر اجرت کے ساتھ آنے پر تیار نہ ہو اور عورت میں اس کی اجرت دینے کی طاقت ہو، اگر اس میں اجرت دینے کی طاقت نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

☆اندھے کی رہنمائی کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے، اگر رہنمائی کرنے والا بغیر اجرت کے نہ ملے تو اس کی اجرت دینا ضروری ہے۔

☆اگر کوئی خود سے حج کرنے سے عاجز ہو تو اپنی طرف سے حج کرنے والے کو اجرت مثل (عام طور پر رائج اجرت) دے کر حج کرائے، اگر کوئی شخص اجرت مثل پر حج کرنے کے لیے

نہ ملے، بلکہ زیادہ اجرت طلب کرے تو حج کرانا ضروری نہیں ہے۔

☆اگر کسی کی اولاد یا کوئی دوسرا شخص اجرت دینے کے لیے رقم دے تو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

☆اگر کوئی اس کی طرف سے حج کرنے کے لیے تیار ہو تو اس کو قبول کرنا اور اس کو اجازت دینا ضروری ہے۔

☆اگر سب حاجی غلطی سے نویں دن کے بدلے دسویں دن وقوف عرفہ کریں تو ان کی طرف سے یہ رکن ادا ہوجائے گا اور ان پر قضا واجب نہیں ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یوم عرفہ وہ دن ہے جس کو لوگ جانیں''۔

☆حائضہ عورت طوافِ وداع کیے بغیر سفر کرسکتی ہے، صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ آپ نے حائضہ عورت سے طواف وداع معاف کردیا۔

☆جس طرح حاجی کے لیے شکار کرنا حرام ہے، اسی طرح حرم کے خودرو پودوں اور نباتات کو کاٹنا بھی حرام ہے، اس میں بھی فدیہ واجب ہے، بڑا درخت ہو تو ایک اونٹنی، چھوٹا ہو تو ایک بکری، نباتات ہو تو اس کی قیمت۔

مدینہ کا شکار بھی حرم کے شکار کی طرح ہی حرام ہے، لیکن اس میں تاوان نہیں ہے۔

اگر بچہ حج کرے تو اس کا حج صحیح ہوجاتا ہے لیکن فرض حج ادا نہیں ہوتا، جب وہ بالغ ہوجائے تو فرض حج کرنا اس پر ضروری ہے، جب کہ اس میں استطاعت کے تمام شرائط پائے جائیں۔

حج کا مکمل طریقہ

گذشتہ صفحات میں حج وعمرہ اوران کے فرض ہونے کی شرطیں، حج وعمرہ کے ارکان اوران کے واجبات، مفسدات، رسول اللہ ﷺ کا حج اور حج وعمرہ سے متعلق بہت سارے مسائل بیان کیے گئے، اب ہم چاہتے ہیں کہ حج کے اعمال کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جائے تا کہ ہر مسلمان کے لیے اس عظیم فریضہ کی ادائیگی میں آسانی ہو۔

مسلمان حج کا سفر کرنے سے پہلے اپنی ذمے داریوں اور حقوق کو ادا کرے، اگر اس پر قرض ہو تو قرض ادا کرے یا قرض خواہ سے حج کے سفر کی اجازت لے، اگر کسی مسلمان کو تکلیف دی ہو تو اس سے معافی مانگے۔

حج کے لیے نیک ساتھیوں کا انتخاب کرے، خصوصاً دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد کے ساتھ سفر کرے، فریضۂ حج کی صحیح اور مکمل طور پر ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے۔

سفر سے پہلے حج کے ضروری احکام سیکھے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حاجی کو حج کے احکام سیکھنا فرضِ عین قرار دیا ہے۔

جب حج کا سفر شروع کرے تو اپنے گھر سے ہی احرام باندھنا جائز ہے، ورنہ میقات سے احرام کی نیت کرنا واجب ہے۔

جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے (چاہے گھر سے احرام باندھے یا میقات سے) تو سب سے پہلے غسل کرے پھر احرام کے کپڑے پہنے، احرام کے کپڑے بغیر سلی ہوئی لنگی اور چادر ہے، پھر احرام کی سنت نماز دو رکعت ادا کرے پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہے: "**لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِالْحَجِّ**"، اس کے ساتھ دل سے بھی نیت کرے، حج کرتے وقت یہ کلمات کہے، اگر عمرہ کرنا ہو تو یہ کہے: "**لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِالْعُمْرَةِ**" جب آدمی احرام کی نیت کرتا ہے تو محرم ہو جاتا ہے اور اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جن کا تذکرہ

ممنوعاتِ احرام میں ہو چکا ہے۔

اگر ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے تو فدیہ دینا واجب ہے، جس کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں، البتہ جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے اور فدیہ بھی واجب ہوتا ہے۔

اگر سفر ہوائی جہاز سے ہو تو مستحسن یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر سوار ہوتے ہی احرام باندھے، تا کہ احرام کے بغیر میقات سے ہوائی جہاز آگے نہ بڑھ جائے، کیوں کہ اس صورت میں دم لازم آتا ہے۔

جب حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو یہ دعا پڑھنا سنت ہے: "**اَللّٰهُمَّ أَحْرَمَ لَكَ شَعْرِيْ وَبَشَرِيْ وَلَحْمِيْ وَدَمِيْ**" (اے اللہ! آپ کے لیے میرے بال، میرا چمڑا، میرا گوشت اور میرا خون سب کچھ احرام میں آگئے) اور اس کے لیے تلبیہ پڑھنا سنت ہے، خصوصاً اس وقت جب چڑھے یا کسی وادی میں اترے یا ساتھیوں سے ملاقات ہو، تلبیہ یہ ہے: "**لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ**"۔ حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تمام تعریف، نعمت اور ملک تیرے لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

اس حکم میں عورت بھی مرد کی طرح ہی ہے، البتہ سلے ہوئے کپڑے اتارنا اس کے لیے واجب نہیں ہے، اور وہ تلبیہ بلند آواز سے نہیں پڑھے گی، البتہ عورت کے لیے اپنا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کھلی رکھنا واجب ہے اور ہاتھوں کو مہندی لگانا مسنون ہے، اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

جب محرم مکہ کے قریب پہنچے تو مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے، اور افضل یہ ہے کہ ذی طوی کنویں کے پاس غسل کرے، اس کی بھی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

مکہ پہنچتے ہی طواف قدوم کے ارادہ سے فوراً بیت اللہ چلا جائے اگر حج کی نیت ہو، اگر عمرہ کی نیت سے آئے تو عمرہ کے طواف کی نیت کرے، کعبہ کو دیکھتے ہی اپنا ہاتھ اٹھا کر

تکبیر پڑھے اور یہ دعا کرے: "اَللّٰھُمَّ زِدْھٰذَاالْبَیْتَ تَشْرِیْفًاوَّتَعْظِیْمًاوَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً، وَزِدْمَنْ شَرَّفَہٗ وَعَظَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ أَوِاعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًاوَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا، اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَارَبَّنَابِالسَّلَامِ" (اے اللہ! اس گھر کی عزت، عظمت، احترام اور ہیبت میں اضافہ فرما، اور حج یا عمرہ کے ارادے سے اس گھر کا قصد کرنے والوں میں سے جو اس کو عزت اور عظمت دے ان کی عزت، احترام اور نیکی میں اضافہ فرما، اے اللہ! تو سلام ہے، اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، چناں چہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ) پھر جو چاہے دعا کرے، مسجد حرام میں بنی شیبہ دروازے سے داخل ہونا مستحب ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ اسی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔

پھر کعبہ کے پاس آئے اور حجر اسود سے طواف شروع کرے، ہو سکے تو اپنے ہاتھ سے استلام کرے یا حجر اسود کو بوسہ دے، یہ سنت ہے، جب بوسہ دے تو اس کے لیے اپنا سر اٹھا کر تھوڑا سا پیچھے ہٹنا واجب ہے تا کہ کعبۃ اللہ کی عمارت سے نکل جائے، اگر بوسہ نہ دے سکتا ہو تو دور سے اشارہ کرے۔

طواف میں ستر کرنا اور حدث ونجاست سے پاک ہونا ضروری ہے، اگر طواف کے دوران حدث لاحق ہو جائے تو طہارت حاصل کرے اور شروع سے دوبارہ طواف کرے، کعبۃ اللہ کے باہر سے طواف کرنا ضروری ہے، اگر "حجر" کے ایک دروازے سے داخل ہو جائے اور دوسرے دروازے سے نکلے تو اس کا یہ شوط یعنی پھیرا شمار نہیں ہوگا، کیوں کہ حجر بھی کعبۃ اللہ کا حصہ ہے۔

طواف کے شروع میں یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: "بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًابِکَ وَتَصْدِیْقًابِکِتَابِکَ، وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ، وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ" (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد وپیمان کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے

ہوئے میں طواف شروع کرتا ہوں) اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے یہ دعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْبَیْتَ بَیْتُکَ، وَالْحَرَمُ حَرَمُکَ، وَالْأَمْنُ أَمْنُکَ، وَھٰذَامُقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ" (اے اللہ! کعبۃ اللہ تیرا گھر ہے، اور حرم تیرا حرم ہے، اور امن تیرا امن ہے، اور یہ تیرے حضور جہنم کی آگ سے پناہ مانگنے کی جگہ ہے) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے: "رَبَّنَا آتِنَافِي الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِي الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ" (اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں بہتری عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا)، پھر طواف کے دوران جو چاہے دعا مانگے

پہلے تین شوط میں رمل کرنا مسنون ہے جب کہ اس طواف کے بعد سعی کرنا ہو، رمل یہ ہے کہ قدم قریب قریب ڈال کر تیز چلے، اور باقی چار شوط چل کر پورا کرے، رمل کے دوران یہ دعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا، وَذَنْبًامَّغْفُوْرًا، وَسَعْیًامَّشْکُوْرًا"۔ اے اللہ! تو اس کو نیکیوں والا حج بنا، گناہوں کی مغفرت کا سبب بنا، قابل قدر کوشش بنا۔

ہر اس طواف میں "اضطباع" کرنا مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو، اضطباع یہ ہے کہ اپنی چادر کا درمیانی حصہ بائیں مونڈھے کے نیچے ڈالے اور مونڈھا کھلا ہوا ہو اور چادر کے دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈالے۔

"رمل" اور "اضطباع" کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے، عورت رمل اور اضطباع نہیں کرے گی۔

طواف میں مسنون یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کے قریب رہے، کعبۃ اللہ اور طواف کرنے والے کے درمیان تین قدم کا فاصلہ ہو، البتہ اگر قریب رہنے میں تکلیف ہوتی ہو تو دور رہنا افضل ہے، بھیڑ رہنے کی صورت میں عورت کو مطاف کے کنارے رہنا مسنون ہے۔

رکنِ یمانی کو استلام کرنا مسنون ہے، البتہ دور سے اشارہ کرنا کافی ہے، رکن یمانی کو بوسہ دینا سنت نہیں ہے، البتہ بوسہ دے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

کعبہ کے چار گوشے ہیں: ایک وہ گوشہ جس میں حجر اسود ہے، اس سے متصل دوسرا

رکنِ عراقی پھر تیسرا رکنِ شامی پھر چوتھا رکنِ یمانی ہے، رکن یمانی اور اس رکن کو جس میں حجر اسود ہے "رکنان یمانیان" کہا جاتا ہے۔

جب طواف سے فارغ ہو جائے تو مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت طواف کی سنت نماز ادا کرے، پہلی رکعت میں "قل یـا أیھا الکافرون" اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ أحد" پڑھے۔

ان دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد حجر اسود کے پاس آئے اور ممکن ہو تو اس کا بوسہ لے یا استلام کرے۔

پھر سعی کرنے کے لیے صفا دروازے سے داخل ہو اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر سعی شروع کرے، جب صفا پہاڑی پر چڑھ جائے تو یہ دعا پڑھے: "اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ عَلٰی مَاھَدَانَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا أَوْلَانَا، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لَا شَرِیْکَ لَہُ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ أَنْجَزَ وَعْدَہُ وَنَصَرَ عَبْدَہُ وَھَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَہُ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ" (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، کیوں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی ہے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، کیوں کہ اس نے ہم پر احسانات کیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے، اور اسی کے لیے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام لشکروں کو تنِ تنہا شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں، چاہے کافر لوگوں کو ناگوار لگے) پھر اس کے بعد دین و دنیا سے متعلق جو چاہے دعا کرے۔

دوسرے اور تیسرے پھیرے میں بھی ذکر اور دعا کا دہرانا مسنون ہے۔

پھر صفا سے اترے اور چلے، جب ہری نشانی کے پاس آئے تو رمل کرتے ہوئے دوسری نشانی کے پاس آئے (ان دو ہری نشانیوں کو "میلین اخضرین" کہا جاتا ہے) اور یہاں سے چل کر مروہ پہاڑی کے پاس پہنچے، اس طرح ایک شوط پورا ہو جائے گا۔

پھر مروہ سے صفا آئے، یہ دوسرا شوط ہوگا، فرض یہ ہے کہ سات شوط مکمل کرے، سعی میں رمل کرنا مردوں کے لیے مسنون ہے، البتہ عورتوں کے لیے مسنون نہیں ہے۔

سعی کے دوران یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: "اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ، اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّۃِ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ إِثْمٍ، وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ، اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ التُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی"۔ اے اللہ! اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی ہوں، اور تیری مغفرت کے پختہ امور، جنت کے حصول میں کامیابی، ہر برائی سے سلامتی اور آگ سے چھٹکارے کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے تقوی، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صفا سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کرنا واجب ہے۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سعی طواف قدوم یا طوافِ رکن کے بعد ہی کی جاتی ہے۔

جب سعی مکمل کرے تو عمرہ کا احرام ہو تو بال منڈھائے یا کاٹے، اس طرح اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا، اگر حج کا احرام ہو تو آدمی حلال نہیں ہوتا، بلکہ مکہ میں حالتِ احرام ہی میں آٹھ ذی الحجہ تک رہے۔

جب آٹھویں ذی الحجہ کا دن یعنی یوم الترویہ آئے تو محرم نہ ہو تو حج کا احرام باندھے پھر سب حاجی منی چلے جائیں اور وہاں رات گزاریں، آٹھویں ذی الحجہ کو منی جانا سنت ہے، منی نہ جانے کی صورت میں حج میں کوئی کمی نہیں آتی۔

نویں ذی الحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد حاجی منیٰ سے عرفات چلا جائے، سنت یہ ہے کہ حاجی عرفات کے میدان میں سورج کے زوال کے بعد ہی داخل ہو، بلکہ یہ بھی سنت ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد تک مقامِ نمرہ میں رکا رہے اور وہیں ظہر اور عصر کی نماز ملا کر جمع تقدیم کرے۔

پھر عرفات کے میدان میں داخل ہو اور سورج غروب ہونے تک وہیں رکا رہے، عرفات کے میدان میں حاجی اپنے رب کا ذکر کرے اور اپنے رب سے جو چاہے مانگے اور کثرت سے **لاالہ الااللہ** پڑھتا رہے، وقوف عرفہ رکن ہے، اس کا ادا کرنا ضروری ہے

اس عظیم دن پڑھی جانے والی بہت سی دعائیں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا، وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا، وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ، وَيَسِّرْلِيْ أَمْرِيْ '' (اے اللہ! میرے دل میں نور عطا فرما، میرے کان میں نور عطا فرما، میری آنکھ میں نور عطا فرما، اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے، اور میرے لیے میرا معاملہ آسان فرما دے) یہ بھی دعا ہے: **''رَبَّنَا آتِنَافِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهُ لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّاأَنْتَ، فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُالرَّحِيْمُ، اَللّٰهُمَّ انْقُلْنِيْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ اِلىٰ عِزِّالطَّاعَةِ، وَاكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ، وَنَوِّرْقَلْبِيْ وَقَبْرِيْ، وَاهْدِنِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ، وَاجْمَعْ لِيَ الْخَيْرَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْهُدىٰ وَالتُّقىٰ وَالْعَفَافَ وَالْغِنىٰ ''** (اے ہمارے پروردگار! دنیا میں ہم کو بہتر عطا فرما، اور آخرت میں بھی بہتر عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا، اے اللہ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، چناں چہ تو میری مغفرت فرما، کیوں کہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں، چناں چہ میری اپنی طرف سے مکمل مغفرت فرما، اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے، اے اللہ! مجھے معصیت اور گناہ کی ذلت سے نکال کر اطاعت کی عزت میں لے آ، اور اپنے حلال کے ذریعے اپنی حرام کردہ چیزوں

کے لیے کافی ہو جا، اور مجھے اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز کر دے، اور میرے دل اور قبر کو منور کر دے، اور مجھے ہدایت دے، اور مجھے تمام شرور سے محفوظ رکھ، اور میرے لیے تمام خیر کو جمع کر دے، اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقوی، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں) ایک یہ بھی دعا ہے: **''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَرىٰ مَكَانِيْ، وَتَسْمَعُ كَلَامِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ وَلَايَخْفىٰ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِيْ، أَنَاالْبَائِسُ الْفَقِيْرُالْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ، الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ، الْمُقِرُّالْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهِ، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، أَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، مَنْ خَشَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ، وَذَلَّ لَكَ جَسَدُهُ، وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنُهُ، وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ ''** ۔اے اللہ! تو مجھے دیکھ رہا ہے اور میری باتوں کو سن رہا ہے، اور میری پوشیدہ اور علانیہ چیزوں سے واقف ہے، اور تجھ پر میری کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں ہے، میں بے چارہ اور فقیر ہوں، مدد اور پناہ طلب کرنے والا ہوں، گھبرایا ہوا اور خوف زدہ ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرنے والا ہوں، میں تجھ سے مسکین کے مانگنے کی طرح مانگتا ہوں، ذلیل گنہ گار کے گڑگڑانے کی طرح گڑگڑاتا ہوں، خوف زدہ اور بیمار کے پکارنے کی طرح تجھ کو پکارتا ہوں، جس کی گردن تیرے لیے جھک گئی ہے، اور جس کا جسم تیرے خاطر ذلیل ہو گیا ہے، اور جس کی آنکھیں تیرے خاطر آنسو بہا رہی ہیں، اور تیرے خاطر جس کی ناک غبار آلود ہو گئی ہے۔

جب سورج غروب ہو جائے تو مزدلفہ چلا جائے، عرفات کے میدان میں سورج کے زوال سے عید کے دن طلوعِ فجر تک صرف ایک لحظہ رکنا کافی ہے، اس دوران جب بھی ٹھہرے فرض ادا ہو جائے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ دن کا ایک حصہ اور رات کا ایک حصہ وہاں رکا رہے۔

جب حاجی مزدلفہ پہنچے تو مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت میں جمع تاخیر پڑھے، یہاں آدھی رات کے بعد تک رکا رہنا ضروری ہے، اگر آدھی رات سے پہلے یہاں سے نکلے تو دم واجب ہو جاتا ہے، منیٰ سے رمی کی کنکریاں لینا مستحب ہے، کنکریاں چھوٹی

ہوں، پھر فجر کی نماز پڑھے اور مشعرِ حرام کے پاس آ کر کھڑا رہے (مشعر حرام مزدلفہ کے آخری کنارہ ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے) اور اللہ کے حضور یہ دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ كَمَا أَوْقَفْتَنَا فِيْهِ وَأَرَيْتَنَا إِيَّاهُ، فَوَفِّقْنَا لِذِكْرِكَ كَمَا هَدَيْتَنَا، وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا بِقَوْلِكَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ ﴿فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّيْنَ، ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ " (اے اللہ! جس طرح تو نے ہم کو اس مقام پر کھڑا کیا ہے اور یہ مقام ہم کو دکھایا ہے، اسی طرح تو ہمیں اپنے ذکر کی توفیق دے، جس طرح تو نے ہم کو ہدایت دی ہے، اور ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما، جیسا کہ تو نے اپنے فرمان میں وعدہ فرمایا ہے، اور تیری بات حق ہے: "جب تم عرفات سے چلے آؤ تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے، اگر چہ تم اس سے پہلے گمراہ لوگوں میں تھے، پھر تم وہاں چلے جاؤ جہاں لوگ جاتے ہیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے) مشعرِ حرام کے پاس رکنا سنت ہے۔

اِسفار (مشرق سے روشنی اتنی پھیل جائے کہ ایک دوسرے کا چہرہ نظر آئے) تک قبلہ رو ہو کر مشعرِ حرام کے پاس کھڑا رہنا مسنون ہے، پھر منیٰ کی طرف چلے، تاکہ سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں پہنچے۔

جب حاجی منیٰ پہنچے تو جمرہ عقبہ کو رمی کرنا واجب ہے، یہ مکہ کے راستے کے کنارے پر منیٰ کے مغرب میں بڑا جمرہ ہے۔

رمی کرتے وقت جمرہ کی طرف رخ کر کے اس طرح کھڑا رہنا مسنون ہے کہ منیٰ داہنے طرف ہو اور مکہ بائیں طرف، رمی کرتے وقت تلبیہ پڑھنا بند کر دے۔

ہر کنکری پر تکبیر کہنا اور یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: "اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں) داہنے ہاتھ سے رمی کرنا مسنون ہے، ہاتھ اتنا اوپر اٹھائے کہ اس کے بغل کی سفیدی نظر آئے، البتہ عورت اپنا ہاتھ نہ اٹھائے۔

کنکری نشانے پر لگنا واجب ہے، اگر نہ لگے تو یہ کنکری شمار نہیں ہوگی۔

جب حاجی رمی کرے تو ہدی کے جانور ہو تو ان کو ذبح کرے، ہدی وہ جانور ہے جس کو حاجی مکہ اور حرم مکہ کو ہدیہ کرنے کے لیے اپنے ساتھ لاتا ہے تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

پھر بال منڈھائے یا کاٹے، مرد کے لیے بال منڈھانا افضل ہے اور عورت کے لیے بال کاٹنا، یہ حج کے ارکان میں سے ہے۔

رمی کرنے اور بال نکالنے کے بعد آدمی جزئی حلال ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تمام ممنوعات اور محرمات جائز ہو جاتے ہیں مثلاً سلے ہوئے کپڑے اور خوشبو وغیرہ، البتہ عورتیں اب بھی حرام ہی رہتی ہیں۔

پھر حلق یا تقصیر کے بعد مکہ آئے اور طوافِ افاضہ کرے، یہ بھی رکن ہے، اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔

اگر طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو سعی کرے، جب حاجی رمی، حلق یا تقصیر اور طواف افاضہ کرے تو اس کے لیے تمام چیزیں بشمول عورت اور شادی کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے پھر منیٰ آ کر رات گزارے، منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے، چھوڑنے پر دم واجب ہو جاتا ہے۔

زوالِ شمس کے بعد یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے کے وقت رمی کا وقت شروع ہوتا ہے، جمرہ اولی کو سات کنکریاں مارے پھر جمرہ وسطی پھر اخیر میں جمرہ عقبہ کو سات سات کنکریاں مارے، رمیِ جمرات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پھر منیٰ میں دوسری رات گزارے اور ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد جمرہ اولی پھر جمرہ ثانیہ پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے۔

اس دن یعنی ایام تشریق کے دوسرے دن کی رمی کے بعد مکہ جانا جائز ہے، اس طرح حج کے تمام اعمال مکمل ہوجائیں گے۔

لیکن اس صورت میں سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ چھوڑنا واجب ہے، اگر منیٰ میں اس کی موجودگی میں سورج غروب ہوجائے تو یہیں پر تیسری رات گزارنا بھی واجب ہے، جب ظہر کا وقت آئے تو رمی کر کے مکہ چلا جائے۔

جب حاجی اپنے گھر لوٹنا چاہے تو کعبۃ کا طواف کرنا واجب ہے، اس کو طواف وداع کہتے ہیں، اگر یہ طواف نہ کرے تو اس پر دم واجب ہوجاتا ہے، البتہ حائضہ عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ یہ طواف اس کے لیے معاف ہے، طواف وداع کے بعد سفر میں جلدی کرنا واجب ہے، اگر اس کے بعد بھی مکہ میں رکا رہے تو دوبارہ طواف کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

آب زمزم پینا اور پیتے وقت قبلہ رو ہونا مستحب ہے، اسی طرح آب زمزم پیتے وقت اپنے لیے جو خیر چاہے اس کی نیت کرنا بھی مستحب ہے۔

أیمان یعنی قسمیں

أیمان کی تعریف: أیمان، یمین کی جمع ہے، اور عربی زبان میں یمین طاقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ" (حاقۃ ۴۵) ہم اس کو قوت سے پکڑیں گے۔

شاعر کہتا ہے:

إِذَا مَارَأيَةٌ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ   تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِيْنِ

جب کوئی پرچم عزت وشرف کے لیے بلند کیا جاتا ہے تو عرابۃ قوت کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے۔

یمین داہنے ہاتھ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں قوت وطاقت پائی جاتی ہے، یمین کا استعمال کسی عظمت والی ذات یا چیز کی قسم کھانے کے لیے بھی ہوتا ہے

قسم کو یمین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب جب قسم کھاتے تھے تو ہر ایک اپنے ساتھی کا داہنا ہاتھ پکڑتا تھا۔

اللہ عزوجل کے کسی نام یا صفت کا تذکرہ کر کے مخصوص صیغہ (لفظ) کے ذریعے کسی غیر ثابت بات کی توثیق کرنا اصطلاح میں یمین کہلاتا ہے۔

توثیق کرنے کی قید کی وجہ سے یمین لغو اس میں شامل نہیں ہے، یہ وہ قسم ہے جو زبان سے کسی معاملے کی توثیق کرنے کے ارادے کے بغیر نکل آتی ہے: مثلاً کوئی شخص کہتا ہے: **لا واللہ** (نہیں، اللہ کی قسم) **بلی واللہ** (کیوں نہیں، اللہ کی قسم)

یہ شرعی طور پر منعقد قسم شمار نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ" (مائدہ) اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم

(توڑنے) پر مواخذہ نہیں فرماتے، لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کرو (پھر توڑو)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت **لَا وَاللّٰهِ ، بَلٰى وَاللّٰهِ** کے سلسلے میں نازل ہوئی (امام بخاری نے یہ روایت کی ہے) امام ابوداؤد (باب لغو الیمین ۳۲۵۴) نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اپنے گھر میں گفتگو کرتا ہے تو کہتا ہے، **كَلَّا وَاللّٰهِ** (ہرگز نہیں، اللہ کی قسم) **بلى والله** (کیوں نہیں، اللہ کی قسم) یہ وہی قسم ہے''۔ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ۱۱۸۷)

غیر ثابت کی قید لگانے سے ثابت کلام کی توثیق کے لیے کھائی جانے والی قسم نکل گئی، مثلاً کوئی کہے: اللہ کی قسم! میں ضرور بالضرور مروں گا۔ کیوں کہ ہر ایک کا مرنا یقینی ہے، یا یہ کہے: اللہ کی قسم! سورج طلوع ہو کر رہے گا۔ کیوں کہ سورج کو طلوع ہونا ہی ہے۔

یہ شرعی طور پر منعقد قسم نہیں ہے، کیوں کہ یہ چیز محقق ہے اور اس میں قسم کو پورا کرنے کا تصور اور سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

قسم ماضی کے سلسلے میں بھی کھائی جاتی ہے، مثلاً کوئی کہتا ہے: اللہ کی قسم! میں نے ایسا نہیں کیا، اللہ کی قسم! میں نے ایسا کیا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا**'' (توبہ) وہ اپنی کہی ہوئی بات پر اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔

اسی طرح قسم مستقبل کے لیے کھائی جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کہتا ہے: اللہ کی قسم! میں ایسا کروں گا، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں ضرور قریش کے ساتھ جنگ کروں گا'' (ابوداؤد نے یہ روایت کی ہے: ۳۲۸۵)

شرعی طور پر یمین کا حکم:

عام حالات میں قسم کھانا مکروہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ** '' اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعے حجاب نہ بناؤ (بقرۃ ۲۲۴) یعنی اللہ

تعالیٰ کی قسم زیادہ مت کھاؤ، اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی کبھار قسم کھانے والا اپنی قسم پورا نہیں کر پاتا ہے۔

حضرت حرملہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا: ''میں نے اللہ کی نہ سچی قسم کھائی ہے اور نہ جھوٹی''۔

اسباب اور نتائج کے اعتبار سے قسم کے مختلف احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔**حرام**: جب حرام کام کرنے یا کوئی فرض چھوڑنے کی قسم کھائے یا جھوٹی قسم کھائے

۲۔**واجب**: کسی مظلوم کو انصاف دلانے یا کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو: مثلاً کسی شخص کے خلاف دعوی کیا جائے اور اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا جائے اور اس کو معلوم ہو کہ اگر وہ قسم نہیں کھائے گا تو مدعی جھوٹی قسم کھائے گا، جس کی وجہ سے ایک بری شخص پر ظلم ہوگا۔

۳۔**مباح**: جب ثواب کا کام کرنے یا معصیت سے بچنے یا حق کی طرف رہنمائی کرنے یا باطل چیز سے ڈرانے اور چوکنا کرنے کے لیے قسم کھائے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان اسی قبیل سے ہے: ''اللہ کی قسم! اللہ نہیں اکتائے گا یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ گے'' (بخاری: ۴۳) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کثرت عبادت اور طاعت سے اللہ نہیں اکتائے گا، بلکہ افراط کی وجہ سے تم اکتا جاؤ گے، اسی لیے اسلام میں اعتدال و توازن کا حکم ہے اور افراط سے منع کیا گیا ہے۔

۴۔**مندوب**: سننے والوں کو متاثر کرنے اور کسی موعظت یا نصیحت کی تصدیق اور توثیق کرنے کے لیے قسم کھانا مندوب ہے۔

گفتگو میں عمداً قسم کھانے کی ممانعت:

اللہ عزوجل کے ساتھ یہ بے ادبی ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام کو اپنا تکیہ کلام بنائے، دوسروں کو مطمئن کرنے اور دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لیے بے پرواہی

کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائے، اللہ اس بری عادت سے چوکنا کرتے ہوئے فرماتا ہے:
''ولا تجعلوا الله عرضة لأيمانكم أن تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس والله سميع عليم'' (بقرہ ۲۲۴) اور تم اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب سننے اور جاننے والا ہے۔

کیوں کہ مومن اللہ عزوجل کی تعظیم کرتا ہے، اللہ کی خشیت اور خوف سے اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

عظمتِ الٰہی اور خشیتِ خداوندی کے یہ منافی ہے کہ اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے، اس عادت کا سب سے خطرناک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قسم کھانے والا اللہ عزوجل کی قسم کھانے میں کبھی عمداً جھوٹ بولتا ہے، جس کو اصطلاح میں یمین غموس کہا جاتا ہے، جس کا انتہائی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ قسم اس کو جہنم کی آگ میں ڈبو دیتی ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے، اسی طرح یہ قسم کمائی اور دولت میں خیر و برکت سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔

امام بخاری (۱۹۸۱) اور امام مسلم (۱۶۰۶) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''قسم سے مالِ تجارت فروخت ہوتا ہے، لیکن برکت ختم ہوتی ہے''۔

امام بخاری (۶۲۹۸) نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کا قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں''۔

قسم منعقد ہونے کی شرطیں:

قسم منعقد ہونے کے لیے مندرذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ قسم کھانے والا بالغ اور عاقل ہو:

کیوں کہ غیر بالغ اور غیر عاقل مکلّف نہیں ہے، اس کی دلیل امام ابو داؤد (باب فی

المجنون یسرق أو یصیب، حدیث ۴۴۰۳) وغیرہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا (یعنی وہ مکلّف نہیں ہیں): سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، اور پاگل سے یہاں تک کہ اس کی عقل لوٹ آئے''۔

۲۔ یمین لغو نہ ہو:

مثلاً: بلی واللہ، لا واللہ، وغیرہ کلمات جو لوگوں کے زبان زد رہتے ہیں اور لوگ بغیر ارادہ کے کہتے ہیں۔
اس کے دلائل گزر چکے ہیں۔

۳۔ قسم مندرجہ ذیل کسی ایک چیز کے ذریعے کھائی جائے:

ا: اللہ عزوجل کی ذاتِ عالی سے قسم کھائے:
مثلاً کوئی شخص کہے: میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں، میں اللہ عزوجل کی قسم کھاتا ہوں

ب: اللہ تعالیٰ کے کسی مخصوص نام سے قسم کھائے:
مثلاً کوئی کہے: میں رب العالمین کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کے مالک کی قسم کھاتا ہوں، میں رحمان کی قسم کھاتا ہوں۔

ج: اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے قسم کھائے:
مثلاً کوئی کہے: میں اللہ کی عزت کی قسم کھاتا ہوں، میں اللہ کے علم، اللہ کے ارادے، اللہ کی قدرت کی قسم کھاتا ہوں۔

ان تمام امور کی دلیل صحیح روایتوں میں ملتی ہے:

امام بخاری (۶۲۷۰) اور امام مسلم (۱۶۴۶) نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قافلہ میں چلتے ہوئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے والد کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سن لو! اللہ تم کو اپنے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، جو کوئی قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا

خاموش رہے"۔

امام بخاری (۶۲۵۳) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ اس طرح قسم کھایا کرتے تھے: "نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم"۔

امام بخاری وغیرہ کی روایت کردہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح قسم کھایا کرتے تھے: "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے"، "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے" (بخاری: کتاب الایمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی ﷺ، حدیث ۶۲۵۴، ۶۲۵۵)

اگر کوئی مذکورہ امور کے علاوہ قسم کھائے تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی سابقہ حدیث: "جو کوئی قسم کھانا چاہے تو اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے"۔

۲۔ مذکورہ امور کے علاوہ میں کمالِ عظمت نہیں پائی جاتی، اور مومن کو اللہ عزوجل کے علاوہ کسی دوسرے کی ذاتی تعظیم سے منع کیا گیا ہے۔

قَسم کی دو قسمیں ہیں:

صریح اور کنایہ:

۱۔ صریح:

صریح ہر وہ قسم ہے جس میں آدمی اللہ تعالیٰ کے کسی مخصوص نام کے ساتھ قسم کھائے، مثلاً کہے: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، میں رب العالمین کی قسم کھاتا ہوں۔

۲۔ کنایہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی مطلق صفت کے ذریعے قسم کھائے، مثلاً کوئی کہے: میں

خالق کی قسم کھاتا ہوں، میں رزاق کی قسم کھاتا ہوں، میں رب کی قسم کھاتا ہوں۔

یا کسی ایسی صفت کے ذریعے قسم کھائے جو اللہ عزوجل کے لیے بھی استعمال ہوتی ہو اور دوسروں کے لیے بھی، مثلاً کہے: میں موجود کی قسم کھاتا ہوں، میں عالم کی قسم کھاتا ہوں، میں حی (زندہ) کی قسم کھاتا ہوں۔

یا اللہ عزوجل کی کسی بھی صفت سے قسم کھائے: مثلاً اللہ کی قدرت، علم اور کلام وغیرہ

صریح قسم کا حکم:

صریح قسم صرف زبان سے ادا کرنے سے ہی منعقد ہو جاتی ہے، اس صورت میں قسم کھانے والے کی یہ بات قابل قبول نہیں ہوگی کہ میں نے اس سے قسم مراد نہیں لی ہے، کیوں کہ ان الفاظ میں قسم کے علاوہ کسی دوسری چیز کا احتمال نہیں پایا جاتا۔

اگر وہ کہے: میں نے لفظ "اللہ" سے اللہ عزوجل کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو مراد لیا ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، لیکن اس میں یمین منعقدہ کا ارادہ رہنا ضروری ہے۔

یعنی اگر یہ لفظ سبقتِ لسانی کی وجہ سے زبان پر آئے اور اس کا مقصد قسم کھانا نہ ہو تو یہ قسم لغو ہوگی، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

۲، کنایہ قسم کا حکم:

کنایہ قسم کا حکم یہ ہے کہ نیت اور ارادہ ہو تو ہی منعقد ہوگی، اگر قسم کھانے والا کہے: میرا مقصود قسم کھانا نہیں تھا تو اس کی بات قبول کی جائے گی۔

مثلاً وہ کہے: میں خالق کی قسم کھاتا ہوں، میں رازق کی قسم کھاتا ہوں، میں رب کی قسم کھاتا ہوں، یہ قسم اسی وقت منعقد ہوگی جب کہ وہ ان الفاظ سے ذاتِ الٰہی کے علاوہ دوسرے کو مراد نہ لیا ہو، اس صورت میں یہ قسم نہیں ہوگی، کیوں کہ اللہ عزوجل کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی مقید طور پر ان الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا" (عنکبوت) یعنی تم جھوٹ بولتے ہو

اوراپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہواوراس کومعبود کا نام دیتے ہو۔یہاں خلق کی نسبت انسانوں کی طرف کی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کافرمان ہے:"فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ "(نساء)چناں چہ تم اس میں سے ان کو کھلاؤ۔یہاں رزق کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے۔

اللہ جل جلالہ کافرمان ہے:"اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ "(یوسف)اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔یہاں رب(آقا) کی نسبت انسانوں کی طرف گئی ہے۔

اگر کوئی کہے: میں موجود کی قسم کھاتا ہوں، میں عالم کی قسم کھاتا ہوں، میں حی(زندہ) کی قسم کھاتا ہوں، اس طرح کے الفاظ کو قسم نہیں مانا جائے گا،مگراس شرط کے ساتھ منعقد ہوگی کہ اس سے مراداس نے اللہ عزوجل کی ذات کولیا ہو، کیوں کہ ان الفاظ کا استعمال جس طرح اللہ عزوجل کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح دوسروں کے لیے بھی ہوتا ہے، اسی وجہ سے نیت کی صورت میں ہی قسم منعقد ہوگی۔

اگر کوئی کہے: میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی قسم کھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے علم کی قسم کھاتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی قسم کھاتا ہوں، اس کی قسم اس شرط کے ساتھ منعقد ہوگی کہ علم سے مرادمعلوم چیز، قدرت سے مرادمقدر اور کلام سے مراد حروف اور کلمات نہ ہو۔

اگر یہ مقصد ہوتو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی، کیوں کہ اللہ کی ذات میں معلوم، اس کا مقدراور حروف وکلمات داخل نہیں ہیں یا یہ کہ یہ اس کی کوئی صفت نہیں ہے۔

قسم پورا کرنے اور قسم توڑنے کے احکام:

ا۔قسم پورا کرنے اور قسم توڑنے کا مطلب:

جب انسان اللہ عزوجل یا اس کی کسی صفت کے ذریعے قسم کھائے اور اس کی قسم میں مذکورہ بالا تمام شرطیں پائی جائیں تو دوصورتیں ہوں گی، یا تو وہ اپنی قسم پورا کرے گا یا قسم توڑے گا۔

قسم پورا کرنا یہ ہے کہ قسم کھا کراپنے اوپر لازم کی ہوئی بات کو پورا کرے، اگر کسی چیز

کی خبر دے رہا ہو تو وہ سچ بول رہا ہو۔

قسم توڑنا یہ ہے کہ اپنے اوپر لازم کی ہوئی چیز کو پورا نہ کرے یا جو خبر دے رہا ہو اس میں جھوٹا ہو۔

اصل میں حنث (قسم توڑنا) کے معنی گناہ کے ہیں، اس کا اطلاق مندرجہ بالا معنی کے لیے ہوتا ہے، کیوں کہ یہ گناہ کا سبب ہے۔

۲۔قسم پورا کرنے اور قسم توڑنے کے احکام:

قسم پورا کرنے سے وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے۔

قسم توڑنے کی دو حالتیں ہیں اور ہر ایک کے مخصوص احکام ہیں۔

ا۔قسم کھانے والا اپنی قسم کو پورا کرے، مثلاً کوئی قسم کھائے کہ وہ فلاں دن فقیر پر ضرور بالضرور صدقہ کرے گا، لیکن وہ متعین دن صدقہ نہ کرے، اس قسم کو توڑنے پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے، قسم کے کفارے کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۲۔کوئی قسم کھا کر جھوٹی خبر دے، حالاں کہ قسم کے بغیر اس کی توثیق نہ کی جاتی ہو، مثلاً کہے: اللہ کی قسم! یہ مال میرا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا مال نہیں ہے، اس قسم کو یمین غموس کہا جاتا ہے، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

ایسی قسم توڑنے کا حکم یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے سخت ترین عذاب کا مستحق ہوگا اور اس پر کفارہ بھی واجب ہے، کیوں کہ یہ قسم منعقد ہوتی ہے۔

دونوں صورتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ دوسری قسم والا اللہ عزوجل کے نام کا عمداً غلط استعمال کرتا ہے، کیوں کہ اس کو قسم کھاتے وقت معلوم رہتا ہے کہ وہ اللہ کی جھوٹی قسم کھا رہا ہے۔

پہلی صورت میں کبھی قسم کھاتے وقت اپنی قسم پورا کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ رہتا ہے، البتہ اس قسم کو پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ آجاتی ہے، یا قسم کھائی ہوئی چیز سے بہتر دوسری چیز نظر آتی ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کی وصیت پر عمل کرتا ہے:"جو شخص کوئی کام کرنے کی قسم کھائے پھر اس سے بہتر کوئی دوسری چیز پائے تو جو بہتر ہے اس کو

بجالائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے"(مسلم:کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمینا حدیث ۱۶۵۰)

قسم کا کفارہ:

جو کوئی جھوٹی قسم کھائے یا اپنی قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ لازم آتا ہے، اس کو مندرجہ ذیل تین چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے:

۱۔مومن غلام یا باندی آزاد کرنا، یہ اس صورت میں ہے جب غلام یا باندی پائے جائیں۔

۲۔دس مسکینوں کو کھلانا، ہر مسکین کو اپنے شہر کی عام غذا میں سے ایک مد کھلانا، ایک مد تقریبا ۶۰۰ گرام کے برابر ہے۔

ہر مسکین کو ایک مد کا مالک بنانا ضروری ہے، چناں چہ ان کو صرف دوپہر یا رات کے کھانے پر بلا کر کھلانا کافی نہیں ہے۔

۳۔عام طور پر پہنے جانے والے کپڑے دس مسکینوں کو دینا۔

اگر ان تینوں میں سے کسی بھی چیز کو کرنے سے عاجز ہو، مثلاً تنگ دست ہو تو اس کے لیے تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے، پے در پے رکھنا شرط نہیں ہے، بلکہ الگ الگ رکھنا بھی جائز ہے۔

کفارے کی دلیل:

اس کفارہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "**لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا أَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**"(مائدہ ۸۹) اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم توڑنے پر مواخذہ نہیں فرماتے، لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم

قسموں کو مستحکم کرو (پھر توڑ دو) سو اس پر کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو تم کھانے دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن (ایک غلام یا باندی) کو آزاد کرنا اور جس میں طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو (پھر توڑ دو) اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے خاطر اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔

۱۔اگر کوئی شخص کہے: میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور بالضرور ایسا کروں گا، تو یہ قسم ہے، چاہے وہ قسم کی نیت کرے یا مطلقاً کہے، کیوں کہ کثرت کے ساتھ اس لفظ کا استعمال قسموں میں ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "**وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ** "اور یہ لوگ بڑا زور لگا لگا کر قسمیں کھاتے ہیں (النحل ۳۸) اگر قسم کی نیت نہ کرے، بلکہ ماضی یا مستقبل کی خبر دینا مقصود ہو تو یہ قسم نہیں ہے۔

۲۔اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں یا میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تم یہ کام ضرور کروگے، اگر اس کا ارادہ قسم کھانے کا ہو تو قسم ہوگی، کیوں کہ شرعاً یہ چیز معتبر ہے، اس وقت مخاطب کو اس کی قسم پورا کرنا مستحب ہے، اگر اس کے پورا کرنے میں کسی حرام یا مکروہ چیز کا ارتکاب نہ ہو۔

امام بخاری (۱۱۸۲) نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا، انھوں نے ان چیزوں میں قسم پورا کرنے کو بھی شمار کیا"۔

اگر اس طرح کی قسم کھانے والا مخاطب کی قسم مراد لے یا قسم مراد نہ لے، بلکہ اس سے مخاطب سے سفارش کا ارادہ کرے تو اس وقت یہ قسم نہیں ہوگی، کیوں کہ اس سے اس کی مراد قسم نہیں ہے اور مخاطب نے بھی قسم نہیں کھائی ہے، اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوال کرنا مکروہ ہے۔

اس کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان ہے: "اللہ کا واسطہ دے کر سوائے جنت کے کوئی

چیز طلب نہ کی جائے‘‘(ابوداؤد ۱۶۷۱)۔

۳۔اگر کوئی شخص کسی فرض کو چھوڑنے کی قسم کھائے،مثلاً نماز یا روزہ چھوڑنے کی قسم کھائے یا کسی حرام چیز کے ارتکاب کی قسم کھائے،مثلاً چوری یا قتل کرنے کی قسم کھائے،تو ان دونوں صورتوں میں اپنی قسم توڑنا ضروری ہے،کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں اس نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی ہے اور اس پر قائم رہنا گناہ ہے،اسی طرح اس کے لیے کفارہ دینا بھی ضروری ہے۔

۴۔کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں چیز نہیں کروں گا،مثلاً کہے: میں خرید وفروخت نہیں کروں گا،پھر وہ کسی دوسرے کو اس کام کے لیے وکیل بنائے اور وہ وکیل یہ کام انجام دے تو وہ حانث (قسم توڑنے والا) نہیں ہوگا،کیوں کہ اس نے خود نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، دوسرے کے عمل پر قسم نہیں کھائی ہے۔

ہاں!اگر قسم کھاتے وقت اپنے بلاواسطہ عمل یا اپنے بالواسطہ یعنی وکیل کے عمل کا بھی ارادہ کرے تو وہ حانث ہوگا۔

۵۔اگر کوئی قسم کھائے کہ فلاں عورت سے شادی نہیں کروں گا،پھر وہ اسی عورت کے ساتھ عقدِ نکاح قبول کرنے کے لیے وکیل بنائے تو وہ حانث ہوگا،کیوں کہ شادی کا اطلاق صرف عقدِ نکاح پر نہیں ہوتا،بلکہ عقد نکاح کے ساتھ اس کے نتائج یعنی جماع اور لوازمِ جماع پر بھی ہوتا ہے،اگر قسم کھانے والا خود سے عقد نہ کرے تو بھی وہ خود سے اس کی نتائج کو انجام دینے والا ہے۔

۶۔اگر کوئی دو کام نہ کرنے کی قسم کھائے پھر دو میں سے ایک کام کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا،مثلاً کہے: اللہ کی قسم! میں یہ دو کپڑے نہیں پہنوں گا،یا یہ کہے: میں ان دو افراد سے بات نہیں کروں گا،پھر ایک کپڑا پہنے یا کسی ایک سے بات کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کی قسم دونوں کے مجموعے کے لیے ہے۔

اگر یہ کہے: اللہ کی قسم! نہ میں یہ کپڑا پہنوں گا اور نہ وہ،یا کہے: میں نہ اس آدمی سے بات کروں گا اور نہ اس آدمی سے،اس صورت میں وہ کسی ایک کپڑے کو پہنے یا کسی ایک کے

ساتھ بات کرے تو حانث ہوگا،کیوں کہ نفی کے اعادہ سے ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ قسم مقصود ہوگی۔

۷۔اگر کوئی دو کام کرنے کی قسم کھائے مثلاً کہے: اللہ کی قسم! میں یہ دونوں روٹیاں کھاؤں گا،یا کہے: میں ان دونوں سے بات کروں گا،اگر وہ دو میں سے ایک کام کرے تو اس کی قسم پوری نہیں ہوگی،بلکہ اپنی قسم پورا کرنے اور قسم توڑنے سے بچنے کے لیے دونوں روٹیاں کھانا اور دونوں سے گفتگو کرنا ضروری ہے۔

نذر کے احکام

نذر کی تعریف:

نذر کے لغوی معنی کسی خیر یا شر کا وعدہ کرنا ہے، شرعی معنی خیر کا وعدہ کرنا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں خیر کہتے ہیں: شرعی طور پر غیر واجب ثواب کے کام کو مطلقاً یا کسی چیز کے ساتھ معلق کر کے اپنے اوپر لازم کرنا۔

نذر مشروع ہونے کی دلیلیں:

قرآن وحدیث میں نذر کے دلائل موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات میں اس کا بھی تذکرہ کیا ہے: **''یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا''** (الدھر) وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن ہولناکی چھائی ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے: **''وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ''** (حج ۲۹) اور وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔

امام بخاری (۶۳۱۸) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور جو اللہ کی معصیت کی نذر مانے تو اس کی معصیت نہ کرے''۔

آپ ﷺ نے اپنی نذروں کو پورا کرنے والوں کے سلسلے میں فرمایا ہے:

''تمہارے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے، ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا، وہ گواہی دیں گے، لیکن ان سے گواہی نہیں لی جائے گی، وہ نذر مانیں گے، لیکن نذر پوری

نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا''۔ امام بخاری (۲۵۰۸) اور امام مسلم (۲۵۳۵) نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔

(یعنی کھانے پینے کی کثرت، عیش وتنعم کی زندگی اور جہاد کو چھوڑنے کی وجہ سے ان میں موٹاپا عام ہوگا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دنیاوی ساز وسامان پر فخر کرنے سے کنایہ ہے)

نذر کا حکم:

نذر شرعی طور پر معتبر ہے اور اس کا شمار ثواب کے کاموں میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ کافر نذر مانے تو صحیح نہیں ہوگی۔

لیکن افضل یہ ہے کہ اپنے اوپر لازم کیے بغیر اور نذر مانے بغیر ثواب کا کام کرے۔

چناں چہ نذر مانے ہوئے صدقے سے وہ صدقہ افضل ہے جس کو انسان اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کرے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری (۶۲۳۴) اور امام مسلم (۶۲۳۴) نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے نذر سے منع فرمایا اور یہ کہا: ''(اللہ کی قضا وقدر میں) یہ کسی چیز کو لوٹاتی نہیں ہے، اس کے ذریعے تو بخیل سے نکالا جاتا ہے''۔

یعنی نذروں سے اللہ کے قضا وقدر میں سے کوئی چیز تبدیل نہیں ہوتی، یہ تو صرف ایک ذریعہ ہے، اس ذریعے سے بخیل اپنے اوپر صدقہ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو لازم کرتا ہے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اگر نذر کے ذریعے وہ اپنے اوپر صدقہ لازم نہیں کرے گا تو وہ صدقہ دے ہی نہیں سکتا اور اپنے بخل پر غلبہ حاصل کر ہی نہیں سکتا۔

نذر کی قسمیں:

نذر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ نذر لجاج (جھگڑا کرتے وقت مانی ہوئی نذر)

یہ وہ نذر ہے جو جھگڑے کے دوران غصہ کی حالت میں مانی جاتی ہے، مثلاً کوئی

جھگڑا کرتے وقت کہتا ہے: اگر میں فلاں سے بات کروں تو اللہ کے خاطر مجھ پر ایک مہینے کے روزے لازم ہیں۔

۲۔نذر مجازاۃ (بدلے کی نذر)

یہ وہ نذر ہے جس میں انسان اپنا مقصد حاصل ہونے کی صورت میں اپنے اوپر کوئی ثواب کا کام لازم کرتا ہے، جب کہ اس کا سبب کوئی جھگڑا یا خصومت نہ ہو، مثلاً کوئی کہے: اگر اللہ میرے مریض کو شفا دے تو اللہ کے لیے مجھ پر ایک بکری صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔نذر مطلق:

یہ وہ نذر ہے جس میں کوئی شخص ثواب کے کام کو اپنے مقصد کے حصول سے متعلق نہ کرے اور جھگڑا یا غصے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اوپر ثواب کا کام لازم نہ کرے، مثلاً کوئی مطلقاً کہے: اللہ کے لیے مجھ پر جمعرات کے دن روزہ رکھنا ضروری ہے۔

آخر کے دونوں قسموں کو "نذر تبرر" کہا جاتا ہے، کیوں کہ ان دونوں قسموں میں نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ کا تقرب اور نیکی کا طلب گار رہتا ہے۔

نذر کے احکام:

پہلی قسم یعنی نذر لجاج کا حکم یہ ہے کہ جب نذر مانی ہوئی چیز ہو جائے تو نذر ماننے والے پر اپنے اوپر لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرنا ضروری ہے، یا قسم کا کفارہ دینا واجب ہے، ان دونوں میں سے ایک کا اختیار ہے، کیوں کہ لازم ہونے کے اعتبار سے یہ نذر کے مشابہ ہے اور کسی چیز سے باز رہنے کا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے یہ قسم کے مشابہ ہے۔

اس کی دلیل امام مسلم (۱۶۴۵) کی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے"۔

امام نوویؒ نے فرمایا: جمہور علماء نے اس کو نذر لجاج پر محمول کیا ہے۔

دوسری قسم یعنی نذر مجازاۃ کا حکم یہ ہے کہ جب اس کی نذر مانی ہوئی چیز واقع ہو جائے، مثلاً اللہ مریض کو شفا دے یا کسی کا گمشدہ شخص مل جائے تو نذر ماننے والے پر اپنے

اوپر لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرنا واجب ہے، دوسری چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "**وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ**" اور اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو، جب تم عہد کرو (حج ۲۹) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو وہ اس کی اطاعت کرے"۔ (بخاری ۶۳۱۸) امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے۔

تیسری قسم یعنی نذر مطلق دوسری قسم کی ہی طرح نذر تبرر ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو اپنی نذر پورا کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل پیچھے گزری ہوئی دلیلوں کی عمومیت ہے، البتہ اس کے لیے اپنے نذر کو پورا کرنے میں اس وقت تک تاخیر کرنا جائز ہے جب تک کہ اس کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ اپنی نذر پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھ سکے گا۔

اس کے بدلے قسم کا کفارہ دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ قسم کا معنی نذر کی اس قسم میں نہیں پایا جاتا۔

نذر کی شرطیں:

نذر کی تینوں قسموں سے قطع نظر اس کے لیے چند شرطیں ہیں، یہ شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔نذر ماننے والے میں تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱) مسلمان ہو: کافر کی نذر صحیح نہیں ہے، کافر ثواب کے کام کرنے کا اہل نہیں ہے، کیوں کہ اس کی طرف سے ثواب کا کام اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک وہ کفر کرتا رہے۔

۲) مکلّف ہو: بچہ اور پاگل کی نذر صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرنے کے اہل نہیں ہیں، چناں چہ ان میں سے کوئی اپنے اوپر کسی ثواب کے کام کو لازم کرے تو یہ کام ان پر واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شرعی طور پر مکلّف نہیں ہیں۔

۳) نذر کے لیے مجبور نہ کیا جائے: کسی کو نذر پر مجبور کیا جائے تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''میری امت سے غلطی اور بھول اٹھا دی گئی ہے اور جس پر ان کو مجبور کیا جائے''، امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے (کتاب الطلاق، باب طلاق المکرّہ والناسی، حدیث ۲۰۴۵) ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، یعنی ان سے اس حکم اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے احکام کو معاف کیا ہے۔

۲۔ نذر مانی ہوئی چیز میں مندرجہ ذیل دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱) نذر مانی ہوئی چیز ثواب کا کام ہو:

جائز کاموں میں نذر صحیح نہیں ہے، یہ وہ امور ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے پر ثواب یا سزا نہیں ملتی، اگر کسی مباح کام کرنے یا چھوڑنے کی نذر مانے مثلاً کھانے اور سونے کی نذر مانے تو اس کو نہ کرنا ضروری ہے اور نہ اس کو چھوڑنا، اس پر کفارہ بھی نہیں ہے۔

امام بخاری (۶۳۲۶) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے ایک آدمی کو کھڑا دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت کیا، صحابہ نے کہا: یہ ابواسرائیل ہیں، انھوں نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے اور بیٹھیں گے نہیں، سایہ نہیں لیں گے، بات نہیں کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کو حکم دو کہ وہ بات کرے، سایہ لے، بیٹھے اور اپنا روزہ مکمل کرے''۔

آپ ﷺ نے اس کو روزہ مکمل کرنے کا حکم دیا، کیوں کہ روزہ نیک کام ہے، روزے کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح حرام چیزوں میں نذر معتبر نہیں ہے مثلاً قتل اور زنا وغیرہ کی نذر ماننا۔

مکروہ چیزوں میں بھی نذر نہیں ہوتی، مثلاً کوئی نذر مانے کہ وہ سنن رواتب کو چھوڑے گا، کیوں کہ اللہ کی حرام کردہ یا مکروہ چیزوں میں اللہ کی رضا مطلوب نہیں رہتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی معصیت میں نذر نہیں ہے''، امام مسلم نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے (۱۶۴۱) امام بخاری کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت گزر چکی ہے: ''جو اللہ کی معصیت کی نذر مانے تو اس کی معصیت نہ کرے''۔ (۶۳۱۸)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نذر نہیں ہے سوائے اس میں جس کے ذریعے اللہ کی رضا مطلوب ہو'' (ابوداؤد ۳۲۷۳)

۲۔ نذر مانی ہوئی چیز فرض عین نہ ہو:

اگر کوئی نذر مانے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھے گا یا اپنے مال کی زکوۃ نکالے گا تو یہ نذر صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں نذر میں کوئی نیا اثر پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ نذر ماننے والے کے حق میں نذر ماننے سے پہلے ہی یہ چیز فرض ہے، پھر اس کو قبول کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

فرض کفایہ ہو تو اس کی نذر صحیح ہوتی ہے، مثلاً نماز جنازہ پڑھنے یا ایسا علم حاصل کرنے کی نذر مانے جس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہو مثلاً طب اور صناعتیں وغیرہ۔

کیوں کہ نذر ماننے سے یہ فرضِ کفایہ اس کے حق میں فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

جب نذر صحیح ہو جائے یعنی مندرجہ بالا تمام شرطیں پائی جائیں تو نذر ماننے والے کے لیے اپنے اوپر لازم کی ہوئی چیز کو بجالانا ضروری ہے جب نذر مانی ہوئی چیز وجود میں آئے یا مطلقاً نذر مانے۔

جس چیز کی نذر مانی ہے اس چیز کو کرنا ضروری ہے، چاہے وہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ دوسرے ثواب کے کام۔

اگر کوئی نماز کی نذر مانے، لیکن اس کی کیفیت یا تعداد متعین نہ کرے تو اس پر دو رکعت کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، کیوں کہ شرعی طور پر کم سے کم فرض نماز دو رکعتیں ہیں۔

اگر نذر میں رکعتوں کی تعداد متعین کرے، یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نذر مانے تو متعین کی ہوئی مقدار یا کیفیت کو پورا کرنا ضروری ہے، البتہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

اگر روزے کی نذر مانے تو ایک دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ کم از کم روزہ

ایک دن کا ہے۔

اگر مطلقاً روزوں کی نذر مانے تو کم از کم تین دنوں کے روزے رکھنا ضروری ہے کیوں کہ کم سے کم جمع تین ہے (یہ عربی کے قاعدے کے مطابق ہے، اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں روزے رکھوں گا تو اردو کے قاعدے کے اعتبار سے دو روزوں سے اس کی نذر پوری ہو جائے گی، کیوں کہ اردو میں ایک سے زیادہ کا شمار جمع میں ہوتا ہے)

اگر صدقے کی نذر مانے تو اپنی ملکیت کی چیزوں میں سب سے کم مالیت والی چیز کو صدقہ کرنے سے نذر پوری ہوگی، یہ مال زکوۃ کے مستحق مثلاً فقراء اور مساکین وغیرہ کو دے

اگر کوئی ثواب کے کام میں کسی متعین کیفیت یا متعین وقت یا متعین تعداد کی قید لگائے تو جس طرح کی نذر مانی ہے اس کو اسی کیفیت کے ساتھ پورا کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی متعین شہر والوں پر صدقہ کرنے کی نذر مانے تو ان ہی پر صدقہ کرنا ضروری ہے، دوسرے شہر والوں پر صدقہ کرنے سے اس کی نذر پوری نہیں ہوگی۔

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی میں سے کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو اسی مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، کیوں کہ ان مسجدوں کو دوسری تمام مسجدوں پر فضیلت حاصل ہے۔

فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صرف تین مسجدوں کے لیے رخت سفر باندھا جا سکتا ہے: مسجد حرام، مسجد رسول اللہ ﷺ اور مسجد اقصیٰ'' امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کی ہے۔ (بخاری:۱۱۳۲، مسلم:۱۳۹۷)

اگر ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں تعیین کے ساتھ اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو کسی بھی مسجد میں اعتکاف کرنے سے نذر پوری ہو جاتی ہے، کیوں کہ اعتکاف کا ثواب ہر مسجد میں یکساں ہے۔

اگر حج یا عمرہ کرنے کی نذر مانے تو خود سے حج یا عمرہ کرنا ضروری ہے، جب کہ وہ خود سے کر سکتا ہو، اگر خود سے حج یا عمرہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو حج یا عمرہ کرنے کے لیے اپنا نائب بھیج سکتا ہے، چاہے اجرت دے کر ہی کیوں نہ ہو، جس طرح فرض حج کا مسئلہ ہے کہ

اگر خود سے حج کرنے سے عاجز ہو تو دوسرے سے اپنا حج کرا سکتا ہے۔

نذر پورا کرنے میں جلدی کرنا مستحب ہے، اور پہلی فرصت میں اس ذمے داری سے آزاد ہونا چاہیے، اگر حج یا عمرہ کرنا ممکن ہو، پھر بھی اس کو مؤخر کرے، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے مال سے اس کی طرف سے حج یا عمرہ کیا جائے گا، کیوں کہ قدرت کے باوجود بھی اس نے ادائیگی میں کوتاہی کی ہے۔

اگر حج یا عمرہ کی قدرت حاصل ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس پر کوئی ذمے داری نہیں رہے گی، کیوں کہ اس نے کوتاہی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے۔

اگر پیدل حج یا عمرہ کی نذر مانے تو پیدل کرنا ضروری ہے، اگر پیدل کرنے کی طاقت اور سکت ہو، کیوں کہ اس نے حج میں پیدل چلنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، اسی طرح کوئی پے در پے روزے رکھنے کی نذر مانے تو اس کو پے در پے روزے رکھنا ضروری ہے۔

اگر پیدل چلنے کی قدرت نہ ہو تو پیدل جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ سوار ہو کر جانا جائز ہے، کیوں کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میری بہن نے کعبۃ اللہ پیدل جانے کی نذر مانی اور مجھے حکم دیا کہ میں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے فتویٰ پوچھوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ پیدل چلے اور سوار ہو'' امام بخاری (۱۷۶۷) اور امام مسلم (۱۶۴۴) نے یہ روایت کی ہے۔

اگر کوئی اونٹ، گائے، بکری اور مینڈھا وغیرہ یا کوئی دوسری چیز مکہ لے جانے کی نذر مانے تو اس کو مکہ لے جا کر وہاں کے فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ وہاں کے باشندے ہوں یا دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے ہوں

اگر کوئی مکہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بکری ذبح کر کے وہاں تقسیم کرنے کی نذر مانے تو اسی شہر میں ذبح کر کے وہاں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی صالحین اور اولیاء کی قبروں پر چراغاں کرنے کی نذر مانے اور اس کا مقصد وہاں کے رہنے والے یا وہاں آنے جانے والے لوگوں کے لیے روشنی پہنچانا ہو تو اس کی نذر

صحیح ہوگی اور اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہوگا، اگر اس کا مقصد قبروں پر چراغاں کرنا ہو اور اس کے ساتھ لوگوں کو روشنی پہنچانا بھی ہو تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

اگر اس کا مقصد اُس علاقے یا قبر کی تعظیم یا اس میں مدفون شخص سے تقرب حاصل کرنا یا اس کی طرف منسوب ہونا ہو تو یہ نذر باطل ہوگی اور منعقد نہیں ہوگی۔

نذرِ مطلق کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے:

اگر نذر مطلق میں وقت کی تعین نہ ہو تو نذر ماننے والے کے لیے اپنی نذر پورا کرنے میں اس وقت تک تاخیر کرنا جائز ہے جب تک اس کو موقع نہ ملے، اور اس کو غالب گمان نہ ہو کہ تاخیر سے نذر پورا کرنے کی طاقت ختم ہو جائے گی۔

البتہ نذر کو پورا کرنے میں جلدی کرنا مسنون ہے، چاہے اس کے لیے بعد میں بھی نذر پورا کرنے کے مواقع ہوں، کیوں کہ اپنی ذمہ داری سے بری ہونے میں جلدی کرنا چاہیے، اگر نذر کسی مخصوص وقت کے ساتھ مشروط ہو تو اسی وقت میں نذر پورا کرنا ضروری ہے، اگر عذر کے بغیر نذر پورا کرنے میں تاخیر کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور اس کی قضا واجب ہوگی، اگر کسی عذر کی بنیاد پر تاخیر کرے تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا، البتہ فرصت کے وقت اس کی قضا کرنا ضروری ہے۔

شکار کے مسائل

شکار کی تعریف:

"صَیْدٌ" دراصل صَادَ یَصِیْدُ کا مصدر ہے یعنی شکار کرنا، چپکے سے لینا، حیلے سے لینا، چاہے وہ کھایا جانے والا جانور ہو یا نہ ہو۔

پھر اس سے مراد اسم مفعول لیا گیا ہے، یعنی "مَصِیْدٌ" جس کو شکار کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "**لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ**" (مائدہ) یہاں صید مصید کے معنی میں ہے۔ (شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں رہو)

فقہاء کی اصطلاح میں صید (شکار) ماکول اللحم جانور کے ساتھ خاص ہے۔

شکار کی مشروعیت:

شکار کرنا جائز ہے، اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: "**اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ اِلَّا مَايُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ**" (مائدہ) تمہارے لیے تمام چوپائے جو مشابہ اونٹ، بکری، گائے کے ہوں حلال کیے گئے مگر جن کا ذکر آگے آرہا ہے لیکن حالت احرام میں شکار کو حلال مت سمجھنا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے: "**وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا**" (مائدہ) جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔

پہلی آیت میں حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کو محدود کیا گیا ہے اور دوسری آیت میں صراحت ہے کہ احرام سے حلال ہونے کے بعد شکار کرنا جائز ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "**يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ، قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ**

الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ" (مائدہ) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہے، آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے پاک چیزوں کو اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے، تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑے اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

شکار کے جواز کی حکمت:

وہ جنگلی جانور جن کو عربوں کی طبیعت نے اچھا جانا ہے اور اسلامی شریعت نے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے، ان جانوروں کو عادی ذبح کے لیے کبھی قابو میں کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کو ان حیوانات کو جال سے پکڑنے یا شکار کے ذریعے حاصل کرنے کا راستہ دکھایا اور اس کو اس وقت حلال کرنے کے اصل طریقے کے قائم مقام بنایا، جب شکار کو ذبح کرنا ممکن نہ ہو۔

اس حکم میں لوگوں کے لیے آسانی ہے جس کے فوائد کسی بھی غور وخوض کرنے والے سے مخفی نہیں ہیں۔

کون سا شکار حلال ہے اور کون سا حرام:

اصلاً تمام قسم کے شکار حلال ہیں، چاہے شکار کیے ہوئے جانوروں کی قسم کوئی بھی ہو، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے فرمان: "وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" (مائدہ) کی عمومیت ہے۔ (جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو)

البتہ اس عمومیت سے مندرجہ ذیل جانور مستثنیٰ ہیں:

۱۔ ان جانوروں کا شکار کرنا جن کا کھانا حلال نہیں ہے، غیر موذی اور غیر نقصان دہ جانوروں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ شکار کا مقصد حیوان کو تکلیف دینا، اس کو ختم کرنا یا

قتل کرنا ہو۔

اگر شکار کا مقصد تکلیف دینا نہ ہو تو حرام نہیں ہے مثلاً قید کرنا وغیرہ۔

۲۔ ہر وہ شکار مستثنٰی ہے جس کا مقصد بیکار قتل کرنا یا خون بہانا ہو، چاہے اس جانور کا گوشت کھانا حلال ہو یا حرام: مثلاً صرف تفریح کے لیے پرندوں کا شکار کرنا، شکار پر نکلنے کا مقصد اس کا کھانا یا کوئی دوسرا مقصد بھی نہ ہو۔

۳۔ محرم (احرام پہنے ہوئے شخص) کے لیے ماکول اللحم جنگلی جانوروں کا شکار کرنا، چاہے شکار کو قتل کرے یا صرف اس پر ہاتھ رکھ کر دوسرے کو شکار کرنے کے لیے کہے۔

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: " **لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ** " اور تم شکار کو قتل نہ کرو جب تم حالت احرام میں رہو (مائدہ) اس طرح حرم میں بھی شکار کرنا حرام ہے، چاہے شکار کرنے والا محرم نہ ہو۔

امام بخاری (۱۵۱۰) وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، وہاں کا کانٹا نکالا نہیں جائے گا، وہاں کے شکار کو بھگایا نہیں جائے گا اور شکار کو قتل نہیں کیا جائے گا، وہاں کی گری ہوئی چیز کو وہی اٹھائے جو اس کا اعلان کرے" اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

ان تین موقعوں پر جانوروں کے شکار کی حرمت سے مراد یہ ہے کہ شکار کرنے سے گناہ لازم ہوگا، اس سے قطع نظر کہ اس کا کھانا حرام ہے یا نہیں، کیوں کہ دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔

شکار کے شرعی وسائل:

شکار کرنے کے شرعی وسائل سے مراد جن کے ذریعے جانوروں کا شکار کرنے سے کھانا جائز ہوتا ہے، اور غیر شرعی وسائل سے شکار کرنے سے کھانا جائز نہیں ہوتا۔

شرعی شکار کے دو وسائل ہیں:

۱۔ ہر تیز دھار والی زخمی کرنے والی چیز: چاہے لوہا ہو، لکڑی ہو، شیشہ ہو یا اس کے

علاوہ دوسری وہ چیزیں جن سے حیوان زخمی ہو۔

اس کی دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کو کھاؤ"۔ (بخاری ۲۳۵۶، مسلم: ۱۹۶۸)

اگر شکار کسی ایسی چیز سے کیا جائے جس میں دھار نہ ہو، بلکہ اس ہتھیار کے دباؤ یا وزن سے مار گرایا جائے، مثلاً ایسے پتھر سے جس میں دھار نہ ہو، یا کسی ایسے ہتھیار سے جو آگ برسا کر قتل کرے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اگر وہ جانور نہ مرے، مثلاً بازو یا پیر میں لگے پھر شکاری کو وہ جانور زندہ ملے اور وہ اس کو شرعی طریقے کے مطابق ذبح کرے یا دوبارہ کسی ایسی چیز سے اس کو مارے جس میں دھار ہو مثلاً: چھری اور تیر وغیرہ تو اس کا کھانا جائز ہے۔

۲۔ شکاری جانور یا شکاری پرندے کو شکار پر چھوڑنا:

اگر کوئی شکاری جانور یا شکاری پرندے کو اپنے شکار پر چھوڑے اور وہ شکاری جانور یا پرندہ اس کو زخمی کرے، جس سے وہ شکار مر جائے تو اس کا کھانا جائز اور حلال ہے، اس کی چند شرطیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

شکاری جانور مثلاً: کتا، چیتا اور تیندوا وغیرہ۔

شکاری پرندے مثلاً: باز، شکرہ، اور شاہین وغیرہ

شکاری جانور یا پرندے سے شکار کرنے کی شرطیں:

جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں تو شکاری جانور اور شکاری پرندے کا شکار کھانا جائز ہوگا:

۱۔ جب شکاری جانور یا پرندہ کو چھوڑا جائے تو اسی جانور کی طرف جائے جس پر اس کو شکار کے لیے چھوڑا گیا ہو اور اس کے علاوہ دوسرے جانور کی طرف نہ جائے۔

اگر شکاری جانور دوسرے کا رخ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے دوسرے

شکار کی طرف اپنے جذبے سے رخ کیا ہے، اس لیے بغیر ذبح کیے ہوئے اس جانور کا شکار حلال نہیں ہوگا۔

۲۔ جب بھی اس کو روکا جائے تو رک جائے اور واپس چلا آئے۔

۳۔ اپنے مالک تک شکار کو لے آنے سے پہلے اس شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔
اگر سامنے لاکر ڈالنے اور شکار سے واپس آنے کے بعد کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ یہ تینوں شرطیں بار بار یعنی دو یا تین مرتبہ آزمائی جائیں، جس سے اس کے عادی ہونے اور شکار کا فن سیکھنے کا غالب گمان ہو جائے۔

ان شکاری جانوروں اور پرندوں سے شکار کے حلال ہونے کی ان شرطوں کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: "قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......" (مائدہ)
آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے پاک چیزوں کو اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے، تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑے اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

عربی لفظ "تکلیب" کے معنی حیوان کو اس طرح سکھانا اور سدھانا کہ جب شکار پر اس کو برانگیختہ کیا جائے تو وہ چلا جائے اور اس پر حملہ کرے۔

امام شافعی نے "مکلبین" کے یہ معنی بیان کیے ہیں: "جب کتے کو حکم دیا جائے تو بجالائے اور جب روکا جائے تو باز آئے تو یہ ٹرینڈ (مکلب) کتا ہے"۔

آیت کریمہ کے جزء "وَاَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ شکار کو تمہارے خاطر روک دے، یہ معنی اس وقت متحقق ہوں گے جب وہ شکار کی حفاظت کرے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔

مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب وہ اپنے مالک کے لیے نہ روکے، بلکہ اس میں سے کھائے تو وہ جانور حلال نہیں ہوگا اور یہ شرعی شکار نہیں ہوگا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب تم اپنے ٹرینڈ کتے کو چھوڑو اور اللہ کا نام لو، پھر وہ روکے اور قتل کرے تو کھاؤ، اگر وہ کھائے تو تم مت کھاؤ، کیوں کہ اس نے اپنے لیے روکا ہے" (بخاری ۵۱۶۷، مسلم: ۱۹۲۹)۔

شکار کرنے کو کب ذبح کے قائم مقام مانا جائے گا اور کب نہیں:

جب شرعی طریقے پر شکار کیا جائے اور اس میں مذکورہ تمام شرطیں پائی جائیں تو دو صورتیں ہوں گی: شکاری کو شکار اس حال میں ملے گا کہ اس میں زندگی باقی ہوگی یا نہیں۔

پہلی صورت:

جب شکار کیے ہوئے جانور میں زندگی موجود ہو تو شکار ذبح کے قائم مقام نہیں ہوگا بلکہ اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کرنا ضروری ہے، شرعی ذبح کا طریقہ آگے آرہا ہے۔
اگر شکاری لاپرواہی برتے اور شکار کو ذبح کیے بغیر چھوڑ دے، جس کی وجہ سے وہ مر جائے تو وہ نجس ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

دوسری صورت:

جب شکار کیے ہوئے جانور کو زندہ نہ پا سکے: اس تک پہنچنے کی حتی الامکان کوشش کرے اور وہاں پہنچنے سے پہلے وہ شکار مر جائے تو صرف شکار ہی اس کا شرعی ذبح ہوگا اور اس کا کھانا جائز ہوگا۔

امام بخاری (۵۱۹۰) اور امام مسلم (۱۹۶۸) نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہمیں غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں، دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں کے پاس گھوڑے کم تھے، ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، ایک شخص نے تیر سے مار کر اس کو ہلاک کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ چوپائے جنگلی جانوروں کی طرح بدکتے ہیں، ان میں سے جو کوئی بدکے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو"

امام بخاری (۵۱۷۰) اور امام مسلم (۱۹۳۰) نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا جب انھوں نے کہا: میں اپنے ٹرینڈ کتے اور غیر ٹرینڈ کتے سے شکار کرتا ہوں: ''جب تم اپنے ٹرینڈ کتے سے شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو کھاؤ، اور جب تم اپنے غیر ٹرینڈ کتے سے شکار کرو اور اس کو ذبح کر سکو تو اس کو کھاؤ''۔

ذبح کے احکام:

''ذبائح'' کی تعریف: ''ذبائح'' ذبیحہ کی جمع ہے جس کے معنی ''مذبوحۃ'' (جس کو ذبح کیا جائے) کے ہیں۔

اس سے مراد وہ جانور ہے جس کو مخصوص شرائط کے ساتھ شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کا کھانا جائز ہو۔

ذبح اور تزکیہ کے درمیان فرق:

تزکیہ یہ ہے کہ جانوروں پر قابو رہنے کی صورت میں حلق یا سینے کے بالائی حصے میں ذبح کیا جائے، یا قابو نہ ہو تو کسی بھی طریقہ سے مار کر روح نکالی جائے مثلاً شکار کرے۔

ذبح یہ ہے کہ گردن کا وہ حصہ کاٹا جائے جس سے موت واقع ہو جاتی ہے، اس میں تمام شرعی شرطیں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں، آگے ہم ان شرطوں کو بیان کر رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذبح، تزکیہ کی ایک قسم ہے، البتہ اس میں شرعاً صحیح ہونے کی قید نہیں ہے۔

تزکیہ کی شرط لگانے کی حکمت:

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جانور کا کھانا حلال ہونے کے لیے ذبح کرنے میں دراصل عبادت کے معنی پوشیدہ ہیں، جیسا کہ وضاحت کے ساتھ یہ بات شکار کی مشروعیت کی حکمت میں گزر چکی ہے۔

البتہ تعبدی معنی کے علاوہ چند اور حکمتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تمام شریعتوں اور قوموں میں مردار جانوروں کی حرمت اور اس کے نجس ہونے کے احکام ملتے ہیں، اسی وجہ سے خود سے مرے ہوئے مردار جانور اور اس کے علاوہ

دوسرے جانوروں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے، اس لیے شریعت کے حکم میں ذبح کو ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت نے خون کے نجس ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سے احتراز کو واجب قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں بہت سے نقصانات پائے جاتے ہیں، ذبح سے جانوروں کو خون سے پاک کیا جاتا ہے، اور دم گھٹنے وغیرہ سے جانور کے مرنے کی صورت میں خون جم جاتا ہے۔

تزکیہ کی قسمیں:

تزکیہ کی تین قسمیں ہیں: ذبح کرنا نحر کرنا اور عقر کرنا۔

۱۔ **ذبح**: مخصوص شرطوں (جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے) کے ساتھ حیوان کا حلق یعنی گردن کا اوپری حصہ کاٹنا۔

ذبح ان تمام جانوروں کا تزکیہ ہے جن کا انسان تزکیہ کر سکتا ہے، یعنی جن پر اس کو قدرت حاصل ہو۔

۲۔ **نحر**: حیوان کے سینہ کا بالائی حصہ یعنی گردن کا نچلا حصہ کاٹنا۔

اونٹ کو نحر کرنا مسنون ہے۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے: ''**فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ**'' آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھو اور نحر کرو (کوثر) فقہاء نے کہا ہے: اس میں یہ معنی صاف نظر آتے ہیں کہ اونٹ کو نحر کرنے سے اس کی روح جلدی نکل جاتی ہے، کیوں کہ اس کی گردن لمبی رہتی ہے۔

یہ دو قسمیں یعنی ذبح اور نحر تزکیہ میں ایک دوسرے کا قائم مقام ہوتی ہیں۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''سن لو! تزکیہ حلق اور سینہ کے اوپری حصہ میں ہوتا ہے'' (دارقطنی: ۲۸۳/۴، بخاری: کتاب الذبائح والصید، باب النحر والذبائح) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے۔

البتہ اونٹ کو نحر اور باقی دوسرے جانوروں مثلاً گائے اور بکری وغیرہ کو ذبح کرنا مسنون ہے۔

۳۔ **عقر**: جس کو ضرورت کے وقت کا تزکیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ حیوان کے جسم کے کسی بھی حصے کو اس طرح زخمی کرنا کہ اس سے اس جانور کی روح نکل جائے۔

عقر اس ماکول اللحم جانور کا تزکیہ ہے جو بدک جائے اور مالک اس کو اپنے قابو میں نہ کرسکتا ہو، اسی طرح یہ شکار کا بھی تزکیہ ہے، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اس کی دلیل بدکے ہوئے اونٹ کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے، جس کو ایک شخص نے تیر سے مار گرایا تھا: ''یہ چوپائے جنگلی جانوروں کی طرح بدکتے ہیں، جب ان میں سے تم پر کوئی غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو'' (بخاری: ۵۱۹۰، مسلم: ۱۹۶۸، نے حضرت رافع بن خدیج سے رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے)

ذبح صحیح ہونے کی شرطیں:

شرطوں سے مراد وہ امور ہیں جن کا ذبح کے وقت پایا جانا ضروری ہے، تاکہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوجائے۔

شرطیں تین طرح کی ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والے سے متعلق شرطیں۔
۲۔ جانور سے متعلق شرطیں۔
۳۔ ذبح کرنے کے آلہ سے متعلق شرطیں۔

(الف) ذبح کرنے والے سے متعلق شرطیں:

ذبح کرنے والے میں مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہو، ذبح کرنے والا غیر مسلم اور غیر اہل کتاب نہ ہو یعنی مرتد، بت پرست، ملحد یا مجوسی ہو تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے

مسلم کا ذبیحہ حلال ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ''**اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**'' مگر جو تم ذبح کرو (مائدہ) یہ خطاب مسلمانوں سے ہے۔

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''**وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ**'' اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے (مائدہ) یہاں کھانے سے مراد ذبیحہ ہے۔

اہل کتاب کو چھوڑ کر دوسرے کافروں کا ذبیحہ حلال نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے ہجر کے مجوسیوں کے سامنے اسلام پیش کیا، جنھوں نے اسلام قبول کیا تو ان سے قبول کیا گیا، اور جنھوں نے انکار کیا ان پر جزیہ نافذ کیا گیا اور یہ بھی شرط رکھی گئی کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور ان کو کوئی عورت نکاح میں نہ دی جائے'' (بیہقی ۹/۲۸۵) انھوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، اکثر علماے امت کے فتوے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کو تابعی، صحابی کا تذکرہ کیے بغیر نبی کریم ﷺ سے بلا واسطہ روایت کرے)

مجوسیوں کی بہ نسبت یہ حکم ہے تو مرتدین، بت پرست اور ملحدین کی بہ نسبت یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہے، کیوں کہ وہ مجوسیوں سے زیادہ کفر میں پڑے ہوئے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب ایسا نہ ہو کہ ان کتابوں میں تحریف یا ان کی منسوخیت کے بعد وہ یا اس کے آباء واجداد میں سے کوئی اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی نہ ہوا ہو، بلکہ اس سے پہلے ہی سے اہل کتاب ہو۔

اگر کوئی ملحد آج نصرانی بن جائے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اسی طرح وہ نصرانی یا یہودی جن کے قدیم آباء واجداد کے سلسلے میں یہ بات مشہور ہو کہ وہ بت پرست تھے پھر وہ تحریف یا نبی ﷺ کی بعثت کے بعد نصرانی ہوگئے تھے تو ان کا بھی ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اس کی دلیل حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عرب کے نصاریٰ کے ذبیحہ سے منع فرمایا، وہ بہراء، تنوخ اور تغلب کے قبیلے ہیں۔

اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ انھوں نے تحریف کے بعد نصرانیت کو قبول کیا تھا۔

۳۔ غیر اللہ کے لیے ذبح نہ کیا جائے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے:

اگر کسی بت کے نام پر یا کسی مسلمان کے نام پر یا کسی نبی کے نام پر ذبح کیا جائے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو حرام چیزوں کے سیاق میں ہے: ''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ'' (مائدہ) اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ یعنی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

جب ذبح کرنے والے میں یہ شرطیں پائی جائیں تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ذبح کرنے والا مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، بلکہ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ممیز ہو یا نہ ہو، نشہ میں ہو یا پاگل ہو وغیرہ، جب تک ذبح کی طاقت پائی جائے اور ذبح کرنے والے میں یہ شرطیں پائی جائیں تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

(ب) ذبیحہ یعنی جانور سے متعلق شرطیں:

ذبیحہ میں مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ ذبح کرنے والے کو ذبح کرنے سے پہلے جانور زندہ ملے اور اس میں زندگی موجود ہو یعنی کسی مرض یا زخم وغیرہ کی وجہ سے جانور موت کے منھ میں پہنچ نہ رہا ہو، اس طور پر کہ اس کی حرکت میں ذبح کیے جانے والے جانور کی طرح اضطراب نہ پایا جائے۔

اگر جانور ذبح کرنے سے پہلے اپنی مستقل زندگی کھو چکا ہو پھر اس کو ذبح کیا جائے تو یہ تزکیہ شمار نہیں ہوگا اور یہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

ذبح کرنے کے بعد رگوں سے خون بہہ جائے تو اس کو مستقل زندگی کے پائے جانے کی دلیل نہیں مانا جائے گا۔

۲۔ حلقوم یعنی سانس کی نالی اور مری یعنی کھانے کی نالی دونوں کٹ جائیں:

اگر ان میں سے کوئی ایک نالی کٹے بغیر رہ جائے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، چاہے نالی کا کوئی بھی حصہ کٹنے سے باقی رہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری (۲۳۵۶) اور امام مسلم (۱۹۶۸) نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو خون بہائے اور

اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کو کھاؤ، سوائے دانت اور ناخن سے ذبح کیا ہوا جانور''۔

ذبح میں خون بہانے کی شرط لگائی گئی ہے، خون اس وقت بہتا ہے جب حلقوم اور مری دونوں کو کاٹ دیا جائے، ان دونوں کے کٹنے سے ہی زندگی ختم ہوجاتی ہے اور ان کی موجودگی میں عام طور پر زندگی باقی رہتی ہے۔

۳۔ جلدی سے ایک ہی جھٹکے میں کاٹے، اگر تاخیر کرے، جس کی وجہ سے جانور حلقوم اور کھانے کی نالی دونوں کے کٹنے سے پہلے اپنی آخری حرکت تک پہنچ جائے تو یہ تزکیہ صحیح نہیں ہوگا اور ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

ذبیحہ میں مستقل زندگی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ذبح کے بعد اس میں بہت زیادہ حرکت پائی جاتی ہے۔

اگر ذبح کرنے اور کاٹنے میں تاخیر کرے اور ذبح کرنے سے فارغ ہوجانے پر حیوان میں حرکت باقی نہ رہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح مکمل ہونے سے پہلے اس کی مستقل زندگی ختم ہو چکی ہے، اور جانور کا تزکیہ نہیں ہوا ہے، اس لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(ج) آلۂ ذبح سے متعلق شرطیں:

آلۂ ذبح میں مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ ایسا آلہ ہو جس کی تیزی سے زخم ہوجائے مثلاً لوہا، تانبا، لکڑی، شیشہ اور پتھر وغیرہ، اگر کسی چیز کے دباؤ کی وجہ سے جانور مر جائے تو تزکیہ صحیح نہیں ہوگا، مثلاً بغیر دھار والا پتھر۔

اس کی دلیل امام بخاری اور امام مسلم کی سابقہ روایت ہے: ''جو خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کو کھاؤ''۔

خون بہائے یعنی جو اپنی تیزی سے زخمی کرے، دباؤ کی وجہ سے خون نکل کر مر جائے تو یہ خون بہانے میں شامل نہیں ہوگا۔

۲۔ آلۂ ذبح ناخن اور دانت نہ ہو:

ان دونوں میں سے کسی سے ذبح کرنے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، چاہے دھار والے ناخن یا دانت سے زخمی کرنے کی وجہ سے پورا خون نکل جائے۔

کیوں کہ حدیث میں ان دو چیزوں سے ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے، امام مسلم اور امام بخاری کی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کے اخیر میں ہے.........''سوائے دانت اور ناخن کے''۔

دانت اور ناخن میں آدمی اور حیوان کی تمام ہڈیاں بھی شامل ہیں۔

اس استثنا کی حکمت یہ ہے کہ یہ صرف تعبدی حکم ہے، جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے، پہلے ہی یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ ذبح کے تمام احکام کی بنیاد محض عبادت ہے، یہ مصلحتوں اور علتوں پر قائم نہیں ہے۔

نوٹ:

۱۔جانور کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو تو پھر اس بچے کو ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کی ماں کا ذبح ہی اس کا بھی ذبح مانا جائے گا، البتہ زندہ نکالا جائے تو اس کو بھی ذبح کیا جائے گا، یعنی جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا بچہ مردہ نکل آئے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

اگر وہ زندہ ہو تو اس کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل امام ابو داود (۲۸۲۷) کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے جنین (پیٹ کے بچہ) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اس کو کھاؤ، کیوں کہ اس کا ذبح اس کی ماں کو ذبح کرنا ہے''۔

جانور کی زندگی میں اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹا جائے تو وہ مردار کے حکم میں ہے، البتہ اس سے مفروشات اور لباس وغیرہ میں استعمال کیے جانے والے بال مستثنیٰ ہیں، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے، یعنی جانور کی زندگی میں اس کے جسم کے کاٹے ہوئے کسی حصہ کو کھانا اور استعمال کرنا حلال اور حرام ہونے اور پاک اور نجس ہونے میں اس کا حکم مردار

جانور ہی کی طرح حلال یا حرام ہے۔

مچھلی زندہ ہو اور اس کا ایک حصہ الگ کیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے کیوں کہ مری ہوئی مچھلی کھانا جائز ہے۔

بکری زندہ ہو اور اس کا ایک حصہ کاٹا جائے تو اس کو کھانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ مردار بکری نجس ہے۔

انسان کی زندگی میں اس کا کوئی عضو کاٹا جائے تو وہ پاک ہے، کیوں کہ انسان مرنے کے بعد بھی پاک ہے۔

چوپائے کا کوئی حصہ زندگی میں کاٹا جائے تو وہ نجس ہے کیوں کہ مردار چوپایہ نجس ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کے کوہان اور بکری کے سورین کے کاٹے ہوئے حصے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''زندہ سے جو کاٹا جائے وہ مردہ ہے''(مستدرک حاکم: ۲۳۹/۴، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

ابو داؤد (۲۸۵۸) اور ترمذی (۱۴۸۰، الفاظ ان کے ہیں اور انھوں نے اس کو حسن کہا ہے) نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ مدینہ آئے جب کہ لوگ اونٹ کے کوہان اور بکریوں کے سُرین کاٹتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''چوپائے کی زندگی میں جو کاٹا جائے وہ مردار ہے''، امام حاکم نے یہ روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔(۲۳۹/۴)

اس سے مستثنیٰ چیزیں:

البتہ اس حکم سے اُون اور روئیں مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ مستثنیٰ ہیں:

۱۔ان جانوروں کے بال جن کا کھانا حلال ہے۔

۲۔اس کی زندگی میں یا شرعی طریقے پر ذبح کے بعد کاٹے جائیں۔

۳۔زندہ جانور سے الگ ہونے والے عضو سے نکالا نہ جائے۔

انسان کے علاوہ دوسرے مردار حیوان کے بال نجس ہیں، وہ پاک نہیں ہوتے، کیوں کہ اس کی دباغت کرنا صحیح نہیں ہے، طہارت کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ''(نحل) اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو، اور ان کے اون، ان کی روؤں اور بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لیے بناتے ہو۔

ماکول اللحم جانور کے بال کے قائم مقام پرندوں کے پر بھی ہیں، لیکن سابقہ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۳۔مردار کھانا حرام ہے، چاہے اس کی موت جس طرح سے بھی ہو، مردار وہ ہے جس کی روح شرعی ذبح کے بغیر نکل جائے، چاہے وہ اپنی موت مرے یا کوئی دوسرا اس کو مار ڈالے، مثلاً اس کو قتل کردے، گلا دبادے، یا ڈبو دے وغیرہ۔

اسی طرح ہر جانور کا بہتا خون کھانا حرام ہے۔

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ''(مائدہ)

تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جن جانوروں کو غیر اللہ کے نام ذبح کیا جائے، جو گلا گھٹنے سے مر جائے، جو کسی ضرب سے مر جائے، جو گر کر مر جائے، جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھائے، لیکن جس کو تم ذبح کرو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے۔

آیت کریمہ میں ہر خون، مردار اور ان دونوں کے ساتھ مذکورہ تمام چیزیں خنزیر کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا جائے اور جو نصب (وہ پتھر جن پر لوگ اپنے

معبودوں کے لیے ذبح کیا کرتے تھے) پر ذبح کیا جائے، ان سب کا کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔

مردار اور خون سے مستثنیٰ چیزیں:

مرادر سے مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں، اور خون سے جگر اور تلی مستثنیٰ ہیں۔

اس کی دلیل امام احمد وغیرہ کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو مردار اور دو خون ہمارے لیے حلال کیے گئے ہیں: دو مردار: مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون: جگر اور تلی''۔

ذبح کی سنتیں:

ذبح کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنا مسنون ہے:

۱۔ذبح کے وقت اللہ عزوجل کا نام لینا: ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے۔

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ''(الانعام) اس جانور کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کو کھاؤ''۔

اسی طرح تیر یا شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، اگر ذبح کرنے والا ذبح کرتے وقت اللہ عزوجل کا نام نہ لے اور ذبح کی تمام شرطیں پائی جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ شوافع کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

۲۔ذبح کے وقت حلقوم کو گھیری ہوئی گردن کی دو رگوں کو کاٹنا: ان میں سے ہر ایک کو ''ورید'' کہا جاتا ہے، کیوں کہ ان کے کٹنے سے روح جلد نکل جاتی ہے۔

۳۔چھری کو تیز کرنا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو (بہتر انداز میں کرنے کو) لکھ دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، جب تم ذبح کرو تو اچھے انداز میں ذبح کرو، اور تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے''(مسلم:۱۹۵۵)

۴۔ چوپائے کو بائیں پہلو لٹائے اور ذبح کے بعد اس کے داہنے پیر کو کھول دے تا کہ حرکت سے اس کو راحت ملے، اس سے اونٹ مستثنیٰ ہے، افضل یہ ہے کہ اس کے بائیں گھٹنے کو باندھ کر کھڑے ہی نحر کیا جائے، اس کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "**فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ**" (حج) تو تم کھڑے کر کے ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "تین پیروں پر کھڑا کیا جائے" (حاکم نے مستدرک میں یہ روایت کی ہے ۴/۲۳۳)

۵۔ ذبح کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے، کیوں کہ یہ سب سے بہتر سمت ہے، جب ذبیحہ کو قبلہ رخ کیا جائے تو ذبح کرنے والا بھی قبلہ رخ ہو۔

عقیقہ کے مسائل

عقیقہ کی تعریف:

عقیقہ "عَقٌّ" سے مشتق ہے، جس کے معنی کاٹنے کے ہیں، دراصل اس کا استعمال ان بالوں کے لیے ہوتا ہے جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر رہتے ہیں، اس کو عقیقہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کو کاٹ دیا جاتا ہے۔

عقیقہ کی شرعی معنی: وہ جانور جس کو بچے کے نام پر اس کے بال کاٹتے وقت ذبح کیا جاتا ہے، جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، کیوں کہ بال تراشتے وقت اس کو ذبح کیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل امام ابوداود (۲۸۴۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ عقوق (لفظ عقوق) کو پسند نہیں فرماتا"، گویا آپ نے یہ نام ناپسند کیا، اور فرمایا: "جس کو کوئی بچہ ہوا اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو وہ قربانی کرے"۔

عقیقہ کا حکم:

عقیقہ سنت مؤکدہ ہے، بچے کے ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا عقیقہ کرے، اس کے مستحب ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہے، حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "بچے کے ساتھ اس کا عقیقہ ہے، چناں چہ تم اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو ہٹاؤ" (بخاری: ۵۱۵۴)

علماء نے عقیقہ کو واجب نہیں کہا ہے، کیوں کہ یہاں خون بہانا کسی جرم اور نذر کی وجہ سے نہیں ہے، اسی وجہ سے نذر کی طرح یہ واجب نہیں ہے۔

اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل امام ابو داؤد کی روایت کردہ سابقہ روایت ہے:

''جس کو بچہ ہوا اور وہ قربانی کرنا چاہے تو وہ قربانی کرے''۔

عقیقہ کا وقت:

ماں کے پیٹ سے مکمل طور پر بچے کے باہر آنے کے بعد عقیقہ کرنا جائز ہے، اگر مکمل طور پر ماں کے جسم سے بچہ جدا ہونے سے پہلے ذبح کیا جائے تو یہ عقیقہ شمار نہیں ہوگا، بلکہ یہ عام گوشت ہوگا، اس کا حکم سنت عقیقہ کا نہیں ہوگا۔

بالغ ہونے تک اس کا استحباب باقی رہتا ہے، پھر بالغ ہونے کے بعد باپ کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے، اس وقت بہتر یہ ہے کہ وہ خود اپنی طرف سے چھوٹی ہوئی سنت کے تدارک کے لیے عقیقہ کرے۔

ساتویں دن بچہ کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

اس کی دلیل امام ابوداؤد (۱۵۲۲) وغیرہ کی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون رہتا ہے، اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے، نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال منڈھائے جائیں''۔

''بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون رہتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے عقیقہ کیے جانے کی صورت میں اس کی بہترین پرورش اور اس کی کامل حفاظت ہوتی ہے۔

یہ بھی مطلب بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن وہی بچہ اپنے والدین کی شفاعت کرے گا جس کا عقیقہ کیا گیا ہو۔

عقیقہ کی حکمت:

عقیقہ میں بہت سے اسرار و رموز، مصلحتیں اور فائدے پوشیدہ ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کی نعمت سے بشارت لینا، کیوں کہ اس نے وضع حمل کو آسان بنایا اور والدین کو بچہ عطا فرمایا، بچہ والدین کو محبوب رہتا ہے، اس لیے بچہ عطا کرنے والے اور نعمت سے نوازنے والے کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: ''**وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ**'' (زمر) اور اگر تم شکر کرتے ہو تو اس کو تمہارے لیے وہ پسند کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ''**لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ**'' (ابراہیم) اگر تم میرا شکر بجالاؤ گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**'' (کہف) مال اور بچے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ''**زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ**'' (آل عمران) لوگوں کے لیے عورتوں اور بچوں میں سے خواہشات کی محبت مزین کی گئی ہے۔

۲۔ بچے کے حسب ونسب کا اعلان: کیوں کہ نسب کا اعلان کرنا ضروری ہے، تا کہ اس کے سلسلے میں کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو ناپسند کی جاتی ہو، عقیقہ اس کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

۳۔ انسان میں موجود سخاوت کی صفت میں اضافہ کرنا اور دلوں سے کنجوسی ختم کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ**'' (النساء ۱۲۸) اور نفوس میں حرص رہتا ہے۔

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: ''**وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**'' (الحشر) جس کو اس کے نفس کے شح (کنجوسی) سے بچالیا جاتا ہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

۴۔ گھر والوں، قریبی رشتہ داروں، دوستوں اور فقیروں کی دل دہی اور خاطر تواضع کرنا، کیوں کہ عقیقہ کے وقت تمام لوگ دعوت میں جمع ہوتے ہیں، ملاقات سے آپسی محبت،

مودت اور الفت میں اضافہ ہوتا ہے، اسلام الفت ومحبت اور اجتماعیت کا دین ہے۔

عقیقہ میں سنت یہ ہے کہ ولی بچے کی طرف سے ایک بکری اور بچی کی طرف سے بھی ایک بکری قربانی کرے۔

امام ترمذی (۱۵۱۹) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے حسن کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کیا۔

لیکن افضل یہ ہے کہ ولی بچے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربانی کرے۔

امام ترمذی (۱۵۱۳) وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ بچے کی طرف سے دو یکساں بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربانی کریں۔

متعدد بچوں کی طرف سے متعدد عقیقہ کرنے کا حکم :

ایک سے زیادہ بچوں کی طرف سے ایک ہی بکری ذبح کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ سنت یہ ہے کہ جتنے بچے ہوں ان کی طرف سے الگ الگ بکریوں کی قربانی کی جائے، ایک بچہ ہوتو ایک بکری، دو بچے ہوں تو دو بکریاں اور تین بچے ہوں تو تین بکریاں۔

اگر جڑواں بچے پیدا ہوں تو دو عقیقہ کیا جائے، ان دونوں کی طرف سے ایک ہی عقیقہ کافی نہیں ہوگا۔

امام ابو داود (۲۸۴۱) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا۔

مستدرک حاکم (كتاب الذبائح: باب عق النبی ﷺ عن الحسن والحسين) میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حسن اور حسین کی طرف سے دو یکساں مینڈھوں کا عقیقہ کیا۔

عقیقہ کی شرطیں:

عقیقہ صحیح ہونے کے لیے جنس، سال اور گوشت میں کمی لانے والے عیوب سے

پاک رہنے میں قربانی کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، کیوں کہ عقیقہ قربانی کی طرح سنت ہے اور یہ سنت ہونے میں اس کے مشابہ ہے۔

امام ترمذی (۱۴۹۷، انھوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے) اور امام ابو داؤد (الفاظ ان ہی کے ہیں ۲۸۰۲) نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''چار جانوروں کی قربانی نہیں: ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا مریض جس کا مرض واضح ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور ایسا ہڈی ٹوٹا ہوا جس میں گودا نہ ہو''۔

ان چار عیوب پر ہر اس عیب کو قیاس کیا گیا ہے جس سے جانور کمزور ہوتا ہے اور گوشت میں کمی آتی ہے۔ اس کی تفصیلات کے لیے قربانی کے مسائل دیکھے جائیں۔

عقیقہ اور قربانی کے درمیان فرق:

عقیقہ صحیح ہونے کے لیے ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو شرطیں قربانی صحیح ہونے کے لیے ہیں، البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر اعتبار سے دونوں میں مشابہت ہے، بلکہ بعض فرق بھی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قربانی کے گوشت کے برخلاف عقیقہ کا گوشت دوسری تمام دعوتوں کی طرح پکا کر صدقہ کیا جائے گا، کچا صدقہ نہیں کیا جائے گا، حالانکہ قربانی کے گوشت کا یہ حکم نہیں ہے۔

عقیقہ کے گوشت کو میٹھی چیز ڈال کر پکانا مستحب ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کے اخلاق میں مٹھاس آنے کا نیک فال لیا جائے، افضل یہ ہے کہ اس کا گوشت اور شوربا مسکینوں کے پاس بھیجا جائے، اسی طرح اس میں سے کھانا اور ہدیہ دینا بھی مستحب ہے۔

۲۔ بچے کے اعضاء کی سلامتی کا نیک فال لیتے ہوئے عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں جتنا ممکن ہو نہ توڑی نہ جائیں بلکہ جوڑ سے الگ کیا جائے، یہ مستحب ہے۔

۳۔ عقیقہ کے جانور کے پیر کا اگلا حصہ بغیر پکائے ہدیہ کرنا مستحب ہے، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے حکم سے اس طرح کیا تھا۔ حاکم نے یہ روایت کی ہے۔

ساتویں دن بچے کا نام رکھنا، بال منڈھانا اور اس کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کرنا:

ولادت کے ساتویں دن بچے کا نام رکھنا مستحب ہے، اسی طرح اچھے نام کا انتخاب کرنا بھی مستحب ہے۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''تم کو قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا، چناں چہ تم اپنے نام اچھے رکھو'' (ابوداؤد: ۴۹۴۸)

امام مسلم (۲۱۳۲) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں''۔

ساتویں دن عقیقہ کے بعد بچے کا سر منڈھانا، چاہے بچہ ہو یا بچی، اور بالوں کے وزن کے مطابق سونا یا چاندی دینا مستحب ہے۔

امام ترمذی (۱۵۱۹) وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حسن کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کیا اور فرمایا: ''فاطمہ! اس کا سر منڈھاؤ اور اس کے بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو''، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے بال وزن کیے تو اس کا وزن ایک درہم یا چند درہم کے برابر تھا۔

بچے کے کان میں اذان دینا:

بچہ ہوتے ہی داہنے کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا مسنون ہے، تاکہ دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے اس کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچے۔

امام ترمذی (۱۵۱۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ عبیداللہ بن ابورافع نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسن بن علی کے کان میں اذان دیتے ہوئے سنا، جب فاطمہ نے ان کو جنا۔

بچے کی تحنیک کرنا:

کھجور سے بچے کی تحنیک کرنا مستحب ہے۔

تحنیک یہ ہے کہ کھجور کو چبا کر بچے کے منھ میں ڈالا جائے، جس کا کچھ حصہ پیٹ میں چلا جائے، اگر کھجور نہ ملے تو کسی میٹھی چیز سے تحنیک کی جائے۔

تحنیک کے مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم (۲۱۴۴) وغیرہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب عبداللہ بن ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، جب کہ رسول اللہ ﷺ عبا پہنے اپنے ایک اونٹ پر تارکول مل رہے تھے، آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کھجور ہے''؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر میں نے آپ کو کھجوریں دی تو آپ نے ان کو اپنے منھ میں ڈالا اور ان کو چبایا، پھر بچے کا منھ کھولا اور اس کے منھ میں ڈال دیا تو بچہ اس کو چوسنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انصار کی محبوب غذا کھجور ہے'' اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

امام مسلم (۲۱۴۵) نے ہی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''مجھے ایک بچہ ہوا، اس کو لے کر میں نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کی''۔

امام مسلم (۲۱۴۷) نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تو آپ ان کو برکت کی دعا دیتے اور ان کی تحنیک کرتے۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی بنیاد پر ہی علماء نے کہا ہے کہ بچہ کو ولادت کے بعد صالحین اور پرہیزگاروں کے پاس تحنیک اور ان کے حق میں خیر و برکت کی دعا کرنے کے لیے لے جانا مستحب ہے۔

ختنہ کے مسائل واحکام

ختان کے معنی ہیں کاٹنا۔
بچے کا ختنہ یہ ہے کہ حشفہ سے گھرا ہوا چمڑا کاٹا جائے۔

ختنہ کا حکم:

شوافع کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لیے ختنہ کرنا واجب ہے۔
مرد کے حشفہ کا گھرا ہوا چمڑا کاٹنا واجب ہے۔
اور عورت کے فرج کے اوپری حصے کے چمڑے کا چھوٹا حصہ کاٹنا واجب ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ ختنہ صرف مردوں کے لیے واجب ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔

ختنہ کی مشروعیت کی دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال منڈھانا، بغل کے بال صاف کرنا، ناخن تراشنا اور مونچھ کاٹنا“ (بخاری:۵۵۵۲، مسلم:۲۵۷) یہاں فطرت سے مراد قدیم سنت ہے جس کو انبیاء نے اختیار کیا ہے اور اس پر تمام شریعتیں متفق ہیں۔

ختنے کا وقت:

ختنہ کرنا واجب ہے، لیکن بچپن میں ہی کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ چھوٹی اور بڑی عمر میں بھی ختنہ کرنا جائز ہے۔
لیکن بچے کے ولی کے لیے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے، جب کہ ختنہ کرنے والا یہ رائے دے کر بچے میں تکلیف برداشت کرنے کی طاقت ہے اور وہ بیمار نہیں ہے۔

اسلام سے پہلے بھی عرب اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں ختنہ کیا کرتے تھے۔

ختنہ کی حکمت:

ختنہ کی حکمت یہ ہے کہ اس سے طہارت وپاکی زیادہ حاصل ہوتی ہے، اس بات میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ حشفہ کا اوپری چمڑہ نکالنے میں پاکی اور صفائی کی ضمانت ہے اور اس سے صفائی وستھرائی میں بڑا تعاون ملتا ہے۔
ظاہری نظافت اور پاکی اندرونی نظافت وپاکی کی دلیل ہے۔
اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ “
اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(بقرہ)
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توبہ سے گناہوں اور عیوب سے پاکی حاصل ہوتی ہے

بچہ ہونے پر مبارکباد دینا:

یہ مستحب ہے کہ مرد والد کو، اور عورتیں ماں کو بچہ ہونے پر مبارکباد دیں، مثلاً کہیں:
اللہ تمہارے لیے اس عطیہ خداوندی میں برکت دے اور تم عطا کرنے والی ذات کا شکریہ ادا کرو، یہ بچہ اپنی جوانی تک پہنچے اور اس کو تمہارے ساتھ نیک سلوک کرنے کی توفیق ملے۔
والد کو جواب میں یہ کہنا مستحب ہے: اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکتیں نازل فرمائے اور تم کو بے انتہا ثواب عطا فرمائے۔
اسی طرح عورتیں والدہ سے کہیں گی اور وہ ان کو جواب میں برکت کی دعا دے گی۔

کھانے پینے کے احکام

کھانے کی چیزوں میں کیا حلال ہے اور کیا حرام؟

کھانے کی چیزوں میں حلال اور حرام کو جاننے کا شرعی اصول اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "**قُلْ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** "(انعام) آپ کہہ دیجیے: میں نہیں پاتا میری طرف وحی کی ہوئی باتوں میں کھانے والے پر کوئی چیز حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت، کیوں کہ وہ نجس ہے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا فسق ہو، پھر جو شخص بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو وہ طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا (قدرے ضرورت سے) واقعی آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے: "**وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ** "(اعراف) اور وہ ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "**يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ، قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** "(مائدہ) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

طیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو سلیم الفطرت انسان اچھا جانے اور ان کی خواہش کرے۔

ان آیتوں کی وجہ سے مندرجہ ذیل تین اصولوں پر کھانے پینے کی چیزوں کی حلت اور

حرمت کی بنیاد قائم ہے:

پہلا اصول:

ہر وہ جانور جس کو عرب خوش حالی کی حالت میں اور نبی ﷺ کے زمانے میں اچھا جانتے تھے تو وہ حلال ہے، اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

(الف) ہر وہ جانور جو سمندر ہی میں رہتا ہو، وہ مچھلی کی تمام قسمیں ہیں، کیوں کہ عرب نے تمام سمندری چیزوں کو اچھا جانا تھا اور شریعت نے بھی اس کو حلال قرار دیا ہے۔

امام ترمذی (۶۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہم سمندر کے سفر پر جاتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم رہتا ہے، اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے"۔

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے: "**اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ** "(مائدہ) تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا (سمندری جانور) حلال کیا گیا ہے۔

جمہور علماء نے طعام البحر کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ مچھلی ہے جو مرنے کے بعد پانی پر تیرتی ہے، جب تک سڑ نہ جائے تو کھانا جائز ہے۔

(ب) چوپائے: اونٹ، گائے، بکری، مینڈھا، گھوڑا، جنگلی گائے اور جنگلی گدھا، ہرن، خرگوش اور ان کے علاوہ دوسرے وہ جانور جن کو عرب نے کھانا اچھا سمجھا اور شریعت کی طرف سے ان کو حلال کیا گیا۔

لیکن اس سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کو عربوں نے کھانا اچھا سمجھا، البتہ شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے، مثلاً خچر اور پالتو گدھے، ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری (۵۲۸۴) نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے خیبر کے دن گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور

گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت دی''۔

امام ترمذی (۱۷۹۴) نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہم کو گھوڑوں کا گوشت کھلایا اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

حرمت میں خچر بھی گدھے کے ساتھ شامل ہے، کیوں کہ ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث میں اس کو کھانے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ حلال اور حرام کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے، یعنی گھوڑے اور گدھے کے ملنے سے خچر پیدا ہوتا ہے، اس لیے حرمت کا پہلو حلت کے پہلو پر غالب ہے۔

ہر وہ جانور جس کو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عرب نے خبیث جانا ہو، مثلاً کیڑے وغیرہ، یہ حرام ہے، صرف وہ چیزیں حلال ہیں جن کو شریعت نے حلال کیا ہو، خصوصاً یربوع، گوہ، سمور، وبر اور نیولا وغیرہ۔

یربوع: چوہے کی طرح ایک چوپایہ ہے، لیکن اس کی دم لمبی رہتی ہے، اسی طرح اس کے کان بھی بڑے رہتے ہیں، اور اس کے پچھلے پیر اگلے پیروں سے زیادہ لمبے رہتے ہیں۔

سمور: بلّا کے مشابہ ایک جانور، یہ ترکی لومڑی ہے۔

وبر: بلی سے چھوٹا ایک جانور جس کی آنکھیں سرمگیں رہتی ہیں اور اس کی دم نہیں رہتی۔

امام بخاری نے گوہ کے حلال ہونے کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گوہ کو نہ میں کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کہتا ہوں''۔ (۵۲۱۶)

کھانے کے حلال اور حرام ہونے میں عربوں کے عرف کا اعتبار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہی لوگ شریعت کے سب سے پہلے مخاطب ہیں اور ان ہی میں نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور قرآن نازل ہوا۔

دوسرا اصول :

درندوں میں وہ تمام جانور حرام ہیں جن کے طاقت ور کچلی کے دانت ہوں اور وہ ان سے شکار کرتے ہوں، مثلاً کتا، خنزیر، بھیڑیا، ریچھ، بلی، نیولا (لومڑی سے بڑا اور کتے

سے چھوٹا ایک جانور جس کے ناخن لمبے رہتے ہیں) ہاتھی، چیتا، تیندوا اور بندر وغیرہ ہر وہ جانور جس کے طاقت ور کچلی کے دانت ہوں، جن سے وہ شکار کرتا ہو۔

اگر اس کے کچلی کے دانت کمزور ہوں جس سے وہ شکار نہ کرسکتا ہو تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے، مثلاً بجو اور لومڑی۔

امام ترمذی (۱۷۹۲) وغیرہ نے ابن ابو عمار سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا بجو شکار ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: کیا میں اس کو کھاؤں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

پرندوں میں ہر وہ پرندہ حرام ہے جس کے طاقت ور ناخن ہوں، جن سے وہ زخمی کرسکے، مثلاً گدھ، چیل، باز، شاہین اور عقاب وغیرہ۔

امام بخاری (۵۲۱۰) اور امام مسلم (۱۹۳۲) نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ہر کچلی دانت والے درندے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم (۱۹۳۴) وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی دانت والے درندے سے اور ہر مخلب (وہ ناخن جو طاقت ور ہوں اور دوسروں کو زخمی کرسکتے ہوں) والے پرندے سے منع فرمایا ہے۔

چوں کہ یہ درندے اور پرندے اپنے اندر موجود شکار کی فطرت وطبیعت کی وجہ سے سڑی مردہ لاشوں کو بھی کھاتے ہیں، اس لیے یہ خبیث جانوروں میں سے ہیں۔

تیسرا اصول :

ہر وہ جانور حرام ہے جس کا قتل کرنا مندوب ہو، مثلاً سانپ، بچھو، کوا، چیل، چوہا اور ہر وہ جانور جس میں نقصان ہو۔

ان جانوروں اور اس طرح کے دوسرے جانوروں کو کھانا حرام ہے، چاہے عربوں نے اس کو کھانا اچھا سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو، کیوں کہ حدیثوں میں ان کو مار ڈالنا مستحب قرار دیا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عرب ان میں سے اکثر جانوروں کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ چوپائے ایسے ہیں جو سب کے سب فاسق ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا''۔
(بخاری:۳۳۱۴، مسلم:۱۱۹۸)

(فاسق کے معنی ہیں: خروج کرنے والا، ان چوپایوں کو فاسق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایذا پہنچانے، بگاڑ کرنے اور فائدہ مند نہ ہونے میں یہ دوسرے جانوروں کے حکم سے نکلے ہوئے ہیں)

اضطراری یعنی مجبوری حالت:

اس عمومی حکم سے اضطراری حالت مستثنیٰ ہے، جب آدمی حرام، مردار یا غیر ماکول اللحم (وہ جانور جن کا گوشت کھانا حرام ہے) جانوروں کو کھانے پر مجبور ہو جائے تو اتنا کھانا جائز ہے جس سے اس کی زندگی باقی رہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا'' (نساء ۲۹) اور اپنے آپ کو ہلاک مت کرو، واقعی اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے: ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (بقرہ) پھر جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ قدر حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بعض حلال اور بعض حرام چیزیں:

ذیل میں بعض حرام اور بعض حلال چیزوں کو نمبروار بیان کیا جارہا ہے:

۱۔حرام چیزیں:

(الف) تمام کیڑے مکوڑے حرام ہیں مثلاً چیونٹی، مکھی، گبریلا، سانپ، کیڑا، کھٹمل، جوں، جھینگر اور چھپکلی وغیرہ۔
ڈنگ اور زہر والے کیڑے: مثلاً شہد کی مکھی، بھونرا، بچھو وغیرہ، البتہ ان سے چند

چیزیں مستثنیٰ ہیں مثلاً ٹڈی، سیھہ، گوہ، یربوع، سرکہ اور پھل کے کیڑے معاف ہیں جب کہ پھلوں اور سرکہ کے ساتھ کھائے جائیں۔

(ب) وہ پرندے جن کا کھانا حرام ہے: طوطا، گدھ، چمگاڈر۔

(ج) ہر وہ متنجس چیز جس کا پاک کرنا ممکن نہ ہو: ہر وہ سیال چیز جس میں نجاست گر جائے مثلاً سرکہ، تیل، اور شیرہ وغیرہ میں نجاست گر جائے۔

(د) ہر وہ چیز جس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہو: مثلاً پتھر، مٹی، شیشہ، زہر اور افیون وغیرہ۔

۲۔حلال چیزیں:

(الف) شتر مرغ، بطخ، بط، مرغی، کھیت کا کوا، بھٹ تیتر، چکور، فاختہ (ہر وہ پرندہ جو پانی منھ لگا کر سانس لیے بغیر پیتا ہو اور کوکو کرتا ہو) ہر وہ پرندہ جو گوریا کے مشابہ ہو، چاہے اس کا رنگ جس طرح کا بھی ہو اور اس کی قسم کون سی بھی ہو مثلاً عندلیب، زرزور اور بلبل وغیرہ۔

(ب) ہر پاک چیز جس میں نقصان نہ ہو، دل اس کو ناپسند نہ کرتا ہو اور اس کو گندا نہ سمجھتا ہو، مثلاً پھول، پھل، دانے، انڈے اور مکھن وغیرہ، جن چیزوں کو دل ناپسند کرتا ہو اور اس کو گندا سمجھتا ہو تو اس کا کھانا حرام ہے مثلاً بلغم اور منی وغیرہ۔

(ج) ماکول اللحم جانوروں (وہ جانور جن کا کھانا جائز ہے) کا دودھ، غیر ماکول اللحم کا دودھ پینا حرام ہے، اس سے انسان کا دودھ مستثنیٰ ہے، یہ دودھ پاک ہے، اس کو کھایا اور پیا جاسکتا ہے۔

حرام مشروبات اور نشہ آور چیزیں

دراصل پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں:

پینے کی چیزیں کھانے کی چیزوں کی طرح دراصل حلال ہیں، کیوں کہ اللہ عزوجل کا فرمان عام ہے: ''**ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی۔(بقرہ)

ہر وہ چیز جو آسمان سے اترے یا زمین سے نکلے، اور ہر وہ رس جو پھل یا پھول سے نچوڑا جائے اور اس کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''**وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَھُوْرًا لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَنَسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَ کَثِیْرًا** ''(فرقان) اور ہم نے آسمان سے طہور (پاک) پانی نازل کیا تاکہ ہم اس کے ذریعے مردار شہر (زمین) کو زندہ کریں اور ہمارے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور لوگوں کو سیراب کریں۔

لیکن اس عمومی حکم سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کی حرمت پر شرعی دلیل موجود ہو۔

پینے کی حرام چیزیں:

مندرجہ ذیل چیزیں حرام ہیں:

۱۔ جو نقصان دہ ہوں، مثلاً زہر وغیرہ، کیوں کہ اس سے جسم بگڑتا ہے اور جان ضائع ہو جاتی ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''**وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ** ''(بقرہ) اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''**وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ**

بِکُمْ رَحِیْمًا ''(نساء) اور اپنے آپ کو قتل مت کرو، واقعی اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔

۲۔ جو چیز نجس ہو مثلاً خون، پیشاب، انسان کے علاوہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ، یا وہ چیز نجس ہوگئی ہو مثلاً وہ مائع چیز جس میں نجاست گر جائے، کیوں کہ اس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے اور دل اس سے گھن کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا حرام چیزوں کے تذکرہ میں ارشاد ہے: ''**أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا** '' (انعام) یا بہتا خون۔

امام بخاری (۲۱۶) اور امام مسلم (۲۸۴) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بدّو کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو''، جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ نے پانی منگایا اور اس کے پیشاب پر ڈال دیا۔

مسلم کی روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا اور اس کے پیشاب پر ڈال دیا'' اس کے پیشاب پر پانی ڈالنے کا حکم اس کے نجس ہونے کی دلیل ہے۔

۳۔ جس میں نشہ ہو، چاہے وہ انگور کی شراب ہو یا کسی دوسری چیز کی شراب، کیوں کہ ہر نشہ آور چیز کی حرمت پر شرعی دلیلیں موجود ہیں۔

نشہ آور چیزوں کی حرمت کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ''**یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ** ''(مائدہ) اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل باز رہو، تاکہ تم کو کامیابی وفلاح ملے۔

اس آیت کریمہ میں جو تعبیر باز رہنے اور اجتناب کرنے کی استعمال کی گئی ہے وہ پینے کی نہی وممانعت اور حرمت کی تعبیر سے زیادہ بلیغ اور مؤثر ہے، کیوں کہ پینے کی حرمت میں اس کو لانے لے جانے اور اس کی خرید وفروخت کرنا شامل نہیں ہے، البتہ اجتناب

کرنے کے حکم میں اس سے متعلق تمام قسم کے معاملات پینا وغیرہ سب شامل ہیں۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے:

آیت میں اگر چہ صرف انگور کی شراب (خمر) کا تذکرہ ہے، لیکن دوسری تمام نشہ آور چیزیں اس نص میں مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر داخل ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''ہر نشہ آور پینے والی چیز حرام ہے'' (بخاری: ۵۲۶۳، مسلم: ۲۰۰۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ نے آیت کے لفظ ''خمر'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے'' (مسلم: كتاب الاشربة، باب بيان ان كل مسكر خمر)

نشہ آور چیزوں کے الگ الگ نام ہونے سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوتی اور وہ خمر کے حکم سے الگ نہیں ہوتا۔

۳۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خمر کو حرام قرار دینے کا سبب اس میں نشہ پایا جانا ہے، اسی وجہ سے یہ بات ضروری ہے کہ کسی تفریق کے بغیر ہر نشہ آور چیز کو حرمت میں خمر کے ساتھ شامل کیا جائے۔

امام ابوداود (۳۶۸۸) اور امام ابن ماجہ (۴۰۲۰) نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کے چند لوگ ضرور بالضرور شراب نام بدل کر پئیں گے'' (داذی ایک دانہ ہے جو عصیر میں ڈالا جاتا ہے جس سے اس کا نشہ تیز ہو جاتا ہے اور جلدی نشہ پیدا ہوتا ہے)۔

نشہ (سکر) کے معنی کی تعیین:

سکر سے مراد ایسا سخت طرب جس میں نشہ کی وجہ سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور بھلائی اور لیاقت باقی نہیں رہتی۔

نشہ آور سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ اس سے نشہ پیدا ہوتا ہے، اس سے قطع نظر کہ کتنی مقدار کے استعمال سے نشہ آتا ہے۔

ہر وہ چیز جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ متعین مقدار میں اس کا استعمال کرنے سے نشہ آ جاتا ہے تو مطلقا اس کا استعمال جائز نہیں ہے، چاہے اتنا استعمال کرے جس سے نشہ آتا ہو یا اس سے کم استعمال کرے، اس میں پینے والے کا بھی اعتبار نہیں ہوگا، چاہے اس کو نشہ آئے یا نہ آئے۔

فقہاء نے اس کے لیے ایک اصول متعین کیا ہے جو دراصل ایک حدیث نبوی ہے: ''جس کے زیادہ استعمال کرنے سے نشہ آتا ہو تو اس کا کم بھی حرام ہے'' (ابوداؤد: ۳۶۸۱، ترمذی: ۱۸۶۶، ابن ماجہ: ۳۳۹۳، یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے)

امام ترمذی (۳۶۸۷) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے، جس کے ایک فرق (۱۶ رطل وزن والا برتن) پینے سے نشہ آتا ہو تو اس کا ایک چلو بھی حرام ہے''۔

نشہ آور چیز نجس ہے:

انگور کی شراب اور ہر نشہ آور چیز مسلک شافعی میں نجس ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ'' (مائدہ) بلاشبہ شراب، جوا، بت اور قرعہ کے تیر سب نجس ہیں۔

نشہ آور چیزوں کی حرمت کی حکمت:

اللہ عزوجل نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سرفہرست عقل کی نعمت ہے، جس کی وجہ سے انسان دوسرے تمام جانوروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور اللہ نے عقل کے ذریعے انسان کو عزت وشرافت سے سرفراز کیا ہے، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی عقل کی وجہ سے ہی درست رہتی ہے اور عقل کی درستگی سے تمام حالات ٹھیک اور صحیح رہتے ہیں۔

جب کہ نشہ آور چیزوں سے یہ نعمت ختم ہو جاتی ہے اور انسان اس کے بہت سے فوائد اور ثمرات سے محروم ہو جاتا ہے۔

جب عقل غائب ہوجاتی ہے تو نفس سرکش ہوجاتا ہے اوراس پر شہوتوں اور خواہشات کا غلبہ ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ شراب اللہ تعالیٰ کے ذکر اورعبادت سے روکتی ہے، رحمت کے دروازوں سے دور کرتی ہے اوراس کے فضل واحسان سے محروم کردیتی ہے۔

ان نتائج کی طرف اللہ عزوجل نے اپنی کتاب عزیز میں اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ**'' (مائدہ) بے شک شیطان جوئے اورشراب کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈالتا ہے اوراللہ کے ذکر اورنماز سے روکنا چاہتا ہے، کیا تم باز آؤ گے؟

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تاکید اپنے اس فرمان میں کی ہے: ''شراب سے بچو، کیوں کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے'' (مستدرک حاکم: ۱۴۵/۴)

امام نسائی (۳۱۵/۸) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے: ''شراب سے بچو، کیوں کہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے'' یعنی ہر برائی کی اصل اور ہر فساد وبگاڑ کا سرچشمہ ہے۔

انگور کی شراب اورتمام قسم کی نشہ آور چیزوں کی حرمت کی یہ بعض حکمتیں ہیں۔

نشہ آور چیز استعمال کرنے والے کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

نشہ آور چیز استعمال کرنے والے پر دو طرح کے احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ **قضائی**: جس کا اثر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ **دینی**: جس کا اثر قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔

قضائی حکم یہ ہے کہ شراب پینے والے پر حد نافذ کی جائے گی۔

دینی حکم یہ ہے کہ اس سے گناہ لازم آئے گا، اس دوسرے حکم کو ہم تفصیل کے ساتھ

بیان کرنے احتراز کررہے ہیں، کیوں کہ یہ بندے اوراس کے پروردگار اللہ عزوجل کے درمیان کا معاملہ ہے، اس کا تعلق دنیوی فیصلوں اور معاملات سے نہیں ہے، یہ اللہ کے فیصلے پر موقوف ہے، البتہ یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عمداً نشہ آور چیز کا استعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہے اورقیامت کے دن اس کو سخت سزا دی جائے گی، البتہ اللہ اپنے بندے کی مغفرت کرے اوراس کو معاف کرے تو الگ بات ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے اپنے اوپر عہد کیا ہے کہ جو نشہ آور چیز کا استعمال کرے تو وہ اس کو 'طينة الخبال' پلائے گا'' صحابہ نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ''طينة الخبال'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنمیوں کا پیپ یا جہنمیوں کا نچوڑ'' امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے (۲۰۰۲)

نشہ آور چیز استعمال کرنے والے کی سزا:

نشہ آور چیز استعمال کرنے والے کی سزا چاہے وہ انگور کی شراب پئے یا کوئی دوسری نشہ آور چیز استعمال کرے، چالیس کوڑے ہیں، اس کے نفاذ کے لیے چند شرطیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

حاکم مصلحت کی بنیاد پر اس میں ۸۰ کوڑوں تک اضافہ کرسکتا ہے اور چالیس سے زائد کوڑے تعزیر میں شمار ہوں گے۔

امام مسلم (۱۷۰۶) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ شراب پینے والے کو کھجور کے درخت کی لکڑیوں اور جوتوں سے چالیس مار مارتے تھے۔

امام مسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھجور کی لکڑیوں اورچپلوں سے چالیس مار مارا، پھر حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح چالیس مار مارا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد آیا اور لوگ دیہاتوں اور گاؤں کے قریب ہوگئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: شراب کی حد (سزا) کے سلسلے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ اس کو سب سے ہلکی حد بنایا

جائے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اسّی (۸۰) کوڑے متعین کیے۔

چالیس سے زائد کوڑے حد میں شامل نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم (۱۷۰۷) نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ بن ابو معیط کو کوڑے مارنے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گن رہے تھے، جب چالیس کوڑے مارے جا چکے تو حضرت عبداللہ رک گئے پھر فرمایا: نبی کریم ﷺ نے چالیس کوڑے مارے اور ابوبکر نے بھی چالیس کوڑے مارے، عمر نے اسی کوڑے مارے، یہ ایک سنت ہے اور یہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے'' یعنی چالیس پر اکتفا کرنا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی عمل تھا اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے، اضافہ کی صورت میں ظلم ہوسکتا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے منقول چالیس کوڑے حقیقی حد ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی (۸۰) کوڑے مارے تو اس کی وجہ وہی ہے جس طرح کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بتایا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ اسّی کوڑے ماریں، کیوں کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو اس کو نشہ چڑھتا ہے، جب نشہ چڑھتا ہے تو وہ بکتا ہے اور جب بکتا ہے تو کسی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے''۔ امام مالک نے یہ روایت کی ہے (مؤطا امام مالک: کتاب الاشربۃ، باب الحد فی الخمر)

زنا کی تہمت لگانے کی حد اسّی کوڑے ہیں، یہاں یہ حکم تعزیر کی وجہ سے ہے۔

اسی وجہ سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ چالیس کوڑوں پر اکتفا کیا جائے، کیوں کہ یہ حد نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔

نشہ کی حالت میں حد نافذ نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اس وقت مار کا احساس نہیں رہتا، اور اس کی زجر وتوبیخ نہیں ہوتی، نشہ اترنے تک انتظار کیا جائے گا پھر حد نافذ کی جائے گی، تاکہ وہ دوسری مرتبہ نشہ آور چیز کے استعمال سے باز آئے۔

حد ثابت ہونے کی شرطیں:

مندرجہ ذیل دو میں سے کوئی امر پایا جائے تو ملزم پر حد ثابت ہوتی ہے:

۱۔ مکمل بینہ:

مکمل بینہ یہ ہے کہ دو عادل لوگ گواہی دیں، ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی، یا حاکم کی واقفیت سے حد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ دو عادل مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

اس کی دلیل امام مسلم کی سابقہ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو کوڑے لگائے: ''چناں چہ دو مردوں نے ان کے خلاف گواہی دی'' (۱۷۰۷)۔

۲۔ وہ خود اقرار کرے:

وہی خود اعتراف کرے کہ اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا ہے، کیوں کہ اقرار بینہ کے قائم مقام ہے۔

اقرار میں اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا ہے، نشہ آور چیز کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

اسی طرح دو گواہوں کا اتنا کہنا کافی ہے کہ اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا ہے۔

اقرار میں یہ کہنا شرط نہیں ہے کہ میں نے جانتے ہوئے اختیاری طور پر پیا ہے، اسی طرح گواہوں کا بھی یہ کہنا شرط نہیں ہے: اس نے جانتے ہوئے اختیاری طور پر پیا ہے۔

کیوں کہ اصل یہی ہے کہ اس نے جانتے ہوئے اختیاری طور پر استعمال کیا ہے کہ یہ نشہ آور چیز ہے، اگر یہ بات دلیل کے ساتھ معلوم ہوجائے کہ دھمکی دے کر اس کو پینے پر مجبور کیا گیا ہے یا حلق میں بغیر ارادہ چلا گیا ہے یا اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ شراب ہے تو اس پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔

اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول کو معاف کردیا ہے اور جس پر وہ مجبور کیے جائیں'' (۲۰۴۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے۔

دلیل یا اقرار میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل نہیں ہیں: قئی کرنا اور منھ کی بوسونگھنا، کیوں کہ یہاں غلطی یا مجبور کیے جانے کا عذر پائے جانے کا امکان ہے، جب احتمال پایا جائے تو حد نافذ کرنا جائز نہیں ہے۔

کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''جتنا ہو سکے مسلمانوں سے حدود (سزاؤں) کو دفع کرو، اگر اس کے لیے کوئی نکلنے کی راہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، کیوں کہ امام (حاکم) معاف کرنے میں غلطی کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے'' (ابو داؤد:۱۴۲۴)

حد کون نافذ کرے گا؟

شراب کی حد دوسرے حدود کی طرح حاکم نافذ کرے گا۔

اگر حاکم کو کسی جرم کے بارے میں معلوم نہ ہو یا اس کے پاس حد ثابت نہ ہو تو عوام کے لیے اپنی طرف سے حد نافذ کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔

شراب پینے والے یا کسی بھی حد کے مستحق کو محکمہ کے سامنے خود پیش ہونے کا مکلّف نہ بنایا جائے، بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے رب اللہ سبحانہ وتعالی کے حضور سچی پکی توبہ کرے، کیوں کہ سزاؤں کا مقصود بھی یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ سے باز آئے۔

امام بخاری (۶۴۳۷) اور امام مسلم (۲۷۶۴) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! مجھ پر حد ضروری ہوگئی ہے، چناں چہ آپ مجھ پر حد نافذ کیجیے، راوی کہتے ہیں: آپ نے اس کے بارے میں نہیں پوچھا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا تو اس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب نبی ﷺ نے نماز مکمل کی تو وہی شخص آپ کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا اور کہا: اللہ کے رسول! مجھ پر حد ضروری ہوگئی ہے، چناں چہ آپ مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم نافذ کیجیے، آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے''؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''اللہ نے تمہارے گناہ کو

معاف کر دیا ہے''، یا آپ نے فرمایا: ''تمہاری حد کو''۔

امام مسلم (۲۷۶۳) نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ نے تمہارے گناہ کو چھپا دیا تھا اگر تم اپنے گناہ کو چھپاتے'' یہ بات آپ نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کہی اور آپ نے اس کی نکیر نہیں کی۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہی اللہ تعالی کی شریعت میں مطلوب ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو چھپائے اور اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرے۔

مختلف مخدرات کے احکام

"تخدیر" کا معنی: یہ "خدر" سے ماخوذ ہے جو گھر وغیرہ کے پردہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

یہاں "تخدیر" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے عقل وفکر پر سستی، بوجھ اور فتور لاحق ہوتا ہے، گویا اس پر کسی چیز کا پردہ پڑ جاتا ہے۔

مخدرات میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن سے عقل پر اس طرح کا اثر ہوتا ہے مثلاً بھنگ، افیون، حشیش وغیرہ۔

مخدرات کا حکم:

تمام قسم کے مخدرات کا استعمال حرام ہے، چاہے جس طریقے سے بھی استعمال کیا جائے، کیوں کہ اس سے عقل اور جسم دونوں کو نقصان پہنچتا ہے اور اس سے بیماریاں وجود میں آتی ہیں اور اس کے متعدد نقصان دہ نتائج سامنے آتے ہیں جن کے نقصانات سے ہر خاص وعام واقف ہے، یہ بھی نشہ آور چیزوں کے حکم میں ہیں۔

امام ابو داؤد (۳۶۵۶) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا"۔ (امام احمد نے یہ روایت کی ہے: ۶/۳۰۹)

مخدرات کے استعمال کی سزا:

مخدرات کے استعمال کی سزا تعزیر سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

تعزیر کی سزا جرم کی نوعیت اور شدت کے اعتبار سے انصاف پسند اسلامی احکامِ قضا

کے مطابق قاضی متعین کرتا ہے، مثلاً جیل، مار یا زجر وتوبیخ وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ کوڑے مارنے کی صورت میں سب سے چھوٹی شرعی حد یعنی چالیس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

استثنائی صورتیں:

نشہ آور چیزوں اور مخدرات کے عمومی حکم سے بعض حالتیں مستثنیٰ ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ضرورت کے وقت:

کھانے اور سد رمق کے لیے کچھ نہ ہو، صرف شراب یا مخدرات ہوں تو ہلاک ہونے سے بچنے کے لیے بقدر ضرورت مخدرات اور منشیات کا استعمال جائز ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (انعام) پھر جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ قدر حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو تو تمہارا پروردگار مغفرت اور رحم فرمانے والا ہے۔

۲۔دوا کی غرض سے:

طبیب مریض کے لیے کوئی دوا تجویز کرے جس میں نشہ آور چیز اس طرح ملی ہوئی ہو کہ نشہ آور چیز کی صفات اور خصوصیات باقی نہ رہیں اور ظاہر میں اس کی متبادل کوئی دوسری دوا نہ ہو تو مریض ضرورت کے لیے اس کا استعمال کر سکتا ہے۔

البتہ نشہ آور چیز کی حیثیت دوسری ادویہ میں مل کر ختم نہ ہو تو علاج کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، چاہے ڈاکٹر یا طبیب اس کے استعمال کا مشورہ دے۔

یہ بات تجربات سے ثابت ہو چکی ہے کہ خالص نشہ آور چیز کسی بھی مرض کی دوا نہیں ہو سکتی، جس کی متبادل کوئی دوسری دوا نہ ہو۔

بلکہ اس میں فائدہ سے زیادہ نقصان پوشیدہ ہے، امام ابن ماجہ (۳۵۰۰) نے طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں انگور پائی جاتی ہے جس کو ہم نچوڑتے ہیں اور اس کو (شراب بنا کر) پیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں" پھر میں نے دوبارہ دریافت کیا: ہم اس سے

مریض کی دوا تجویز کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''یہ دوا نہیں ہے بلکہ داء یعنی بیماری ہے'' (یہ روایت امام احمد نے کی ہے، مسند امام احمد: ۴/۴۱۱، ۵/۲۹۳)

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حرام کردہ چیزوں میں شفا نہیں رکھا ہے''۔ (کتاب الاشربۃ: باب شراب الحلوی والعسل)

۳۔ آپریشن کرنے کے لیے:

طبیب بیمار کا آپریشن کرنے کے لیے مخدرات کے استعمال پر مجبور ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کے بغیر بیمار آپریشن کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا، اسی لیے ان صورتوں میں مخدرات کا استعمال حرام نہیں ہے، چاہے کسی بھی طریقے سے استعمال کیا جائے، انجکشن دیا جائے یا پیا جائے یا نگلا جائے۔

لباس اور زیب وزینت کے مسائل

لباس اور زیب وزینت اصلاً حلال ہیں:

ہر لباس اور زیب وزینت کی چیزیں اصلاً حلال ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے، چاہے ان کا استعمال بدن میں ہو یا کپڑوں میں یا گھروں میں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانی پر احسان جتلاتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے دنیا کی تمام چیزیں انسانوں کے لیے پیدا کی ہے، تاکہ وہ اپنی دنیوی زندگی میں بطور لباس اور زیب وزینت ان کو استعمال کریں اور لطف اندوز ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**'' وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی (بقرہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''**وَآتَاکُمْ مِنْ کُلِّ مَاسَأَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا**'' (ابراہیم ۳۴) اور اس نے تم کو ہر مانگی ہوئی چیز عطا کی، اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کرسکو گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''**قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْافِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیَامَةِ، کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ**'' (الاعراف ۳۲) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے زینت کے ساز و سامان کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی پاک چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں اس طرح پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں، دنیوی زندگانی میں خاص اہل ایمان ہی کے لیے ہیں، ہم اسی طرح آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یَا بَنِیْٓ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْآتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ذٰلِکَ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ''(اعراف) اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس اس سے بڑھ کر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ یاد رکھیں۔

اللہ جل جلالہ اپنے بندوں پر ان کے لیے پیدا کی گئی چیزوں کا تذکرہ کرتا ہے اور اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے: ''وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَھَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ وَمِنْ اَصْوَافِھَا وَاَوْبَارِھَا وَاَشْعَارِھَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ وَّاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ''(نحل) اور اللہ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو، اور ان کے اون، روؤں اور بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لیے بنائیں اور اللہ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں، اللہ تم پر اسی طرح اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار رہو۔

ان دلائل اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لباس اور زیب وزینت میں شریعت کا اصل حکم حلت اور جواز کا ہے، البتہ حلت سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کی حرمت کے بارے میں شرعی دلیلیں موجود ہیں۔

حلت کی عمومیت سے مستثنیٰ چیزیں:

اس عمومیت سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کی حرمت پر دلیلیں موجود ہیں اور جن کے

استعمال سے منع کیا گیا ہے، ذیل میں ان چیزوں کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے:

ا۔ خرید وفرخت کے علاوہ میں سونے اور چاندی کے استعمال کی حرمت:

خرید وفروخت وغیرہ کو چھوڑ کر سونے اور چاندی کا استعمال کسی بھی طریقہ سے جائز نہیں ہے، البتہ اس سے عورتوں کے لیے سونے کے زیورات کا استعمال مستثنیٰ ہے، چناں چہ کھانے پینے کے لیے برتن بنانا جائز نہیں ہے، ان سے لکھنے پڑھنے کی چیزیں قلم وغیرہ، سرمہ میں مستعمل ساز وسامان بنانا اور ان سے گھروں، مسجدوں اور دکانوں وغیرہ کی تزئین کرنا جائز نہیں ہے، چاہے سونے اور چاندی سے بنائی ہوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔

جس طرح مندرجہ بالا جگہوں پر سونا اور چاندی کا استعمال حرام ہے، اسی طرح ان کے لیے بنانا بھی حرام ہے، چاہے اس کا استعمال نہ کیا جائے، کیوں کہ جن چیزوں کا استعمال حرام ہے ان کو بنانا بھی حرام ہے۔

سونے اور چاندی کے استعمال کی حرمت کی دلیلیں:

صحیح حدیثوں میں حرمت کی بہت سی دلیلیں ہیں جن میں سے بعض ذیل میں بیان کی جارہی ہیں:

امام مسلم (۲۰۶۵) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی سونے یا چاندی کے برتن میں پیے تو وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غرغر پیے گا''۔

امام مسلم (۲۰۶۷) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور ان کی پلیٹوں میں مت کھاؤ کیوں کہ یہ دنیا میں ان (کافروں) کے لیے ہیں''

سونے اور چاندی سے جوڑے ہوئے برتنوں کے استعمال کا حکم:

سونے سے جوڑے ہوئے برتنوں کا استعمال مطلقاً حرام ہے، چاہے جڑا ہوا تار چھوٹا ہو یا بڑا، استعمال کی جگہ پر ہو یا نہ ہو۔

البتہ چاندی سے بلاضرورت جوڑا جائے اور وہ چیز بڑی ہوتو حرام ہے، اگر چھوٹی ہو یا ضرورت کے لیے بڑی ہوتو جائز ہے، چاہے وہ جوڑی ہوئی چاندی استعمال کی جگہ ہو یا نہ ہو۔

اس جواز کی دلیل امام بخاری (کتاب الاشربۃ: باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیتہ) کی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا پیالہ دیکھا جو ٹوٹا ہوا تھا، اس کو چاندی سے جوڑ دیا گیا تھا، انھوں نے کہا: یہ چھاؤں کے درخت کی لکڑی کا چوڑا بہترین پیالہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی پیالہ میں کئی مرتبہ پلایا ہے''۔

سونے اور چاندی سے طلا (پینٹ) کیے گئے برتنوں کے استعمال کا حکم:

برتن کو سونے اور چاندی سے طلا (پینٹ) کیا جائے اور وہ طلا اتنا کم ہو کہ آگ پر جلانے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا ہو یعنی سونا الگ نہ ہوتا ہو تو ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے، اگر اتنا زیادہ ہو کہ آگ پر جلانے سے کچھ بھی حاصل ہوتا ہو یعنی سونا یا چاندی الگ ہوتا ہو تو اس کا استعمال حرام ہے، اسی طرح ایسے برتن بنانا بھی حرام ہے۔

گھروں کی چھتوں اور دیواروں کو مطلقاً سونے اور چاندی سے پینٹ کرنا حرام ہے، چاہے جتنا بھی کم ہو اور آگ پر جلانے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا ہو۔

نفیس معادن سے بنائے ہوئے برتنوں کے استعمال کا حکم:

نفیس معادن مثلاً الماس، موتی، مرجان، یاقوت، زمرد اور شیشہ وغیرہ سے بنائے ہوئے برتنوں کا استعمال جائز ہے، کیوں کہ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے ان برتنوں کے استعمال کی حرمت معلوم ہوتی ہو، اصل شرعی حکم جواز اور حلت ہے جب تک حرمت کی کوئی دلیل نہ پائی جائے، یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی اور ان کو سونے اور چاندی پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے کی حرمت کی حکمت:

ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ اس موضوع اور اس طرح کے دوسرے موضوعات

میں سب سے بڑی حکمت صرف عبادت اور لوگوں کا امتحان مقصود ہے، البتہ تحقیق اور جستجو کرنے والے کو دوسری حکمتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) اللہ عزوجل نے نقدین یعنی سونا اور چاندی کو لوگوں کے لیے قیمت بنایا ہے اور ان کے ذریعے آپسی معاملات کو مربوط کیا ہے، اسی لیے اس طرح کے کاموں میں ان کو استعمال کر کے معطل بنائے رکھنا جائز نہیں ہے، اور ان دونوں سے برتن اور تحفے تحائف بنا کر گھروں میں رو کے رکھنا اور معاملات کے ذرائع کو محدود کرنا صحیح نہیں ہے۔

(ب) اس میں فقراء کے احساسات وجذبات کو مجروح کرنے کا سامان ہے اور دل شکنی کا باعث ہے، کیوں کہ جب وہ مال داروں کو سونے اور چاندی کے زیورات سے زیب وزینت اختیار کیے ہوئے اور ان کے استعمال سے فخر وتکبر کرتے اور مٹک مٹک کر چلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے دل مجروح ہوجاتے ہیں۔

(ج) ان نفیس معادن کے استعمال پر ٹوٹے پڑنے اور ان سے زیب وزینت اختیار کرنے، ان کو اپنے گھروں اور مجلسوں میں جوڑنے سے لوگوں کو باز رکھنا، کیوں کہ اس طرح کے استعمال سے وہ بھول جاتے ہیں کہ دنیوی ضرورتوں اور مفادات کو پورا کرنے کے لیے ان کو وسیلہ اور ذریعہ بنایا گیا ہے، نہ کہ استعمال کے لیے بنایا گیا ہے۔

(د) کفار کی مخالفت کرنا، کیوں کہ کفار کی شان یہ ہے کہ وہ آخرت سے منھ موڑتے ہیں اور دنیا اور دنیا کی نعمتوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عیش وتنعم سے بچو، اور مشرکین کے کپڑوں کو پہننے سے باز رہو''۔ (مسلم: ۲۰۶۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے۔

یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''.......... یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں''، یعنی کفار کے لیے۔

حرمت سے مستثنیٰ چیزیں:

حرمت سے مندرجہ ذیل تین چیزیں مستثنیٰ ہیں:

۱۔معتد بہ مقدار میں عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات زیب وزینت کے مقصد سے پہننا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اسراف کی حد تک نہ ہو، چاہے عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، چھوٹی ہو یا بڑی، مال دار ہو یا فقیر۔

امام ترمذی (۱۷۲۰) نے صحیح سند سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ریشم اور سونا پہننا میری امت کے مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے حلال''۔

اسی طرح علماء نے چھوٹے بچوں کو عید اور دوسرے خوشی کے موقعوں پر زیورات اور ریشم کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

۲۔چاندی کی انگوٹھی پہننا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی تھی۔

امام مسلم (۲۰۹۴) اور امام ترمذی (۱۷۳۹) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

بخاری اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی سے تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ان ہی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش کیا اور فرمایا: ''میں نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی ہے اور میں نے اس میں یہ نقش کیا ہے: محمد رسول اللہ، چناں چہ کوئی اس کی طرح نقش نہ کرے''۔

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطروں پر مشتمل تھا: ایک سطر میں محمد، دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ تھا۔ (بخاری: ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، مسلم: ۲۰۹۲، ترمذی: ۱۷۴۸)

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی مطلقاً حرام ہے:

امام مسلم (۲۰۹۰) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اس کو اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری لیتا ہے اور اپنے ہاتھ میں پہنتا ہے'' رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد ان صحابی سے کہا گیا: اپنی انگوٹھی لو اور اس کو کسی دوسرے کام میں لگاؤ، انھوں نے کہا: میں اس کو ہرگز نہیں لوں گا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ضرورت کے وقت، جب سونے یا چاندی کے برتنوں کے علاوہ کوئی دوسرا برتن نہ ملے تو اس وقت ان برتنوں کو بقدر ضرورت استعمال کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر کسی کی ناک کٹ جائے تو اس کے بدلے سونے کی ناک لگانا جائز ہے، یا اپنے دانتوں کو جوڑنے کے لیے سونے کے استعمال کی ضرورت ہو تو بھی اس کا استعمال جائز ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی نے حسن غریب سند سے (۱۷۷۰) حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جاہلیت میں جنگ کلاب کے موقع پر میری ناک کٹ گئی تو میں نے چاندی کی ناک بنائی جس سے سڑن پیدا ہوگئی، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔ (امام ابوداود نے بھی یہ روایت کی ہے ۴۲۳۲)

اللہ عزوجل کے حکم کی بجا آوری میں لاپرواہی:

بہت سے مسلمان اللہ عزوجل کے اس حکم کی بجا آوری میں لاپرواہی برتتے ہیں اور بے دھڑک سونا اور چاندی کا استعمال کرتے ہیں۔

ان مسلمانوں نے اللہ کے اس حکم کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا ہے اور وہ ان محرمات کے استعمال میں کوئی حرج اور گناہ نہیں سمجھ رہے ہیں، بہت سے مسلمان اپنے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور کڑے اور اپنی گردنوں میں سونے کے ہار پہنتے ہیں، ان لوگوں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور گردنوں میں آگ کی چنگاریاں پہنے ہوئے ہیں، اور اپنے ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کو آواز دے رہے ہیں، انہیں اس بات کا

شعور بھی نہیں ہے کہ وہ کافروں اور مشرکین کی اندھی تقلید کر رہے ہیں، بہت سے لوگ نسبت طے ہونے کے بعد سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ یہ نسبت یا نکاح کے اعلان کے لیے کیا جاتا ہے، یہ باطل چیز ہے، اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اور یہ دلیل مردود ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں اللہ عز وجل کی شریعت میں کوئی برہان اور دلیل نہیں ہے، اور ان لوگوں کے پاس کوئی سند بھی نہیں ہے، بلکہ یہ صرف غیروں کی اندھی تقلید ہے، اسی طرح بہت سے مال دار اور خوش حال لوگ اسراف پر مصر ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے کھانوں، اور دعوتوں، محفلوں میں سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کرتے ہیں، وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر وعید سنائی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۲۔ مردوں کو ریشم پہننے کی ممانعت:

مردوں کے لیے ریشم کے کپڑے پہننا اور اس کا کسی بھی طرح سے استعمال حرام ہے، مثلاً اس پر بیٹھنا، اس کا پردہ بنانا اور اس کو اوڑھنا، البتہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، امام ابوداؤد (۴۰۵۷) اور امام ابن ماجہ (۳۵۹۵) وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ریشم لیا اور اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھا، سونا لیا اور بائیں ہاتھ میں رکھا پھر فرمایا: "یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں"۔

امام ترمذی (۱۷۲۰) نے صحیح سند سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے مردوں کے لیے ریشم اور سونا پہننا حرام کیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے حلال"۔

مردوں کے لیے ریشم حرام ہونے کی حکمت:

عبادت کے مقصد کے علاوہ اس کی حرمت کی حکمت یہ بھی ہے کہ ریشم پہننے میں تکبر اور غرور کا اظہار ہے اور اس میں عورتوں کی مشابہت اور مردانگی کے صفات سے دوری ہے،

کیوں کہ مردوں کی تخلیق زیورات میں پلنے، زیب وزینت کے کپڑے پہن کر تکبر کرنے اور نرم ونازک نظر آنے کے لیے نہیں ہوئی ہے، جس سے وہ عورتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے اور عظیم امور کی انجام دہی سے محروم رہ جاتا ہے، بلکہ اس کی تخلیق زندگی کے لیے ہوئی ہے اور وہ تمام بڑے کاموں سے نبرد آزما ہوتا ہے، اہم کاموں کو انجام دیتا ہے اور مصیبتوں پر صبر کرتا ہے، ان تمام امور کے لیے خشونت ومضبوطی کی ضرورت ہے، اور نرمی، عیش وعشرت، مخنث کی صفات سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔

دو موقعوں پر مردوں کے لیے ریشم کا استعمال جائز ہے:

۱۔ ضرورت کے وقت: مثلاً ریشم کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا ستر چھپانے یا ٹھنڈی یا گرمی سے بچاؤ کے لیے نہ ہو، اس صورت میں ریشم پہننا جائز ہے، کیوں کہ ضروریات سے ممنوعات جائز ہوتے ہیں۔

۲۔ کسی نقصان دہ چیز کو ختم کرنے کے لیے ریشم پہننے کی ضرورت ہو، مثلاً کوئی بیمار ہو اور ریشم پہننے سے جلدی شفایابی یا تکلیف کم ہونے کی امید ہو۔

امام بخاری (۵۵۰۱) اور امام مسلم (۲۰۷۶، الفاظ ان ہی کے ہیں) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو ایک سفر میں کھجلی کی وجہ سے یا کسی تکلیف کی وجہ سے ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

کسی کپڑے میں ریشم کے ساتھ دوسری چیز ملی ہوئی ہو تو اس کپڑے کو پہننے کا حکم:

جب کپڑا ریشم اور دوسری قسم کے کپڑوں سے ملا کر بنایا جائے تو اس وقت ریشم اور دوسری چیز کے وزن کو دیکھا جائے گا، اگر ریشم دوسری چیز کے مقابلے میں زیادہ ہو تو مردوں کے لیے اس کپڑے کا پہننا اور اس کا استعمال حرام ہے، اگر ریشم کم ہو اور دوسری چیز زیادہ ہو تو اس کو پہننا اور اس کا استعمال جائز ہے، کیوں کہ جو زیادہ ہوتا ہے اس پر حکم کا مدار ہوتا ہے، اس کو وہی نام دیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس پر حکم لگایا جاتا ہے، اگر ریشم اور دوسری

چیز کا وزن برابر ہو تو اس کا پہننا اور استعمال کرنا جائز ہے، کیوں کہ اصل جواز ہے۔

اسی بنیاد پر کپڑے کے کناروں پر ریشم کے بیل بوٹے بنانا جائز ہے، اسی طرح ریشم سے کپڑے کی پیوند کاری کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ چار بند انگلیوں کی مقدار سے زیادہ نہ ہو، اگر چار انگلیوں سے زیادہ ہو تو اس کا پہننا جائز نہیں ہے، امام مسلم (۲۰۶۹) نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے ایک کسروانی طیالسی کرتہ نکالا جس میں ریشم کا جیب تھا اور آستین بھی ریشم سے گھیری ہوئی تھی، انھوں نے فرمایا: یہ کرتہ حضرت عائشہ کے پاس تھا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے یہ کرتہ لیا، نبی کریم ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے، ہم مریضوں کے لیے اس کرتے کو دھوتے تھے، جس سے لوگوں کو شفا ملتی تھی۔

امام مسلم نے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا، فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے، مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر''۔

دروازوں اور دیواروں پر ریشم کے پردے لٹکانے کے مسائل:

دروازوں اور دیواروں وغیرہ پر ریشم کے پردے لٹکانا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے حرام ہے، کیوں کہ اس میں تکبر ہے۔

لیکن علماء نے اس حکم سے کعبہ شریف کو مستثنیٰ کیا ہے اور اس کو ریشم کے کپڑے پہنانا جائز قرار دیا ہے، کیوں کہ شروع سے یہ ہوتا آ رہا ہے اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔

۳۔ کالا خضاب لگانے کے احکام:

مردوں اور عورتوں سب کے لیے سر اور داڑھی کے بالوں میں کالا خضاب لگانا حرام ہے، البتہ سفید بال میں کالے کے علاوہ دوسرے رنگ کا خضاب مثلاً لال یا پیلا لگانا مستحب ہے۔

امام مسلم (۲۱۰۲) وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ابو قحافہ کو لایا گیا، ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ (ایک سفید پھول) کی طرح

سفید تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی چیز سے اس کو تبدیل کروا اور کالے سے بچو''۔

(ابو قحافہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، ان کا نام عثمان ہے، انھوں نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا)

امام ترمذی (۱۷۵۲) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفیدی کو تبدیل کروا اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو''۔

امام بخاری (۵۵۵۹) اور امام مسلم (۲۱۰۳) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہود اور نصاری خضاب نہیں لگاتے، چناں چہ تم ان کی مخالفت کرو''۔

کالا خضاب لگانے کی حرمت کی حکمت:

کالا خضاب لگانے کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ خضاب سے حقیقت بدلتی ہے، سن رسیدہ کم عمر معلوم ہوتا ہے اور بوڑھی جوان نظر آنے لگتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

البتہ کالے خضاب کے علاوہ دوسرے رنگ کا خضاب لگانے سے اس حد تک تبدیلی نہیں ہوتی کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں۔

ان تمام موضوعات کے احکام کی بنیاد صرف عبادت ہے اور اللہ کے احکام کی پابندی اور اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

۴۔ بال جوڑنے کی حرمت:

اپنے بال کو دوسرے کے بال سے جوڑنا مردوں اور عورتوں کے لیے حرام ہے، چاہے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، زیب و زینت کے لیے ہو یا نہ ہو، یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیوں کہ اس کام کے کرنے والوں اور اس میں تعاون کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے کہا ہے: عورت کے لیے اپنے بال میں دوسری عورت یا

مرد (محرم ہو یا شوہر) کے بال جوڑنا حرام ہے، کیوں کہ دلیلوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے، اس لیے بھی حرام ہے کہ آدمی کے بال اور اس کے تمام اعضاء کی عزت وشرافت کی وجہ سے ان سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، بلکہ انسان کے بال، ناخن اور زندگی میں جدا ہونے والے تمام اعضاء کو دفن کیا جائے گا۔

اگر انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے بال جوڑے جائیں تو دو صورتیں ہوں گی، اگر بال نجس ہو، یعنی مردار جانور یا غیر ماکول اللحم جانوروں کے بال (جوان کی زندگی میں الگ ہوگئے ہوں) ہوں تو ان بالوں سے جوڑنا بھی حرام ہے، کیوں کہ بال جوڑنے کی ممانعت عام ہے، اس لیے بھی حرام ہے کہ نماز وغیرہ میں بدن پر نجاست لگی رہتی ہے، کیوں کہ یہ بال نجس ہیں۔

انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے پاک بال جوڑنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ عورت کا شوہر ہو اور اس کی اجازت ہو، اگر اجازت نہ ہو تو جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر شادی نہ ہوئی ہو یا شوہر نہ ہو تو پاک بال بھی جوڑنا جائز نہیں ہے۔

البتہ چہرے کو لال کرنا اور انگلیوں پر لالی یا مہندی لگانا شوہر اجازت دے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

ریشم وغیرہ کے دھاگوں سے بال جوڑنا جائز ہے، جب کہ وہ بالوں کے مشابہ نہ ہو، کیوں کہ یہ بال جوڑنے کے حکم میں نہیں ہے، یہ صرف زینت کے لیے کیا جاتا ہے۔

بال جوڑنے کی حرمت کی دلیل:

امام بخاری (۵۵۹۱) اور امام مسلم (۲۱۲۲) نے حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میری ایک لڑکی ہے جس کی جلد شادی ہونے والی ہے، وہ بیمار ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کے بال گر گئے ہیں، کیا میں اس کے بال جوڑ سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت کی ہے''

بال جوڑنے کی حرمت کی حکمت:

بال جوڑنے سے حقیقت میں تبدیلی آتی ہے اور حقیقی تخلیقی صفت چھپ جاتی ہے۔

امام بخاری (۵۵۹۴) اور امام مسلم (۲۱۲۷) نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخری مرتبہ مدینہ آئے اور ہم میں تقریر کی اور بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا: میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہودیوں کے علاوہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کرسکتا، نبی ﷺ نے اس کو جھوٹ کہا ہے یعنی بالوں کو جوڑنا۔ اس حدیث میں حرمت کی علت واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ یہ جھوٹ اور حقیقت کو تبدیل کرنا ہے۔

وشم، نمص، اور تفلیج کی حرمت:

وشم یہ ہے کہ ہتھیلی، کلائی، چہرہ یا ہونٹ وغیرہ بدن کے کسی حصہ پر سوئی سے کھدائی کی جائے، پھر اس کھودی ہوئی جگہ کو سرمہ وغیرہ سے بھرا جائے۔

نمص: چہرے کے بال اکھاڑنا۔

تفلیج: ریتی وغیرہ سے دانتوں کو الگ الگ کرنا۔

یہ تینوں چیزیں مردوں اور عورتوں کے لیے حرام ہیں، یہ کام کرنے والے اور کروانے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ اس کام کو کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے، جب کہ لعنت صرف حرام کام کے ارتکاب پر ہی نہیں کی جاتی، بلکہ گناہ کبیرہ ہو تو ہی لعنت کی جاتی ہے۔

فقہاء نے کہا ہے: گودی ہوئی جگہ نجس ہو جاتی ہے، کیوں کہ خون اس میں منجمد ہو جاتا ہے، اگر علاج سے اس کا نکالنا ممکن ہو تو نکالنا واجب ہے، اگر آپریشن کرنا ضروری ہو اور اس سے نقصان یا نمایاں عضو مثلاً چہرہ، ہتھیلیوں وغیرہ میں عیب نمایاں ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو اپریشن کر کے نکالنا ضروری نہیں ہے، بلکہ گناہ سے توبہ کرنا کافی ہے، اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو زائل کرنا ضروری ہے اور تاخیر کرنے پر وہ گنہ گار ہوگا۔

ان چیزوں کی حرمت کی دلیل:

امام بخاری (۵۵۸۷) اور امام مسلم (۲۱۲۲) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ نے خوبصورتی کے لیے گودنے والیوں اور گودوانے والیوں، چہرے سے بال اکھاڑنے والیوں اور دانتوں کو الگ الگ کرنے والیوں اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے، پھر میں کیوں ان پر لعنت نہ کروں، جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے، جب کہ اس کا حکم قرآن کریم میں ہے: ''**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**'' اور جو تم کو رسول دے تو اس کو لو اور جس سے تم کو وہ منع کریں تو تم اس سے باز آؤ۔

امام بخاری (۵۵۹۳) اور امام مسلم (۲۱۲۴) نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی، گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت کی ہے''۔

اس حکم سے مستثنیٰ چیزیں:

کسی عورت کے چہرہ پر داڑھی یا مونچھ آئے تو ان بالوں کا نکالنا حرام نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ ممانعت آبروؤں اور چہرے کے کناروں کے بال نکالنے کی ہے۔

اسی طرح علاج کے لیے چہرہ کے بال نکالنے یا دانتوں میں کوئی عیب ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے تفلیج کرنے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ حرام اس صورت میں ہے جب حسن وجمال کے لیے کیا جائے اور اللہ عز وجل کی تخلیق میں تبدیلی کی جائے۔

ان چیزوں کی حرمت کی حکمت:

اس کی حکمت حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے: اللہ سبحانہ وتعالی کی تخلیق میں تبدیلی کرنا، کیوں کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے اور حقیقت حال کو چھپا کر حقیقت کے خلاف صورت کا اظہار کرنا ہے۔

۶۔ مردوں کا عورتوں اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا:

مرد کا لباس اور زیب وزینت میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا، مثلاً کنگن اور کڑے وغیرہ پہننا اور بال بڑھانا۔

اسی طرح گفتگو اور چلنے میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا، مثلاً بتکلف عورتوں کی طرح چلنا، مہین آواز میں بات کرنا، نرم گفتگو کرنا اور اس کے علاوہ عورتوں کی دوسری عادتوں کو اپنانا۔

عورتیں لباس اور بعض صفات میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، مثلاً بتکلف خشونت اور مردانہ صفات کو اختیار کرنا، سر کے بال منڈھانا وغیرہ۔

مشابہت کا حکم:

اس طرح کی مشابہت حرام ہے، بلکہ گناہ کبیرہ میں سے ہے، کیوں کہ یہ کام کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

یہ ان منکرات میں سے ہے جو آج مسلمانوں میں عام ہو گئی ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

درحقیقت یہ امت مسلمہ کی حقیقت کو مسخ کرنا ہے، ان کی عزت وشرافت والی زندگی میں انحطاط اور زوال کی علامت ہے، خصوصاً ان دنوں جب کہ امت آزمائش کے دور سے گزر رہی ہے اور دشمن ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور ان کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

امام بخاری (۵۵۴۶) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

امام بخاری (۵۵۴۷) نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ نے مردوں میں سے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والوں اور عورتوں میں سے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والیوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے: ''ان کو اپنے گھروں سے نکالو''۔

اگر فطری طور پر کسی میں جنس مخالف کی صفات پائی جائیں تو اس پر کوئی ملامت نہیں، البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کوشش کر کے ان صفات میں تبدیلی لائے، اگر بالارادہ اور بتکلف ایسا عمل کرے تو یہ قابلِ مذمت اور حرام ہے۔

۷۔ تصویر کی حرمت:

انسان اور جاندار اور ہر ذی روح کی تصویر حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیوں کہ حدیث نبوی میں صراحت کے ساتھ تصویر کشی پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔

چاہے تصویر کی تعظیم وتکریم کی جائے یا ذلت وامتہان۔

اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ تصویر بچھونے پر ہو یا کپڑے پر، یا درہم ودینار پر یا کاغذ پر یا برتن پر یا دیوار پر یا کسی اور چیز پر۔

اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ تصویر کا سایہ ہو یا نہ ہو، کیوں کہ ہر ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے، چاہے جس طرح بھی تصویر لی جائے یا بنائی جائے اور جس چیز پر بھی لی جائے۔

فوٹو گرافر اور اس کے پاس جانے والے سب حرمت میں یکساں ہیں، کیوں کہ یہ بھی گناہ میں معاون ومددگار ہیں، اگر چہ مصور کا گناہ بڑا ہے اور اس پر سخت عذاب ہوگا۔

البتہ غیر ذی روح جانوروں کی تصویر حرام نہیں ہے اور تصویر لینے یا بنانے میں کوئی گناہ بھی نہیں ہے، مثلاً درخت، نباتات اور جمادات وغیرہ۔

البتہ اس کے احکام مختلف ہیں کہ کوئی ایسی چیز لے جس میں حیوان یا انسان کی تصویر ہو یا اس کو اپنے پاس رکھے، اگر یہ تصویر دیوار پر لٹکی ہوئی ہو یا اس طرح کپڑے پر نقش کی ہوئی ہو جو قابلِ ذلت شمار نہ ہوتی ہو تو اس کو لینا حرام ہے اور اس کو اپنے پاس رکھنا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اس کا نکالنا اور ہٹانا واجب ہے۔

اگر روندے جانے والے بچھونے یا ٹیک لگائے جانے اور بیٹھے جانے والے گاؤ تکیے وغیرہ پر ہو تو حرام نہیں ہے۔

تصویر بنانے کی حرمت سے مستثنیٰ چیزیں:

اس حرمت سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں:

۱۔ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے کھیل کی چیزوں میں رخصت ہے۔

امام مسلم (۲۴۴۰) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنے کے بعد گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں، وہ فرماتی ہیں: میری سہیلیاں میرے پاس آتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے آنے پر حیا اور ہیبت سے چھپ جاتی تھیں، تو رسول اللہ ﷺ ان کو میرے پاس بھیجتے تھے۔

۲۔ ضرورت کے وقت: جب کوئی ضرورت تصویر لینے کی پیش آئے تو تصویر لینا جائز ہے، لیکن صرف بقدر ضرورت ہی جائز ہے۔

تصویر کی حرمت کی دلیلیں:

حدیث شریف میں حیوان کی تصویر کی حرمت کی بہت سی دلیلیں ہیں، جن میں سے بعض حدیثیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

امام ترمذی (۱۷۴۹) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا اور اس کو بنانے سے بھی منع فرمایا"۔

امام بخاری (۵۶۰۶) اور امام مسلم (۲۱۰۹) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب مصورین کو دیا جائے گا"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ تصویر بناتے ہیں، قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا: "جو تم نے پیدا کیا ہے اس کو زندہ کرو"، امام بخاری (۵۶۰۷) اور امام مسلم (۲۱۰۸) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے محمد ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جوکوئی دنیا میں تصویر بنائے گا، اس کو قیامت کے دن اس بات کا مکلّف بنایا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ روح پھونک نہیں پائے گا''۔(بخاری:۵۶۱۸، مسلم:۲۱۱۰)

امام بخاری اور امام مسلم (سابقہ حوالہ) نے حضرت سعید بن ابوالحسن سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں تصویر بناتا ہوں، چناں چہ آپ مجھے اس بارے میں فتوی دیجئے، آپ نے فرمایا: میرے قریب آؤ، چناں چہ وہ آپ کے قریب آیا، پھر آپ نے اس سے فرمایا: میرے اور قریب آؤ، وہ قریب ہوا تو آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: میں تم کو وہی بتاتا ہوں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ہر مصور جہنم میں جائے گا، اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان دار بنایا جائے گا جو اس کو جہنم میں عذاب دے گا''، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم کو بنانا ہی ہے تو درخت اور ایسی چیزوں کی تصویریں بناؤ جن میں روح نہ ہو۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہو اور مجسموں کی تصویر ہو''۔(بخاری: ۳۰۵۳، مسلم: ۲۱۰۶)

تصویروں کی حرمت کی حکمتیں:

منجملہ شرعی امور کی طرح تصویر کی حرمت اور ممانعت بھی عبادت میں داخل ہے، البتہ اللہ عزوجل جس طرح چاہے اپنے بندوں سے اپنی عبادت کرواتا ہے، بندے اگر اپنے لیے خیر وبھلائی چاہتے ہیں تو ان کے لیے یہ کہے بغیر چارہ کار نہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے پروردگار! ہم تیری معافی کے طلب گار ہیں اور ہم کو تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) اللہ عزوجل کو چھوڑ کر ان تصویروں، بتوں اور مجسموں کی پوجا کی جاتی تھی

(اور اب بھی کی جارہی ہے) جب اسلام عقیدۂ توحید لے کر آیا اور شرک کو حرام قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی تو ان تمام دروازوں کو بند کردیا جن سے مومنین کے دلوں میں کچھ بھی شرک اور غیر اللہ کی تعظیم داخل ہوسکتی ہو، ان میں تصویر بھی ہے، اس کو بھی حرام قرار دیا، تاکہ شرک کے تمام راستے بند ہوجائیں اور احتیاط پر عمل کیا جائے۔

(ب) نبی ﷺ نے ممانعت کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ صورت اور شکل بنا کر مصور اپنے اس عمل سے اللہ عزوجل کی مشابہت اختیار کرتا ہے، اسی وجہ سے مصور سے کہا جائے گا: جو تم نے پیدا کیا ہے، اس کو زندہ کرو، اور وہ کر نہیں سکے گا۔

(ج) اللہ عزوجل کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویریں اور مجسمے ہوں، اسی وجہ سے تصویریں بنانے والا فرشتوں کے گھر میں داخل ہونے کی برکتوں اور ان کی دعاؤں، ان کے استغفار اور ان کے درود وسلام سے محروم ہوجاتا ہے۔

افسوس اور حسرت کا مقام:

موجودہ زمانے میں ہم مسلمان اس حرام کاری اور منکر میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان لوگوں پر تقریروں اور تحریروں کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ اللہ کی سخت وعید کی پرواہ نہیں کرتے۔

کفارے کے مسائل

کفارے کی تعریف:

"کفارہ" "کَفَر" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی چھپانے کے ہیں، کفارہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے گناہ چھپ جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور اس کی رحمت ہے۔

اصطلاح میں کفارہ کہتے ہیں ایسے فعل کو جس سے گناہ مٹتا ہے، مثلاً مخصوص شرطوں کے ساتھ غلام یا باندی آزاد کرنا، صدقہ کرنا اور روزے رکھنا۔

کفارہ کی مشروعیت کی دلیلیں:

کفارہ مشروع ہے اور اس کی مشروعیت کی قرآن اور حدیث نبوی میں بہت سی دلیلیں ہیں، اللہ عزوجل قسم کے کفارہ کے سلسلے میں فرماتا ہے: "**فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ**" (مائدہ) پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حج میں جاتے وقت "احصار" یعنی کسی رکاوٹ کے آنے کی وجہ سے مکہ تک پہنچنا ممکن ہونے کی صورت میں واجب ہونے والے کفارہ کے سلسلے میں فرماتا ہے: "**فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**" (بقرہ) چناں چہ اگر تم روک دیے جاؤ تو جو ہدی میسر آئے (اس کی قربانی کرو)

قتل خطا کے سلسلے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ**" (نساء) جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو وہ ایک گردن (غلام یا باندی) آزاد کرے۔

ظہار کے سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: "**وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ**......" (مجادلۃ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرتے ہیں تو وہ ایک گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کریں۔

امام مسلم (۱۶۴۵) نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی کسی چیز کی قسم کھائے پھر اس سے بہتر چیز دیکھے تو جو بہتر ہے وہ بجالائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے" (مسلم ۱۶۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے۔

کفاروں کی تفصیلات بیان کرتے وقت ان شاء اللہ مزید دلیلیں معلوم ہو جائیں گی۔

کفارہ کی مشروعیت کی حکمت:

انسان کے برتاؤ اور معاملات میں بہت سی کمیاں اور خامیاں رہتی ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے کفارہ مشروع کیا گیا ہے، اس سے انسان کی طرف سے بگاڑی ہوئی چیز کی ترمیم اور غلطی کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے اعمال پر مرتب ہونے والے منفی اثرات زائل ہوتے ہیں۔

مثلاً قتل خطا کے کفارے میں انسانی جان کو ضائع کرنے کی وجہ سے معاشرے کو اس کا بدل دوسری جان کو زندہ اور غلام آزاد کر کے دینا ہے، کیوں کہ غلام اس شخص کے مشابہ ہے جس کے حق میں موت کا فیصلہ سنایا جا چکا ہو، جب اس کو آزاد کیا جاتا ہے تو اس کو نئی زندگی ملتی ہے۔

کھانا کھلانے کا مقصد فقراء کو بھوک، تکلیف اور محرومیوں سے چھٹکارا دلانا ہے۔

روزہ برائیوں کی گندگیوں سے نفس کو چھٹکارا دلاتا ہے، اس کو تقویٰ کے درجے پر پہنچا دیتا ہے اور منکرات سے دور رکھتا ہے۔

مثلاً ظہار کا کفارہ ظہار کرنے والے شخص کی طرف سے ارتکاب کیے ہوئے جھوٹ کو ختم کرتا ہے، جب کہ وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کے مشابہ قرار دیتا ہے اور اپنی بیوی کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔

قسم کا کفارہ قسم توڑنے کی وجہ سے مرتب ہونے والے اثرات یعنی اس کی وجہ سے لازم آنے والے گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

اسی طرح دوسرے تمام کفاروں میں بھی ہے۔

کفارے کی قسمیں:

کفارے کی مختلف قسمیں ہیں، ہم یہاں ان کفاروں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض کفاروں کو ان کے ابواب کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے اور بعض کا تذکرہ ان کے ابواب میں آ رہا ہے۔

ہم نے سوچا کہ ایک الگ فصل کے تحت ان تمام کفاروں کو جمع کیا جائے، تا کہ پڑھنے والے کو آسانی ہو، جب بھی کوئی ایک ہی جگہ ان کے بارے میں جاننا اور ان کے احکام سے واقف ہونا چاہے تو آسانی کے ساتھ استفادہ کر سکے۔

ا۔ رمضان میں جماع سے روزہ توڑنے کا کفارہ:

کوئی رمضان میں روزہ کی حالت میں جماع کرے تو مندرجہ ذیل کفارہ لازم آتا ہے:

ا۔ مومن غلام یا باندی کو آزاد کرنا: کفارہ ادا ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(الف) وہ مومن ہو۔

(ب) عمل اور کمائی میں کمی لانے والے تمام عیوب سے پاک ہو، مثلاً اندھا پن اور فالج وغیرہ۔

۲۔ باندی یا غلام نہ ملے یا اس کو آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو تو روزے رکھنا، مثلاً غریب ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھنا واجب ہے۔

۳۔ اگر روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے، ہر مسکین کو اپنے شہر کے اناج میں سے ایک مد دے گا۔

یہ کفارہ مندرجہ بالا ترتیب کے ساتھ ہی واجب ہے، پہلے کے بجائے دوسرے کو کرنا اسی صورت میں صحیح ہے جب پہلا عمل نہ کر سکتا ہو۔

اگر ان چیزوں میں سے کسی پر بھی عمل نہ کر سکتا ہو تو اس کے ذمے کفارہ باقی رہے گا، جب اس کو ان میں سے کسی ایک کے کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی تو وہ کفارہ ادا کرے گا۔

یہ کفارہ رمضان میں جماع کرنے پر صرف جماع کرنے والے پر واجب ہوتا ہے، بیوی پر واجب نہیں ہوتا، چاہے وہ بھی روزے سے ہو، کیوں کہ جماع کرنے والے کا جرم زیادہ سخت ہے، اسی لیے مناسب یہی ہے کہ کفارہ کا مکلّف صرف شوہر کو بنایا جائے۔

یہ کفارہ کب واجب ہوتا ہے:

یہ کفارہ رمضان کے کسی دن کا روزہ جماع کے ذریعے توڑنے سے واجب ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ جماع کرنے والے کو یاد ہو کہ وہ روزے سے ہے، اس عمل کی حرمت کو جانتا ہو اور سفر یا بیماری کی وجہ سے اس کو روزہ چھوڑنے کی رخصت نہ ہو۔

اگر کوئی شخص بھول کر جماع کرے یا حرمت سے ناواقف ہو یا رمضان کے علاوہ دوسرا روزہ توڑے یا عمداً روزہ توڑے، لیکن جماع نہ کرے، بلکہ روزہ توڑنے والی چیزوں میں سے کسی دوسری چیز کا ارتکاب کرے یا ایسے سفر پر ہو جس سفر میں روزہ چھوڑنے کی رخصت ہو تو ان تمام صورتوں میں کفارہ نہیں ہے، بلکہ صرف اس روزہ کی قضا کرنا ضروری ہے

کفارہ ادا کرتے وقت نیت کرنا:

کفارہ ادا کرتے وقت نیت کرنا شرط ہے، نیت یہ کرے کہ کفارہ کا غلام یا باندی آزاد کر رہا ہوں یا روزے رکھ رہا ہوں یا مسکینوں کو کھانا کھلا رہا ہوں، کیوں کہ کفارہ یا تو مالی حق ہے یا جسمانی، جس طرح زکوۃ اور روزوں میں نیت کرنا ضروری ہے، اسی طرح کفارہ

ادا ہونے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اعمال کی صحت کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

کفارہ ادا کرتے وقت صرف آزاد کرنے یا روزہ رکھنے یا واجبی طور پر کھلانے کی نیت کرنا کافی نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں نذر ماننے کی صورت میں بھی واجب ہو جاتی ہے، چناں چہ کفارے کی تعیین کرنا ضروری ہے۔

کفارے کے ساتھ قضا بھی واجب ہے:

رمضان میں جماع کرنے والے پر کفارہ کے ساتھ جماع کے ذریعے توڑے ہوئے روزے کی قضا کرنا بھی واجب ہے۔

اسی طرح جس کے ساتھ جماع کیا گیا ہے یعنی بیوی پر بھی قضا واجب ہے، لیکن اس پر کفارہ نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص رمضان میں ایک سے زیادہ روزے جماع کے ذریعے توڑے تو اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے، اگر رمضان کے دو دونوں میں جماع کرے تو اس پر قضا کے ساتھ دو کفارے لازم آئیں گے، اسی طرح اگر تین دن جماع کرے تو تین کفارے لازم آئیں گے، جتنے دن جماع کرے گا اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے۔

اس کی دلیل امام بخاری (۱۸۳۴) اور امام مسلم (۱۱۱۱) وغیرہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم نبی کریم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہو گیا، آپ نے دریافت کیا: ''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے کہا: میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا ہے، دوسری روایت میں رمضان کے روزے کا تذکرہ ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کوئی باندی ہے جس کو تم آزاد کرو؟'' اس نے جواب دیا: نہیں، آپ نے پھر دریافت کیا: ''کیا تم دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھلا سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر

رکے، اسی دوران حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک برتن میں کھجوریں آئیں، آپ نے پوچھا: ''سائل کہاں ہے؟'' اس شخص نے کہا: میں یہاں ہوں، آپ نے فرمایا: ''یہ لو اور صدقہ کرو'' اس آدمی نے کہا: کیا مجھ سے زیادہ فقیر شخص پر میں صدقہ کروں، اللہ کے رسول؟ اللہ کی قسم! ان دو حروں کے درمیان یعنی مدینہ میں کوئی بھی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو میرے گھرانے سے زیادہ نادار ہو، نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دانت نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: ''جاؤ، اپنے گھر والوں کو کھلاؤ''۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: کسی فقیر کے لیے کھلانے کی طاقت حاصل ہونے کے بعد کفارہ اپنے اہل وعیال کو کھلانا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کے علاوہ دوسرے کفاروں کو بھی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صحیح نہیں ہے، اس حدیث میں ہے کہ صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے ہی کفارہ کا اناج اپنے گھر والوں پر خرچ کیا، یہ ان صحابی کی خصوصیت ہے، یہ عام حکم نہیں ہے۔

۲۔ مسافر اور مریض جب اس سال کے روزے کی قضا نہ کرے:

سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا دوسرا رمضان آنے سے پہلے کرنا ضروری ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''**فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ**'' (بقرہ) چناں چہ جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں پورا کرے۔

اگر سستی و کاہلی سے دوسرا رمضان آنے تک قضا نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور اس پر کفارہ لازم آئے گا، کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے اپنے شہر میں کھائے جانے والی غذا ایک مد فقراء پر صدقہ کرے۔

جتنے سال گزریں گے اتنے سال کا کفارہ لازم آئے گا، اگر دوسرا رمضان آنے تک قضا نہ کرے تو قضا کے ساتھ ہر دن کے بدلے دو مد اناج صدقہ کرے گا، اسی طرح جتنے سال گزریں گے، اتنے ہی مد ہر روزہ کے بدلے دینا ضروری ہوگا۔

اگر دوسرا رمضان آنے تک عذر باقی رہے تو صرف اس پر قضا واجب ہے، کفارہ

دینا ضروری نہیں ہے۔

اگر قضا کرنے کی قدرت حاصل ہونے سے پہلے ہی انتقال ہوجائے تو اس کے ذمے کفارہ نہیں رہے گا۔

اگر قضا کرنے کی قدرت تھی پھر بھی قضا نہ کرے اور اس کا انتقال ہوجائے تو اس کے ولی کے لیے اس کی طرف سے اس کے ذمے باقی تمام روزے رکھنا مستحب ہے، اگر ولی اس کی طرف سے روزہ نہ رکھے تو ہر دن کے بدلے اس کی وراثت سے شہر کی عام غذا ایک مد اناج فقراء کو دینا واجب ہے، اس طرح اللہ عزوجل کے ذمے سے بری ہونے کی امید ہے

امام ترمذی (۷۱۸) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ”جس کا انتقال ہوجائے اور اس پر ایک مہینے کے روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کا انتقال ہوجائے اور اس پر روزے باقی ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے“۔

(بخاری: ۱۱۴۷)

۳۔ وہ بوڑھا جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو:

جب بوڑھے شخص میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، اس کے لیے ہر دن کے بدلے شہر کی عام غذا میں سے ایک مد اناج فقیروں پر صدقہ کرنا واجب ہے، اس صورت میں نہ اس پر روزوں کی قضا کرنا ضروری ہے اور نہ اس کے اولیاء پر

امام بخاری (۴۲۳۵) نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ”**وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ**“ (بقرہ ۱۸۴) جو بڑی مشکل سے روزہ کی طاقت رکھتے ہوں تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھلانا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ اس بوڑھے مرد اور عورت کے سلسلے میں ہے جو روزے رکھ نہیں سکتے، وہ ہر دن کے بدلے

ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گے“۔

۴۔ جب حاملہ اور مرضعہ اپنے بچوں پر خوف کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیں:

اگر حاملہ اور مرضعہ اپنے بچے کو نقصان پہنچنے کے اندیشے سے روزہ چھوڑ دے، مثلاً روزہ رکھنے کی صورت میں اسقاط حمل کا اندیشہ ہو یا مرضعہ کو دودھ کم پڑنے کا خطرہ ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنے کی صورت میں بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو اس پر قضا کے ساتھ کفارہ دینا بھی ضروری ہے، کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مد اناج فقراء کو دے۔

اگر حاملہ اور اپنے بچے کو دودھ پلانے والی عورت کو کمزوری یا بیماری کا اندیشہ ہو، جس کی وجہ سے وہ روزہ چھوڑ دے، چاہے بچے پر اندیشہ ہو یا نہ ہو تو صرف قضا کرنا ضروری ہے، کفارہ ضروری نہیں ہے۔

۵۔ حج کے کفارے:

حج کے کفاروں کی مندرجہ ذیل پانچ قسمیں ہیں:

ا۔ دمِ مرتب مقدر:

یہ دم حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑنے پر لازم آتا ہے، مثلاً میقات سے احرام نہ باندھے یا رمی جمار نہ کرے یا ان کے علاوہ دوسرے حج کے واجبات کو بجا نہ لائے۔

اگر کوئی واجب چھوڑ دے تو ایک ایسی بکری ذبح کرنا، یا گائے/اونٹ کا ساتواں حصہ قربانی کرنا ضروری ہے، جس کی قربانی جائز ہو۔

اگر ان میں سے کوئی جانور نہ ملے تو دس دن کے روزے رکھنا واجب ہے: تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹنے کے بعد۔

اس میں حج تمتع کا دم اور میدان عرفہ کا وقوف چھوٹنے کی صورت میں حج کو عمرہ میں

تبدیل کر کے احرام سے حلال ہونے کے بعد واجب ہونے والا دم بھی شامل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ’’فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ‘‘(بقرہ۱۹۶) جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو کرے، پھر اس کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ایام حج میں ہیں اور سات روزے جب تم گھر لوٹ جاؤ۔

حج تمتع یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے احرام سے حلال ہو جائے اور حج کے موقع پر مکہ ہی سے احرام باندھے۔

۲۔ دمِ مخیّر مقدر:

جب حج کے ممنوعات میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو یہ دم واجب ہوتا ہے، مثلاً بال منڈھائے، ناخن تراشے، سلے ہوئے کپڑے پہنے یا اس کے علاوہ احرام کے کسی ممنوع کا ارتکاب کرے، اس صورت میں مندرجہ ذیل کفارہ لازم آتا ہے:

بکری ذبح کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا یا حرم کے چھ مسکینوں کو تین صاع اناج صدقے میں دینا، ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا جو دینا ضروری ہے۔

اس کفارے کے واجب ہونے کے لیے تین بال نکالنا یا تین ناخن نکالنا کافی ہے۔

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ’’وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ‘‘(بقرہ۱۹۶) اور اپنے سروں کو نہ منڈھاؤ یہاں تک کہ ھدی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کا فدیہ روزے رکھنا یا صدقہ دینا یا قربانی کرنا ہے۔

سابقہ آیات حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں نازل ہوئی، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں دیکھا کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی ہیں، آپ نے دریافت کیا: ’’کیا تمہارے سر کے کیڑوں سے تمہیں تکلیف ہو رہی

ہے؟‘‘ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ’’اپنا سر منڈھاؤ اور ایک بکری قربانی دو یا تین دن کے روزے رکھو یا ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلاؤ‘‘ (بخاری:۱۷۱۹، مسلم:۱۲۰۱)

فرق تین صاع ہوتا ہے اور ایک صاع دو کلو چار سو گرام ہوتا ہے۔

۳۔ دمِ مخیّر معدل:

احرام کی حالت میں یا حرم میں (حالت احرام میں ہو یا نہ ہو) شکار کرنے سے یہ دم دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

کوئی شکار کرے تو شکار کیے ہوئے جانور کو دیکھا جائے گا، اگر شکار کا کوئی مثل یا صورتاً مشابہ کوئی جانور ہو تو حرم ہی میں قربانی کے جانوروں میں سے اس کا مثل ذبح کرنا ضروری ہے۔

یا اس کی قیمت کے بقدر اناج یہاں کے فقراء میں تقسیم کرنا یا ہر مد کے بدلے ایک دن روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اگر شکار کے مشابہ کوئی جانور نہ ہو تو اس کو دو میں سے ایک کا اختیار ہے: مسکینوں کو کھلائے یا روزے رکھے، البتہ اس حکم سے کبوتر مستثنیٰ ہے، کبوتر کا شکار کرنے پر ایک بکری کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ’’يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ اَوْكَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ اَوْعَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَى اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ‘‘(مائدہ۹۵) اے ایمان والو! تم شکار کو قتل نہ کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو، اور جو تم میں سے شکار کو عمداً قتل کرے تو اس کا بدلہ انعام (اونٹ، گائے، بکری) میں سے جو اس کے مشابہ ہو وہ ہے، اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر لوگ کریں گے بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے یا مسکینوں کو کھلانے یا اس کے بدلے روزے رکھنے کا کفارہ ہے، تا کہ وہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے

گذشتہ کو معاف کر دیا ہے اور پھر جو شخص ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

۴۔ دمِ مرتب معدل:

یہ دم احصار کی صورت میں واجب ہوتا ہے، کوئی حج کا احرام باندھے، لیکن حج کرنے کے لیے مکہ پہنچنے میں کوئی رکاوٹ آئے تو جہاں رکاوٹ آئی ہے وہیں پر حلال ہونے کی نیت کر کے ایک بکری ذبح کرے پھر اپنا سر منڈھائے یا اپنے بال کاٹے۔

یہ نہ کر سکتا ہو تو دم کی قیمت فقراء میں تقسیم کرے، اگر کھلانے سے عاجز ہو تو ہر مد کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "**وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**" (بقرہ ۱۹۶) اور اللہ کے خاطر حج اور عمرہ مکمل کرو، سو اگر تم کو روک دیا جائے تو جو قربانی کا جانور میسر ہو (اس کی قربانی کرو)۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مشرکین نے جب عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر نکلنے کے بعد حدیبیہ میں روکا تو آپ وہیں پر حلال ہوگئے۔ (بخاری: ۱۵۵۸، مسلم: ۱۲۳۰)

حلق سے پہلے ذبح کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل نے سابقہ آیت میں اسی ترتیب سے بیان فرمایا ہے: "**وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ**" اور تم اپنے سروں کو نہ منڈھاؤ یہاں تک کہ ہدی کے جانور اپنی جگہ پہنچ جائیں (یعنی ان کی قربانی کر دی جائے)

اگر بکری ذبح کرنے یا مسکینوں کو کھلانے کی طاقت نہ ہو تو پورے روزے مکمل ہونے تک بال منڈھانے یا کٹانے کے لیے انتظار نہیں کرے گا، بلکہ بال منڈھائے گا، پھر روزے رکھے گا۔

۵۔ دمِ مرتب معدل (پہلے کی طرح ہی ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے)

پہلے حلال سے قبل جماع کرے تو یہ دم واجب ہوتا ہے، اس صورت میں مندرجہ ذیل کفارہ دینا ضروری ہو جاتا ہے، ایک اونٹ ذبح کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ایک گائے ذبح کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سات بکریاں ذبح کرے، اگر ان میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو اونٹ کی قیمت لگا کر کھانا خریدے اور حرم کے فقراء میں اس کو تقسیم کرے۔

اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ہر مد کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

ذبح کرنا اور کھلانا حرم ہی میں ضروری ہے، البتہ روزے جہاں چاہے رکھ سکتا ہے۔

ان دموں میں ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ پہلا عمل کرنے کی طاقت رہنے کی صورت میں دوسرے عمل کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں ہے، یہ تخییر کی ضد ہے، اس میں کفارہ ادا کرنے والا شخص جس کا چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

اس موضوع کی مزید تفصیلات کے لیے حج کے ابواب میں حج کے کفاروں کے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶۔ قسم کا کفارہ:

جو شخص یمین غموس یا غیر یمین غموس کو توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب ہے، اس کو مندرجہ ذیل تین میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہے۔

۱۔ مومن غلام یا باندی کو آزاد کرنا، جب کہ غلام اور باندی پائے جاتے ہوں۔

۲۔ دس مسکینوں کو ایسا آسودہ کھانا کھلانا جو معتدل کھانا آدمی اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے۔

۳۔ دس مسکینوں کو ایسے کپڑے پہنانا جس کو عرف میں لباس کہا جاتا ہو، مثلاً ازار بند، موزہ، اور سر ڈھانکنے والی چیز، چاہے اس کی شکل جو بھی ہو، ان تمام چیزوں کو لباس کہا جاتا ہے۔

اگر ان تینوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھنا اس پر ضروری ہے، البتہ مسلسل رکھنا شرط نہیں ہے۔

اس کفارہ کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''(مائدہ ۸۹) اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم توڑنے پر مواخذہ نہیں فرماتے، لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کرو (پھر توڑو) سو اس پر کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو تم کھانے دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن (ایک غلام یا باندی) کو آزاد کرنا اور جس میں طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو (پھر توڑو) اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے خاطر اپنے احکام بیان فرماتے ہیں، تا کہ تم شکر کرو۔

۷۔ نذر کا کفارہ:

جس نذر میں کفارہ واجب ہوتا ہے وہ نذر لجاج ہے، یہ وہ نذر ہے جو جھگڑتے وقت مانی جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی سے جھگڑتے وقت اس سے بات نہ کرنے کے ارادے سے کہے: اگر میں نے اس سے بات کی تو اللہ کے خاطر مجھ پر حج کرنا لازم ہے۔

اس نذر کا حکم یہ ہے کہ جب معلق چیز وقوع پذیر ہوجائے تو نذر ماننے والے کو اپنی نذر پورا کرنا یا اس کا کفارہ دینا ضروری ہے، مثلاً کوئی حج کی نذر مانے تو حج کرنا، یا قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، اس کو ان دو میں سے کسی ایک کا اختیار رہے۔

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن غلام یا باندی کو آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس فقیروں کو ایسے کپڑے پہنائے جس کو عرف میں کپڑے کہا جائے، اگر یہ نہ ملے تو تین دنوں کے روزے رکھے، البتہ مسلسل رکھنا شرط نہیں ہے، قسم کے کفارہ میں اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

البتہ اس کے علاوہ نذر کی دوسری قسموں میں نذر مانی ہوئی چیز کو ہی پورا کرنا ضروری ہے، کوئی بھی چیز اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔

نذرِ لجاج کے کفارہ کی دلیل:

امام مسلم (۱۶۴۵) نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے''۔

۸۔ ظہار کا کفارہ:

ظہار ظَھْرٌ (پیٹھ) سے ماخوذ ہے۔

اصطلاح میں ظہار یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنے لیے حرام ہونے میں کسی محرم مثلاً ماں اور بہنوں کے مشابہ قرار دے، مثلاً اپنی بیوی سے کہے: تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

جاہلیت میں عربوں میں ظہار طلاق دینے کا ایک انداز اور اسلوب تھا، لیکن اسلامی شریعت نے ظہار کو دوسرا رخ دیا اور اس کو طلاق شمار نہیں کیا بلکہ اس کے دوسرے احکام بیان کیے۔

ظہار کا کفارہ کب لازم آتا ہے:

جب شوہر اپنی بیوی کو کسی محرم کے مشابہ قرار دے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے ظہار کے بعد طلاق دی ہے یا نہیں، اگر طلاق بھی دی ہے تو ظہار بھی طلاق میں شامل ہوگا اور ظہار کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا، اور اس پر ظہار کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔

اگر ظہار کے بعد طلاق نہ دے اور کوئی ایسی بات کہے جس سے نکاح ٹوٹتا نہ ہو تو اس صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور فوراً کفارہ دینے کا اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔

ظہار کا کفارہ:

ظہار کا کفارہ مندرجہ ذیل ہے اور اس کفارہ میں ترتیب ضروری ہے:

ا۔ کمائی اور کام میں رکاوٹ بننے والے عیوب سے پاک صحیح سالم مومن باندی یا

غلام آزاد کرنا۔

۲۔ مسلسل دومہینوں کے روزے رکھنا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ غلام نہ پائے جاتے ہوں، مثلاً آج کل ہمارے زمانے میں ہے، یا غلام ہوں اور اس میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو۔

۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، جب کہ وہ بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو یا مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو۔

ظہار کرنے والے پر فوراً کفارہ دینا ضروری ہے، کفارہ دینے سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں ہے۔

ظہار کا کفارہ واجب ہونے کی دلیل:

امام ابوداؤد (کتاب الطلاق: باب فی الظھار) اور امام ترمذی (کتاب الطلاق: باب الظھار) وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئی کہ ان کے شوہر نے ان کے ساتھ ظہار کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرا خیال تو یہی ہے کہ تمہیں ان سے طلاق ہوئی ہے" انھوں نے کہا اللہ کے رسول! ان سے میرے بچے ہوئے ہیں، اگر میں ان کو اپنے پاس رکھوں گی تو وہ بھوکے رہیں گے، اگر میں بچوں کو ان کے پاس چھوڑوں گی تو وہ ضائع ہوجائیں گے، وہ آپ سے اس معاملے میں جھگڑنے لگی، آپ ﷺ نے صرف یہی بات کہی: "میرا خیال تو یہی ہے کہ تمہیں ان سے طلاق ہوئی ہے"، اس کے بعد اللہ عزوجل نے سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائی: "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ، اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَاهُنَّ اُمَّهَاتِهِمْ اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللَّائِیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ، وَالَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ، فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا، ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكَافِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (مجادلۃ ۱-۴) بے شک اللہ تعالی نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کررہی تھی اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ سے شکایت کررہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، تم میں جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور یقیناً اللہ تعالی معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے، اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمے ایک گردن (غلام یا باندی) آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے، پھر جس کو غلام یا باندی میسر نہ ہو تو وہ باہم اختلاط سے پہلے مسلسل دومہینوں کے روزے رکھیں، اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔

۹۔ قتل کا کفارہ:

اللہ تعالی نے انسان کے قتل کو حرام قرار دیا ہے، اسی لیے قتل کرنے والے پر اللہ عزوجل کے حق کے طور پر کفارہ لازم آتا ہے، چاہے قتل عمد ہو، یا قتل شبہ عمد ہو، یا غلطی سے قتل کرے، چاہے مقتول کے اولیاء دیت معاف کردیں یا معاف نہ کریں، چاہے قاتل صحیح العقل ہو یا بچہ ہو یا مجنون۔

کفارہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ کمائی اور کام میں رکاوٹ بننے والے عیوب سے پاک صحیح سالم مومن باندی یا غلام آزاد کرنا۔

۲۔اگر غلام یا باندی آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا۔

اگر روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو مسکینوں کو کھلانا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ اس کی دلیل نہیں ملتی، بلکہ کفارہ اس کے ذمے باقی رہے گا، جب بھی اس میں کفارہ ادا کرنے کی طاقت پیدا ہوگی، کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

قتل کے کفارے کی دلیل:

اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَّمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا'' (النساء۹۲) اور کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالے کردیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کریں، اور اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہو تو ایک غلام یا باندی مسلمان کا آزاد کرنا، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالے کردیا جائے اور ایک غلام یا باندی مسلمان کو آزاد کرنا، پھر بھی جس شخص کو یہ نہ ملے تو مسلسل دو ماہ کے روزے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی توبہ ہے اور اللہ بڑے علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

جب قتلِ خطا میں کفارہ واجب ہے تو قتلِ عمد اور قتلِ شبہِ عمد میں کفارہ بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

امام ابوداود (۳۹۶۴) وغیرہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہمارے ایک ساتھی کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آئے جس پر قتل کی وجہ سے جہنم واجب ہوگئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو، اللہ اُس غلام کے ہر عضو کے

بدلے اِس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا''

۱۰۔حد نافذ کرنے سے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور آدمی گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے:

کوئی شخص کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی شریعت میں سزا متعین ہو، مثلاً قتل کرے، چوری کرے، زنا کی تہمت لگائے، زنا کرے یا شراب پیے، پھر اس پر اس گناہ کی وجہ سے دنیا میں حد نافذ کی جائے تو یہ حد اس گناہ کا کفارہ ہوگی، چاہے وہ اس سے توبہ کرے یا نہ کرے، اللہ عزوجل آخرت میں اس گناہ پر اس سے بازپرس نہیں کرے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری (۱۸) اور امام مسلم (۱۷۰۹) نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کہ آپ کے آس پاس صحابہ جمع تھے: ''مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کروگے، اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بہتان نہیں لگاؤگے (کسی پر زنا کا بہتان نہیں لگاؤگے) اور کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروگے، جو کوئی تم میں سے اس کو پورا کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کا اجر ملے گا، اور جو کوئی ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کو دنیا میں سزا دی جائے گی، تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی، جو کوئی ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے پھر اللہ اس کو چھپائے تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے تو اس کو معاف کرے چاہے تو اس کو سزا دے''، چناں چہ ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

امام ترمذی (۲۶۲۸) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی حد والے گناہ کا ارتکاب کرے اور دنیا میں ہی اس کو سزا دی جائے تو اللہ اس بات سے بہت زیادہ عادل ہے کہ وہ اپنے بندے کو آخرت میں دوبارہ سزا دے، جو کوئی حد والا گناہ کرے اور اللہ اس کی ستر پوشی کرے اور اس سے معاف کرے تو اللہ اس بات سے زیادہ کریم ہے کہ وہ معاف کی ہوئی چیز پر دوبارہ بازپرس کرے''۔